ذوالقعدہ ۱۴۴۱ھ جولائی ۲۰۲۰ء

بانی مُدیر: حافظ طیّب نواز شہید رحمۃ اللہ علیہ

جامع مسجد دہلی

اہلِ اسلام کے ماضی و مستقبل کی عظمت کی نشانی......

شاہ ولی اللہؒ، شاہ عبد العزیزؒ، سیّد احمد شہیدؒ و شاہ اسماعیل شہیدؒ اور ہزاروں دیگر علمائے کرام و مجاہدین کا مرکز و مسکن......

مولانا عبد الرشید غازی شہید

ممکن ہے ان سطور کی اشاعت تک ہم محصورینِ لال مسجد شہادت کا اعلیٰ رتبہ پا چکے ہوں۔ ۱۵ ہزار کے قریب سکیورٹی اہلکار، نیم فوجی دستے، ٹینکوں کا لاؤ لشکر نہتے اور معصوم طلبہ و طالبات کو روندتے ہوئے لال مسجد اور جامعہ حفصہ کو فتح کر چکے ہوں گے۔ اگرچہ اس وقت لال مسجد کربلا کا منظر پیش کر رہی ہے، میں صرف اتنا کہوں گا کہ ہم نے تحریک صرف اللہ کی رضا اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے شروع کی۔ حدود اللہ میں ترمیم، مساجد کی شہادت، فحاشی و عریانی کا فروغ، اسلامی عقائد کی نفس پسند تشریحات، جہاد کا نام لینے پر فوج کشی، مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کے بھیڑ بکریوں کی طرح کفار کے حوالے کرنا، سیکولرازم کے فروغ کے اقدامات قابلِ برداشت نہیں جس کی وجہ سے نفاذِ اسلام کی تحریک چلانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس کے ساتھ یہ بھی واضح کرنا چاہتا ہوں کہ آپریشن کے دوران جامعہ حفصہ میں کسی طالبہ یا طالبِ علم کو زبردستی نہیں روکا گیا۔ میں یہاں یہ بھی واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ہم اس ملک میں اسلام کا نظامِ عدل چاہتے ہیں، ہم عدالتوں میں شرعی قوانین کے نفاذ کے خواہاں ہیں۔ ہم چاہتے ہیں غریب عوام کو انصاف ملے۔ رشوت، ظلم، فحاشی، اقربا پروری کا نظام ختم ہو۔ ان سب مسائل کے حل کے لیے اسلامی نظام کا عملی نفاذ واحد ذریعہ ہے اور آئینِ پاکستان کا تقاضا بھی ہے۔ ہم نے دنیاوی فوائد کو مسترد کر کے، راستے کی تلخیوں کو پہچانتے ہوئے، شعوری طور پہ آخرت کی زندگی کو دنیا کی زندگی پر ترجیح دی ہے۔

ریاست کی رِٹ کی برتری کی بات کرنے والوں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات اور رِٹ کو قدم قدم پر پامال کیوں کیا؟ جن لوگوں نے گزشتہ پانچ دنوں میں قرآن اور حدیث کا علم حاصل کرنے والے طلبہ و طالبات کو گولیوں سے چھلنی کیا وہ یقیناً ظالم ہیں۔ اس موقع پر میڈیا کے چند چینلز نے بھی جانبداری کا مظاہرہ کیا، ہم اس مسئلے کو بھی اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔ میں آخر میں وصیت کے طور پہ اسلام پسند عوام، تحریک سے وابستہ لوگ، طلبہ و طالبات، ان کے لواحقین اور ذرائع ابلاغ کے سامنے اپنی بات دہراؤں گا کہ ہماری تحریک نیک مقاصد کے لیے شروع کی گئی ہے۔ ہم اسلامی نظام کے نفاذ کے مطالبے پر قائم ہیں۔ ہم اس بات پر مطمئن ہیں کہ ہم نے ایثار و قربانی اور وفا کی راہ کا انتخاب کیا۔ ہم نفاذِ اسلام کے مطالبہ پر جان دینا سعادت سمجھتے ہیں۔ کسی کو تو نفاذِ اسلام کے لیے آگے بڑھ کر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنا ہے۔ ہمیں اللہ کی رحمت سے یقین ہے کہ ہمارا لہو انقلاب کی نوید بنے گا۔ دنیا والوں نے ہمیں کبھی ایجنسی کا کارندہ کہا...... کبھی پاگل...... آج بارود کی بارش ثابت کر رہی ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں لڑ رہے ہیں۔ بے شک اہلِ حق پر مصائب آنا حقیقت ہے، اگر ہمارے امیر حضرت حسینؓ بے بسی میں شہید ہوئے تو ہم بھی اُسی قافلے کے رہرو ہیں۔ اسلامی انقلاب اس ملک کا مقدر بنے گا، ان شاءاللہ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
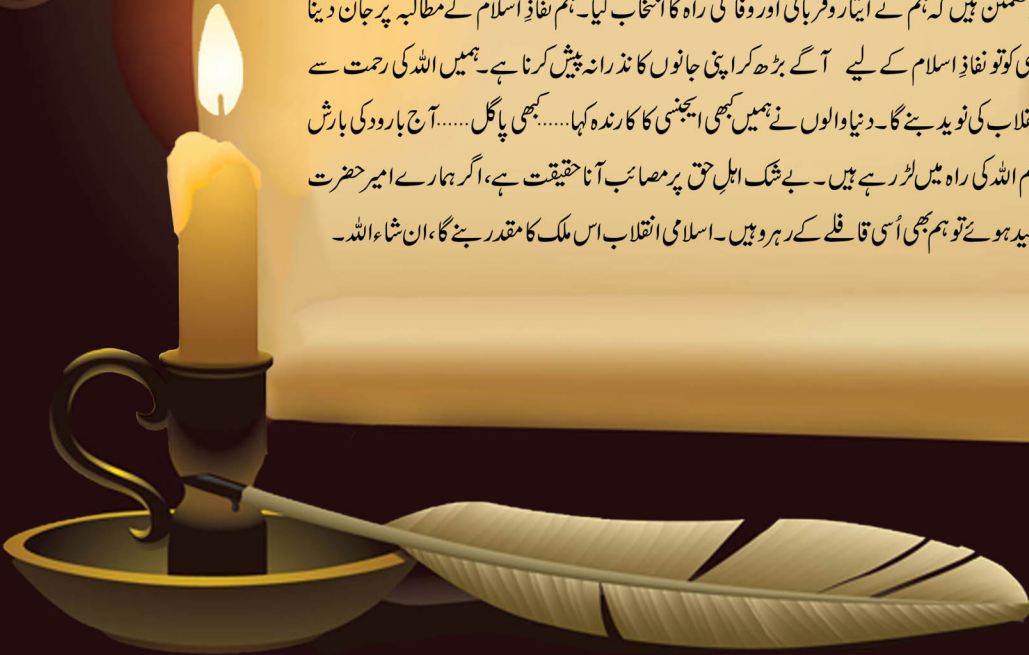
ذوالقعدہ ۱۴۴۱ھ | جولائی ۲۰۲۰ء

بحمد اللہ...... مسلسل اشاعت کا تیرھواں (۱۳) سال!
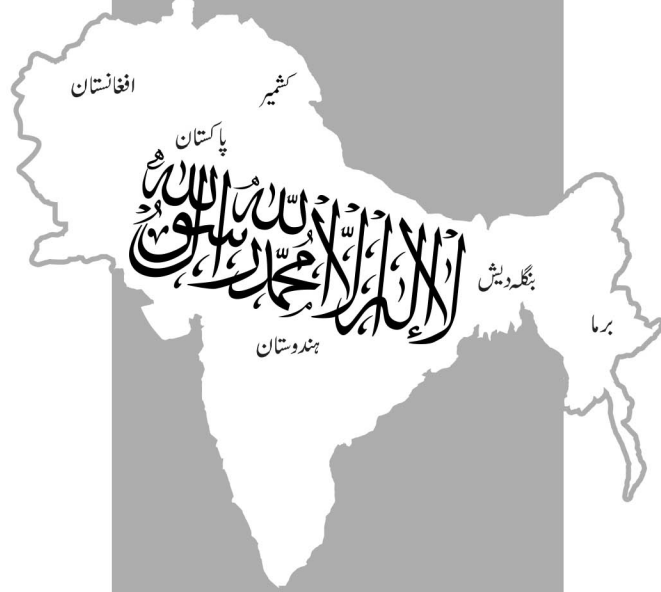
کشمیر
افغانستان
پاکستان
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
بنگلہ دیش
برما
ہندوستان

رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’ضرور تمہارا ایک لشکر ہندوستان سے جنگ کرے گا، اللہ ان مجاہدین کو فتح عطا فرمائے گا حتیٰ کہ وہ (مجاہدین) ان کے بادشاہوں کو بیڑیوں میں جکڑ کر لائیں گے اور اللہ (اس جہادِ عظیم کی برکت سے) ان (مجاہدین) کی مغفرت فرما دے گا، پھر جب وہ واپس پلٹیں گے تو عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو شام میں پائیں گے۔‘‘

(کتاب الفتن از نعیم بن حمادؒ)

اس شمارے میں

اداریہ
سالکِ راہ، ہوشیار! سخت ہے یہ مرحلہ 4

تزکیہ واحسان
شوقِ وطن 7
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں دنیا کی حقیقت 12
مسلمان خواتین سے مطلوب کردار 16

حلقۂ مجاہد
مسلمانوں کی نصرت وکامیابی کے عوامل 21
مجاہد کا زادِ راہ 22

قیامت کی نشانیاں
دجالیت اور اس کی چالیں 26

نشریات
مجھے کیوں قتل کیا گیا؟ 30
شہید شیخ ابو ہریرہ قاسم الریمی

سانحۂ لال مسجد...... تفریقِ حق وباطل کا نشان!
مولانا عبد الرشید غازی کا علما کی مجلس میں خطاب 31
تحریکِ لال مسجد کیا تھا اور آج اسے کیا ہونا چاہیے؟ 35
وانا آپریشن کے بارے میں علما کا متفقہ فتویٰ 40

کورونا وائرس...... إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ
اللہ کے لشکر! 43

فکر ومنہج
قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں! (حصہ دوم) 46
نظریاتی جنگیں 52
جہاد ایمان ونفاق کو الگ کرتا ہے! 57

مشاہیرِ اسلام
مولانا عبد الرشید غازی کی مختصر سوانحِ حیات 58

جمہوریت...... عصرِ حاضر کا صنمِ اکبر!
سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کی شرعی حیثیت 64

عالمی منظر نامہ
خیالات کا ماہنامچہ 67

نوائے افغان جہاد
غازی عبد الصبور بھی رہا ہو گئے! 70

پاکستان کا مقدر...... شریعتِ اسلامی کا نفاذ!
مستقبل میں پاکستان کے لیے خطرات اور اہلِ دین طبقہ 72
سیّد منور حسن...... ایک منفرد شخصیت 75
یہ بے وقوفی آخر کب تک؟ 79
فن اور فن کار 80

کشمیر...... غزوۂ ہند کا ایک دروازہ!
اے افواجِ پاکستان...... تم بھی مجاہد بن جاؤ! 81
ذاکر موسیٰ، قافلۂ شریعت یا شہادت اور مسلمانانِ برصغیر 83

...... ہند ہے سارا میرا
آخر یہ ذلت کا دور کب تک؟ 84

میدانِ کارزار سے
کچھ یادیں 87
داعش کے خلاف جنگ کی روداد 88

جن سے وعدہ ہے مر کر بھی جو نہ مریں!
بھائی برہان مجید کوکا شہید (ابوبکر شوپیانی) 90
انجنیئر زوہیر قدوائی شہیدؒ کے بارے میں احساسات 94

ناول
سحر ہونے کو ہے 96
سلطانیٔ جمہور 101

سوشل میڈیا
سوشل میڈیا کی دنیا سے 107

اس کے علاوہ دیگر مستقل سلسلے......

تجاویز، تبصروں اور تحریروں کے لیے اس برقی پتے (Email) پر رابطہ کیجیے: editor@nawaighazwaehind.com

www.nawaighazwaehind.com
www.nawai.co/Twitter
www.nawai.co/Channel
www.nawai.co/Bot

قیمت فی شمارہ: ۳۰ روپے

قارئینِ کرام!

’غزوۂ ہند‘ تمام اہلِ ایمان کا قضیہ ہے اور اس ’غزوے‘ کی حمایت ونصرت تمام اہلِ ایمان بالخصوص برِّ صغیر میں بستے اہلِ ایمان کا فریضہ ہے۔ ’غزوۂ ہند‘ کی دعوت کو پھیلانے اور مضبوط کرنے کی ایک کوشش کا نام ’نوائے غزوۂ ہند‘ ہے۔

نوائے غزوۂ ہند:

- اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفر سے معرکہ آرا مجاہدین فی سبیل اللہ کا موقف مخلصین اور محبّین مجاہدین تک پہنچاتا ہے۔
- برِّ صغیر، افغانستان اور ساری دنیا کے جہاد کی تفصیلات، خبریں اور محاذوں کی صورتِ حال آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔
- امریکہ، بھارت، اسرائیل اور اس کے حواریوں کے منصوبوں کو طشت از بام کرنے، اُن کی شکست کے احوال بیان کرنے اور اُن کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی ایک سعی ہے۔

اس لیے...... اسے بہتر سے بہترین بنانے اور دوسروں تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیجیے!

سالکِ راہ، ہوشیار! سخت ہے یہ مرحلہ

تقسیمِ ہند کے بعد پاکستانی اسٹیبلشمنٹ خواہ سویلین بیوروکریسی ہو یا ملٹری؛ ایک لبرل، ماڈریٹ اور جدید حلیہ رکھتی تھی۔ جلد ہی ملک کی حکومت سازی و امورِ خارجہ کی پالیسی لیول کا کام و اختیار سویلین بیوروکریسی سے ملٹری کی طرف کلیتاً منتقل ہو گیا۔ اس زمانے کی ملٹری اسٹیبلشمنٹ کے مشہور چہروں مہروں میں ایوب خان و یحییٰ خان شامل ہیں۔ اسی ملٹری اسٹیبلشمنٹ کا تسلسل بھٹو تھا۔ لیکن اسٹیبلشمنٹ کو 'لا الٰہ الا اللّٰہ' کی خاطر قربانیاں دے کر ملک بنانے والے مسلمان عوام اور ان عوام کے علما و قائدین سے ایک مسلسل 'خطرہ' تھا۔

ماڈرن و لبرل اسٹیبلشمنٹ کی آشیر باد سے افقِ اقتدار پر چھانے والے بھٹو[1] نے اولاً حصول اور ثانیاً دوامِ اقتدار کے لیے اپنی سیاست میں کچھ منافقانہ اقدامات شامل کیے۔ 'اسلام ہمارا مذہب، جمہوریت ہمارا طرزِ حکمرانی اور اشتراکیت ہمارا نظامِ معیشت' کا نعرہ لگا کر بھٹو اقتدار میں پہنچا اور پھر ۷۳ء کے آئین میں بعض نام نہاد اسلامی شقیں، مرزائیوں کو کافر قرار دینا وغیرہ جیسے اقدامات نے اس نئے سٹیج کو کچھ کچھ مذہبی پہناوا عطا کر دیا۔ بھٹو کو ہٹانے کے لیے نظامِ مصطفیٰ تحریک کو استعمال کیا گیا اور 'درود و سلام' اور 'آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العالمین' سے مرصع تقریروں اور 'شوریٰ کریسی' کے عناوین سے مسجع ایک نئے چہرے نے ایوانِ اقتدار کو رونق بخشی۔ ضیاء الحق نے اقتدار کی کرسی پر بیٹھ کر بہت سے ایسے اقدامات کیے جن سے اسٹیبلشمنٹ کا چہرہ 'اسلامی' نظر آنے لگا۔

یہ تاریخ ہے اور یہ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ نیک لوگوں کی تاریخ بھی ایک سی ہوتی ہے اور بد لوگوں کی تاریخ بھی ایک سی۔

پرویز مشرف اقتدار پر قابض ہوتا ہے۔ دین داری کو دقیانوسیت، پتھر کے زمانے کی نشانیاں کہا جاتا ہے، ماڈرن ازم و لبرل ازم پروان چڑھتا ہے۔ کہیں میراتھن ریسیں ہیں، کہیں حقوقِ نسواں کے نام پر زِنا بل اور سب سے بڑھ کر امریکہ کی غلامی میں ایسا کھپنا کہ امریکہ کی شروع کردہ 'وار آن ٹیرر' کو اپنی ہی جنگ بنا لینا اور پھر اس میں 'فرنٹ لائن اتحادی' کا 'تمغہ' اپنے سینے پر سجا لیا جاتا ہے۔

قریباً بیس سال امریکہ افغانستان میں مار کھاتا ہے، ایک معاہدے کے نتیجے میں فرار ہوتا ہے۔ آج دنیا کی dynamics (حرکیات) بدل رہی ہیں۔ اب 'وار آن ٹیرر' یعنی 'وار آن اسلام' کا 'فیشن' نہیں ہے۔ اب مفادات امریکہ سے شاید وابستہ رہنا مشکل ہو جائیں کہ دنیا کے مشرق میں ایک نئی طاقت جلوہ گر ہو رہی ہے اور ملک کے مشرق میں امارتِ اسلامیہ افغانستان پھر سے قائم ہو رہی ہے۔ ایسے میں وہی چہرہ دوبارہ چاہیے جیسا ضیاء الحق کے زمانے میں لوگوں کو چلانے کے لیے مطلوب تھا۔

۲۵ جون ۲۰۲۰ء کو، ایوانِ زیریں میں خطاب کے دوران وزیرِ اعظم عمران خان نے اپنی تقریر میں محسنِ امت شیخ اسامہ بن لادن رحمۃ اللّٰہ علیہ کا ذکر کیا اور اس ذکر کے ساتھ کہا کہ '......اسامہ بن لادن کو شہید کیا گیا......'۔ سوال یہ ہے کہ اسامہ بن لادن کو کس نے شہید کیا؟ شیخ کی شہادت سے چند ماہ قبل جنرل کیانی اور جنرل پاشا کی امریکی بحری بیڑے 'یو ایس ایس ابراہم لنکن' میں ملاقات ہوتی ہے اور اپریل ۲۰۱۱ء میں 'اہم ملاقات' کے لیے جنرل پاشا کابل میں موجود امریکی و افغان فوج کے عہدہ داروں سے ملنے کے لیے جاتا ہے۔ ۲ مئی کی رات کو پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکُول کے پاس، ایبٹ آباد کے بلال ٹاؤن میں شیخ اسامہ بن لادن کے خلاف امریکی کمانڈوز کارروائی کرتے ہیں۔ یہ امریکی کمانڈوز کئی سو کلومیٹر کا پاکستانی فضائی حدود میں فاصلہ ہیلی کاپٹروں میں طے کر کے آتے ہیں۔ اس کارروائی سے کئی

[1] درجنوں تاریخی کتب و دستاویزات اس بات پر گواہ ہیں کہ سنہ ۷۰ء میں اسٹیبلشمنٹ یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ وہ 'جمہوریت' کو کچلتے ہوئے شیخ مجیب الرحمان کا ساتھ دینے کے بجائے ذوالفقار علی بھٹو کی حمایت کرے گی اور سنہ ۷۱ء میں یہ عملاً ساری دنیا نے دیکھ بھی لیا۔

گھنٹے قبل ایبٹ آباد کے مخصوص علاقوں کو 'پاک' فوج کی جانب سے سِیل کر دیا جاتا ہے۔ ایبٹ آباد آپریشن ہوتا ہے، شیخ اسامہ اس میں اپنے بیٹے اور ساتھیوں سمیت شہید کیے جاتے ہیں اور امریکی صدر اوبامہ افواجِ پاکستان و حکومتِ پاکستان کی اس آپریشن کی سہولت کاری کی کاوشوں پر شکریہ ادا کرتا ہے۔ خود عمران خان نے ابھی پچھلے سال اپنے دورۂ امریکہ کے دوران، واشنگٹن میں 'فاکس نیوز' کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ 'ہماری اعلیٰ انٹیلی جنس ایجنسی نے سی آئی اے کو انٹیلی جنس (مخبری) دی جس کے نتیجے میں ''اسامہ بن لادن'' پکڑا گیا (ٹریس ہوا)'۔ معروف پاکستانی صحافی 'طلعت حسین' کے مطابق پہلی بار پاکستانی ایجنسیوں نے اسامہ بن لادن کے رابطہ کاری نظام کا سراغ لگایا اور امریکیوں کے حوالے کیا (بعداً اسی سراغ کے ذریعے امریکی شیخ اسامہ بن لادنؒ تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے)۔ الغرض یہ ساری کارروائی پاکستانی اسٹیبلشمنٹ کو شاملِ حال کرتے ہوئے کی گئی۔

آج شیخ اسامہ کو شہید کروانے کے لیے سہولت کاری کرنے والی اسٹیبلشمنٹ ہی کا 'سلیکٹڈ' عمران خان انہی شیخ اسامہ کو شہید کہہ دیتا ہے۔ یہ ہرگز بھی 'سلپ آف ٹنگ'[1] نہیں بلکہ 'پالیسی شفٹ'[2] ہے۔ جیسے ماضی میں ماڈرن ازم و لبرل ازم کے بعد 'اہلِ دین' کو 'رام' کرنے کے لیے اسٹیبلشمنٹ کا اسلوب، حلیہ اور چہرہ 'ضیاء الحق' کی صورت میں سامنے آیا تھا آج بھی اسی طرح کا ایک چہرہ تراشا جا رہا ہے۔

ہم اپنے ان اہلِ دین کے جذبات کی قدر کرتے ہیں جو شیخ اسامہ کی محبت کے سبب عمران خان کی اس بات کو اہلِ دین کے جذبات کی نمائندگی کہہ رہے ہیں۔ لیکن! ان مذکورہ اہلِ دین سے لے کر مجموعی طور پر پاکستان کے تمام اہلِ دین کو فقط شیخ اسامہ کو 'شہید' کہہ دینے کے سبب، اسٹیبلشمنٹ کی اس 'نئی' طرز میں بہتی 'پرانی' رو میں بہہ نہیں جانا چاہیے۔

کیسی عجیب بات ہے کہ جب آج سے آٹھ برس پہلے ایک مرحوم دینی رہنما نے امریکہ کی جنگ میں مارے جانے والے فوجیوں کے بارے میں کہا تھا کہ 'ان کا بھی وہی حکم ہے جو امریکی فوجیوں اور افغان فوجیوں کا ہے' تو اس پر شور برپا ہو گیا تھا اور افواجِ پاکستان کے ترجمان ادارے 'آئی ایس پی آر' نے کہا تھا کہ اس بیان سے افواجِ پاکستان کے جذبات مجروح ہوئے ہیں اور یہ بیان افواجِ پاکستان کی قربانیوں پر پانی پھیرنے کی طرح ہے اور دینی رہنما اس پر معافی مانگیں۔ جبکہ آج اسی اسٹیبلشمنٹ اور انہی افواجِ پاکستان کے ترجمان ادارے (جو سب مل کر شیخ اسامہ کے 'قتل' میں ملوث رہے) بالکل خاموش ہیں بلکہ انہی کا سابقہ 'ڈی جی رترجمان' عمران خان کا معاونِ خصوصی برائے اطلاعات ہے۔ آدھی کابینہ انہی ریٹائرڈ و حاضر سروس فوجیوں سے بھری پڑی ہے۔ وزارتِ عظمیٰ سنبھالنے سے پہلے جو عمران خان ایک دن میں آئی ایس آئی کے ایک بریگیڈیئر سے دس دس مرتبہ 'ہاٹ لائن' پر رابطے میں رہتا تھا[3]، وہ آج وزیر اعظم بننے کے بعد منہ سے کوئی حرف نکالتا ہے تو اسی اسٹیبلشمنٹ کی اجازت و ایما پر نکالتا ہے ورنہ اگر بات میں کچھ اونچ نیچ ہو جائے تو آرمی چیف براہِ راست مداخلت کرنے میں بھی کوئی باک محسوس نہیں کرتا۔[4]

یہ بات ہمارے پاکستان کے اہلِ دین ہی کے لیے ہے کہ 'سالکِ راہ، ہوشیار! سخت ہے یہ مرحلہ'۔ پھر وہی دین داری کا ایک 'میک اپ' ریاست اور ریاستی پالیسی کے بدنما اور داغ دار چہرے پر ملا جا رہا ہے، ایسے میں تمام اہلِ دین پر لازم ہے کہ وہ ان حقیقی عوامل کا ادراک کریں جو 'پاکستان' کو 'اسلامی' بنانے کی راہ میں رکاوٹ ہیں

---

[1] Slip of tongue (زبان پھسلنا)

[2] Policy Shift (پالیسی کی تبدیلی)

[3] نواز شریف کی وزارتِ عظمیٰ کے دور میں آئی بی (انٹیلی جنس بیورو؛ جو ایک سویلین انٹیلی جنس ادارہ ہے) نے عمران خان کی 'کال ہسٹری' جمع کی جس میں ظاہر ہوا کہ عمران خان آئی ایس آئی کے ایک حاضر سروس بریگیڈیئر سے یومیہ بنیادوں پر رابطہ رکھتا ہے اور چھوٹے چھوٹے معاملات سے لے کر بڑے معاملات تک سب کچھ ہی 'ڈسکس' کرتا ہے۔ اس رپورٹ میں مختصر چند سیکنڈ کی کالوں سے لے کر پچاس منٹ دورانیے تک کی یومیہ اوسطاً چھ سے دس کالوں کا ذکر ہے۔ نیز یہ ایک 'ہاٹ لائن' خصوصی نمبر تھا اور یہ دو عدد موبائل فونز کا pair (جوڑا) تھا، جس میں ایک فون ہر وقت بریگیڈیئر کے پاس اور دوسرا عمران خان کے پاس ہوتا۔ ذرائع کے مطابق یہ 'کال ہسٹری' نواز شریف نے ۲۰۱۶ء میں نیشنل سیکورٹی کمیٹی کے ایک اجلاس میں راحیل شریف کو پیش کی۔ باقی عمران خان کی پارٹی (تحریکِ انصاف) بنانے کے لیے 'احمد شجاع پاشا' کی خدمات کا راز چند ماہ قبل 'چودھری پرویز الٰہی'، آبپارہ والوں ہی کے کہنے پر افشا کر چکا ہے۔

[4] اس کی ایک مثال ابھی کورونا کا مسئلہ ہے جہاں عمران خان نے لاک ڈاؤن نہ نافذ کرنے کا اعلان کیا جبکہ باجوہ نے ملک بھر میں لاک ڈاؤن نافذ کرنے کا فیصلہ کیا اور کروایا!

اور پاکستان کے اہلِ دین پر بدرجۂ اتم لازم ہے کہ وہ سب سے پہلے اس بات کو سمجھیں کہ 'پاکستان میں شریعت نافذ نہیں بلکہ انگریز کی کالی کتابوں اور کالے نظریات پر مبنی جمہوری نظام بلکہ بدترین آمریت اور چنگیزیت نافذ ہے جس کا اسلام سے دور دور تک کوئی لینا دینا نہیں'۔ اہلِ دین کے لیے اس بات کا ادراک لازم ہے کہ وہ موجودہ حکمرانوں کی شرعی حیثیت جانیں (کہ یہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے بجائے نظامِ باطل مسلط کرنے والے ہیں) اور اس جائزے کے بعد ان کے کسی 'اخلاقی اسلامی' فعل اور کسی 'سچے شہید' کو 'شہید' قرار دے دینے والے قول پر فیصلہ کریں کہ ہم نے ان وردی و بے وردی والے حکمرانوں اور اس برپا نظام کا ساتھ دینا ہے، ان کے افعال و اقوال کو سراہنا ہے یا اسی نظامِ باطل اور اس کے جاری کرنے والے حکمرانوں کے خلاف علم بلند کرنا ہے۔

یہاں پاکستان میں موجود اہلِ دین کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔ پاکستان میں اہلِ دین کا ایک طبقہ تو وہ ہے جس کا پہلے ذکر گزرا لیکن ان کے علاوہ ایک کثیر التعداد طبقہ وہ بھی ہے جو اس نظام اور اس کے حکمرانوں کی حقیقت کو سمجھتا ہے۔ نہ صرف سمجھتا ہے بلکہ اس نظام کے خلاف بہر محاذ ڈٹا بھی ہوا ہے۔ یہ داعیان و مجاہدین پاکستان میں کئی دہائیوں اور خاص کر پچھلی ڈیڑھ دہائی میں ہزاروں جانوں کا نذرانہ نفاذِ شریعت کی راہ میں محنتیں کھپاتے ہوئے پیش کر چکے ہیں، جیلوں میں موجود 'معلوم' اہالیانِ دین اور خفیہ عقوبت خانوں میں پڑے ڈھائی لاکھ سے زائد 'نامعلوم' اہالیانِ دین اس درختِ جد و جہد کی شاخیں ہیں۔ پھر ان پر مستزاد لاکھوں علما، طلبہ، مجاہدین، اساتذہ، مفکرین، دانشوروں اور دیگر طبقاتِ زندگی سے وابستہ حضرات ایسے ہیں جو اس وقت اس نظامِ باطل کے خلاف آگہی پھیلانے، اللہ کی شریعت کے ذاتی و اجتماعی زندگی میں نفاذ اور نظامِ باطل کو گرانے کے لیے تیاری اور قوت جمع کرنے میں جتے ہوئے ہیں۔

'سلپ آف ٹنگ' ہو یا 'پالیسی شفٹ'... ہر دو صورتوں میں ہمارے اہلِ دین کے اول الذکر حضرات کے لیے ہوشیار و بیدار ہونا لازم ہے۔ ضرورت ہے کہ اس نظام اور اس کو جاری کرنے والوں کے خلاف اسلامی و شرعی بنیادوں پر دعوت دی جائے اور موجودہ نظام کو گرانے، اس کی اکھاڑ پچھاڑ اور بعد اُشریعت کو نافذ کرنے کے لیے فکری، علمی، سیاسی اور عسکری تیاری ہو اور قوت جمع کی جائے۔ ہر گزرتی گھڑی کے ساتھ ہم قیامت سے قریب ہوتے جا رہے ہیں اور قربِ قیامت میں کثرتِ رُوَیبضہ و دجاجلہ ہوگی[1]۔ اس زمانے میں دجل بھی زیادہ ہوگا، محاوروں میں نہیں حقیقتاً سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کہا جائے گا، جنت کو جہنم اور جہنم کو جنت کہا جائے گا۔ ایسے دجل کے زمانے میں ہمارے ان مذکورہ اہلِ دین کی ذمہ داری حد درجہ بڑھ جاتی ہے اور یہاں اس ذمہ داری سے ہماری ہر سطح و معاملے میں دین کی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم والی 'تعبیر' پر عمل ہے!

یوں تو برِّ صغیر کے تمام ہی کلمہ گوؤں پر نفاذِ دین کی محنت لازم ہے لیکن اہلِ پاکستان پر یہ زیادہ لازم و واجب ہے کہ انہوں نے آج سے ستر سال پہلے اس اعلان کے ساتھ یہ نیا ملک بنایا تھا کہ 'ہم یہاں اسلام نافذ کریں گے' اور نفاذِ اسلام کے ساتھ یہ قرضِ مسلمانی بھی لازم آتا ہے کہ پورے برِّ صغیر کو حقیقی اسلام کا گہوارہ بنایا جائے اور اہالیانِ برِّ صغیر، کشمیر تا گجرات اور آسام تا برما، سب ہی مظلومین کے لیے اسلام کے گھنیرے سائے کو پھیلا دیا جائے۔ وہ غزوۂ ہند ہم 'لا الٰہ الا اللہ' پڑھنے والوں اور 'محمد رسول اللہ' صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کا دم بھرنے والوں پر واجب ہے، جس کے نتیجے میں سندھ و ہند کے حکمرانوں کو بیڑیوں میں جکڑا جائے گا اور پھر یہی غزوہ لڑنے والوں کا ایک لشکر یہیں برِّ صغیر سے روانہ ہو کر شام و ایلیا[2] کا رخ کرے گا اور شام میں سیّدنا مسیح عیسیٰ ابنِ مریم علیہ السلام کو پائے گا۔ ان غازیوں کے لیے اللہ کی رضا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت، جنت کی بشارتیں اور جہنم سے آزادی کے پروانے ہیں!

أللهم انصر من نصر دين محمد صلى الله عليه وسلم واجعلنا منهم واخذل من خذل دين محمد صلى الله عليه وسلم ولا تجعلنا منهم، آمين يا ربّ العالمين!

---

[1] رُوَیبضہ: حدیث شریف کے مطابق وہ جاہل آدمی جو امورِ عامہ میں رائے دیں گے، دجاجلہ: دجال کی جمع۔
[2] بیت المقدس یا یروشلم کا قدیم نام۔

شوقِ وطن

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نوّر اللہ مرقدہٗ

ذیل میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مایہ ناز تالیف 'شوقِ وطن' نذرِ قارئین ہے۔ اس تحریر میں حضرت تھانویؒ نے انسان کو اس کے اصلی وطن یعنی آخرت کا شوق دلایا ہے۔ جیسا کہ اس تالیف کے شروع میں حضرت تھانویؒ نے خود فرمایا ہے کہ یہ انہوں نے ایک ایسے وقت میں تحریر فرمائی جب بعض علاقوں میں طاعون تیزی سے پھیل رہا تھا اور مسلمانوں میں بھی موت کا خوف عام تھا۔ اس وقت (۲۰۲۰ء میں) جب اس تالیف کو قسط وار مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' میں شائع کیا جا رہا ہے تو پوری دنیا کو طاعون ہی کی مثل ایک نئی وبا 'کورونا وائرس' نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ ایسے میں اس تالیف کو دوبارہ شائع کرنا اور عوام و خواص میں اس کی ترویج ایک صائب اقدام معلوم ہوتا ہے۔ حضرت تھانوی کے خلیفۂ خاص حضرت حکیم مصطفیٰ بجنوری رحمہ اللہ نے اس کتاب کی تسہیل فرمائی تھی اور ذیل میں تسہیل ہی پیشِ خدمت ہے۔ اللہ جلّ جلالہ سے دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس تحریر کو پڑھنے، سمجھنے اور اس کے ذریعے اپنے اصلی وطن یعنی آخرت کی تیاری کرنے کی ہمیں توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین! (ادارہ)

اہل جنت سے اللہ تعالیٰ ہمیشہ راضی رہیں گے:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت کو پکاریں گے کہ اے اہل جنت! وہ عرض کریں گے کہ ہم حاضر ہیں اور خدمت گزار ہیں اور خیر سب کی سب آپ کے ہاتھوں میں ہے (یعنی کیا ارشاد ہے؟) فرماویں گے کہ تم راضی بھی ہو گئے؟ عرض کریں گے کہ اے رب راضی کیوں نہ ہوتے حالانکہ آپ نے ہم کو ایسی ایسی نعمتیں عطا فرمائی ہیں جو آج کسی کو عطا نہیں فرمائیں۔ ارشاد ہو گا کہ میں تم کو اس سے بھی بڑھ کر ایک چیز دوں؟ عرض کریں گے اے رب! اس سے افضل کیا چیز ہو گی؟ ارشاد ہو گا کہ میں تم پر ہمیشہ اپنی رضامندی مبذول رکھوں گا اور اس کے بعد کبھی ناراض نہ ہوں گا۔ (مشکوٰۃ)

جنت سونے چاندی کی اینٹوں سے بنی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! جنت کی عمارت کیسی ہے؟ فرمایا: ایک اینٹ سونے کی ہے اور ایک اینٹ چاندی کی اور گارا اس کا مشک خالص ہے اور کنکریاں اس کی موتی اور یاقوت ہیں اور مٹی اس کی زعفران ہے۔ (مشکوٰۃ، ترمذی)

جنت کے درختوں کے تنے سونے کے ہوں گے:

اور نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت میں کوئی درخت ایسا نہیں ہے جس کا تنا سونے کا نہ ہو۔ (ترمذی و مشکوٰۃ)

جنت میں ہر قسم کی چیزیں ملیں گی:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا جنت میں گھوڑے بھی ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ تجھ کو جنت میں لے جاوے تو جب تیرا جی چاہے گا کہ یاقوتِ سرخ کے گھوڑے پر تجھ کو سوار کیا جاوے جو تجھ کو جہاں جہاں تیرا جی چاہے لیے پھرے تب ہی ایسا ہو جاوے گا اور اسی حدیث میں ہے کہ اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرے تو تجھ کو ہر قسم کی چیزیں ملیں گے جو کچھ تیرا جی چاہے اور جس سے تیری آنکھوں کو لذت ہو۔ (ترمذی و مشکوٰۃ)

ادنیٰ جنتی کے لیے انعامات:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ادنیٰ اہل جنت کا ایسا ہو گا جس کے اسّی (۸۰) ہزار خادم اور بہتّر (۷۲) بیبیاں ہوں گی اور اس کے لیے ایک قبہ موتی اور زبرجد اور یاقوت کا اتنا بڑا کھڑا کیا جاوے گا جیسا جابیہ سے صنعاء کا فاصلہ ہے اور انھی اسناد سے یہ حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اہل جنت پر تاج ہوں گے کہ ادنیٰ موتی ان کا مشرق و مغرب کے درمیان کی چیزوں کو روشن کر سکتا ہے۔ (ترمذی و مشکوٰۃ)

جنت میں دودھ اور شہد کے دریا ہوں گے:

حکیم بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں ایک دریا پانی کا اور ایک شہد کا اور ایک دودھ کا اور ایک شراب کا ہو گا۔ پھر ان دریاؤں سے آگے نہریں نکل نکل کر چلی ہیں۔ (ترمذی و مشکوٰۃ)

جنت کی حوریں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں ایک جگہ ہو گی جہاں حوریں جمع ہو کر بلند آواز سے، جس کے مثل خلائق نے نہ سنا، یہ گائیں گی: نحن الخالدات......الخ، یعنی ہم ہمیشہ رہنے والی ہیں کبھی فنا نہ ہوں گی اور ہم آرام سے رہنے والی ہیں کبھی سختی نہ جھیلیں گی اور ہم راضی رہیں گی کبھی ناراض نہ ہوں گی، اس شخص کے لیے بڑی خوشحالی ہے کہ وہ ہمارا ہو اور ہم اس کی ہوں۔ (ترمذی و مشکوٰۃ)

جنت میں اللہ تعالیٰ کی خوب زیارت نصیب ہو گی:

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم اپنے رب کو کھلم کھلا دیکھو گے اور ایک روایت میں ہے کہ ہم جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ آپ نے لیلۃ البدر میں چاند کو دیکھا اور فرمایا کہ تم اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جیسا اس چاند کو دیکھ رہے ہو کہ اس کے دیکھنے میں ایک دوسرے کو زحمت نہیں ہوتی (جیسا شاہانِ دنیا کی سواری دیکھنے میں ہوتی ہے)۔ (مشکوٰۃ)

جنت میں اللہ تعالیٰ کی زیارت سب سے زیادہ محبوب ہو گی:

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جنت والے...... جنت میں جاویں گے، اللہ تعالیٰ فرماویں گے تم کچھ اور زیادہ چاہتے ہو کہ تم کو دوں؟ وہ عرض کریں گے: کیا آپ نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کیا، کیا آپ نے ہم کو جنت میں داخل نہیں کیا اور دوزخ سے نجات نہیں دی؟ آپؐ فرماتے ہیں کہ پس پردہ اٹھادیا جاوے گا، پس اللہ تعالیٰ کا جمال باکمال دیکھیں گے اور کوئی چیز ان کو ایسی عطانہ ہوئی تھی جو اپنے رب کی طرف نظر کرنے سے زیادہ محبوب ہو۔ (مسلم و مشکوٰۃ)

جنت میں ادنیٰ اور اعلیٰ شخص کے لیے نعمتیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل جنت میں سب سے ادنیٰ درجے کا وہ شخص ہو گا جس کو اپنے باغ اور بیبیاں اور سامان نعمت اور خدمت گار اور اسباب مسرت ایک ہزار برس کی مسافت تک نظر آویں گے اور سب سے زیادہ معزز وہ شخص ہو گا جو حق تعالیٰ کے دیدار سے صبح و شام مشرف ہو گا۔ (ترمذی و مشکوٰۃ)

جنت میں حق تعالیٰ کی زیارت:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل جنت اپنی نعمتوں میں مشغول ہوں گے دفعتاً ان کے روبرو ایک نور بلند ہو گا تو دیکھتے کیا ہیں کہ اوپر سے حق تعالیٰ کا ظہور ہوا اور ارشاد ہو گا: السلام علیکم یا اہل الجنۃ اور اس آیت کی بھی تفسیر ہے سلامٌ قولاً من رب رحیم پس حق تعالیٰ اہل جنت کو اور اہل جنت حق تعالیٰ کو دیکھیں گے اور جب تک ادھر دیکھتے رہیں گے کسی نعمت کی طرف التفات نہ کریں گی یہاں تک کہ ان سے پردے میں ہو جائے گا اور نور (جو اس کا اثر ہے) باقی رہ جاوے گا۔ (ابن ماجہ و مشکوٰۃ)

فائدہ: ذرا ان حدیثوں کے مضامین میں غور کیا جاوے ایسی بے غل و غش اور ابدی نعمتیں دنیا میں کسی سلطان ہفت اقلیم کو بھی میسر نہیں۔

تتمہ

ناظرین کو یاد ہو گا گیارہویں باب میں برزخ کی نعمتیں ذکر کی گئی تھیں، اس پر ایک شبہہ ہوتا تھا اور اس بارہویں باب میں قیامت کی نعمتیں ذکر کی گئی ہیں، اس پر بھی ویسا ہی شبہہ ہوتا تھا جیسا کہ گیارہویں باب پر ہوتا تھا۔ وہ شبہہ یہ ہے کہ جنت کی نعمتیں سن کر شوق جب پیدا ہو سکتا ہے جبکہ دوزخ کے عذابوں کی خبر نہ ہو اور دوزخ کی تکلیفوں اور مصیبتوں کی خبر معلوم ہونے کے بعد تو سب حوصلے پست ہو جاتے ہیں اور آخرت کے نام سے ڈر معلوم ہوتا ہے اور بجائے آخرت کے شوق پیدا ہونے کے دنیا ہی میں رہنا غنیمت معلوم ہوتا ہے کیونکہ جب تک دنیا میں ہے ان عذابوں سے نجات ہے اور اہل عقل کا قول بھی ہے کہ تکلیف کا دفع کرنا آرام کے حاصل کرنے سے زیادہ ضروری ہے، یہاں کے شبہہ کے بھی ویسے ہی دو جواب ہیں جیسے گیارہویں باب کے شبہہ کے تھے۔

اول یہ کہ دوزخ سے بچنا اختیاری ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جن اعمال کی وجہ سے دوزخ کا عذاب لازم آتا ہے وہ سب اختیاری ہیں؛ ان سے بچیں، دوزخ کی مصیبتوں سے بچے رہیں گے۔ دوسرے یہ کہ باوجود ان تکلیفوں کے یہ یقین کہ ہم کو ایک دن ضرور ان سے نجات ملے گی، زخم پر مرہم کا کام دے گا۔ بخلاف دنیا کے کہ یہاں کی نعمتیں کیسی ہی ہوں لیکن آخرت کی تکلیفوں کا خیال ان سب کو مکدر کر دیتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مومن کے لیے آخرت کی تکلیفوں کی حالت بھی دنیا کی نعمتوں کی حالت سے اچھی ہے کیونکہ وہاں کی تکلیفوں کے ساتھ جنت کا یقین لگا ہوا ہے اور دنیا کی نعمتوں کے ساتھ آخرت کا خطرہ ہے جو سب نعمتوں کو مٹی کرنے والا ہے۔

اور تیسرا جواب اس شبہہ کا ایک اور بھی ہے جو گیارہویں باب میں مذکور ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ بعض گناہ گاروں کے لیے کسی کی شفاعت یا محض فضل خداوندی سے آخرت کے عذاب کا بالکل نہ ہونا یا تھوڑی مدت کے بعد موقوف ہو جانا بھی ہو گا۔ اس دوسرے اور تیسرے جواب کے لیے ثبوت کی ضرورت ہے چنانچہ اس کے ثبوت میں چند روایتیں لکھی جاتی ہیں۔

جہنمی جہنم میں ہمیشہ رہیں گے جبکہ گناہ گار مسلمان ایک نہ ایک دن جہنم سے نجات پالیں گے:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل دوزخ میں جو کہ حقیقتاً اہل دوزخ ہیں (یعنی کافر) وہ اس میں نہ مریں گے نہ جئیں گے۔ لیکن بعضے آدمیوں کو تم میں سے (یعنی مسلمان میں سے) ان کے گناہوں کے سبب دوزخ کا اثر پہنچے گا پھر اللہ تعالیٰ ان کو ایک خاص طور کی موت دے دے گا یہاں تک کہ جب وہ بالکل کوئلہ ہو جاویں گے تو اللہ تعالیٰ (شفاعت کرنے والوں کو ان کی) شفاعت کرنے کی اجازت دے دے گا (بعض نے کہا کہ ایک مدت تک سزا پا کر بالکل مر جاویں گے بعض نے کہا ہے کہ قلت احساس کی بنا پر مردے کے ساتھ تشبیہ دی گئی)۔ (مسلم)

مسلمان جہنم سے نکل کر پاک صاف ہو کر جنت میں چلے جائیں گے:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان دوزخ سے رہائی پا کر جنت و دوزخ کے درمیان ایک پل پر روکے جائیں گے اور دنیا میں جو ایک کے حقوق دوسرے کے ذمہ تھے ان کا عوض معاوضہ ہو گا یہاں تک کہ جب بالکل پاک صاف ہو جاویں گے تو دخول جنت کے لیے اجازت مل جائے گی۔ (بخاری و مشکوٰۃ)

پل صراط سے گزرنے کا بیان:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث طویل میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پل صراط سے گزرنے کا بیان کر کے فرمایا کہ جب مسلمانوں کو دوزخ سے رہائی ہو جاوے گی تو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اگر کسی کا حق (دنیا میں) ثابت ہو جاوے تو وہ بھی اتنا اس کے وصول کا تقاضا نہیں کرتا جتنا مسلمان اللہ تعالیٰ سے اپنے ان بھائیوں کے واسطے اصرار کریں گے جو دوزخ میں ہوں گے۔ وہ عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار! یہ لوگ ہمارے ساتھ روزہ رکھتے تھے اور نماز پڑھتے تھے اور حج کرتے تھے ارشاد ہو گا کہ جن کو

پہچانتے ہو نکال لو اور ان کے چہروں میں آگ کا ذرا اثر نہ ہو گا سو وہ لوگ بہت سی خلق کو نکالیں گے۔ پھر عرض کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! جن کی نسبت آپ نے ہم کو فرمایا تھا ان میں سے کوئی دوزخ میں رہا نہیں (یعنی جان پہچان والوں کو سب کو نکال کیا گو دوسرے اہل ایمان موجود ہیں) ارشاد ہو گا: دوبارہ جاؤ اور جس کے دل میں دینار کے برابر ایمان دیکھو اس کو بھی نکال لو۔ سو بہت سی خلقت کو (اس وقت) نکال لیں گے پھر ارشاد ہو گا کہ اب کی بار پھر جاؤ اور جس کے دل میں نصف دینار کے برابر ایمان دیکھو اس کو بھی نکال لو، سو بہت سی خلقت کو (اس وقت) نکالیں گے۔ پھر ارشاد ہو گا کہ اب کی بار پھر جاؤ اور جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان پاؤ اس کو بھی نکال لو۔ سو بہت سی خلقت کو (اس وقت نکالیں گے) پھر عرض کریں گے کہ ہم نے اس میں کوئی ایمان دار نہیں چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ ملائکہ شفاعت کر چکے اور پیغمبر شفاعت کر چکے اور مومنین شفاعت کر چکے اب بجز ارحم الراحمین کے کوئی باقی نہیں رہا پس اللہ تعالیٰ ایک مٹھی دوزخ سے لے گا اور ایسے لوگوں کو نکالے گا جنہوں نے کبھی خیر کی ہی نہ ہو گی اور وہ (جل کر) کوئلہ ہو گئے ہوں گے، پھر ان کو ایک نہر میں ڈال دے گا جو لب جنت پر ہو گی اور اس کا لقب نہر الحیوٰۃ ہے، سو وہ اس طرح اس میں سے (ترو تازہ) ہو کر نکلیں گے جیسے سیلاب کے بہائے ہوئے خاک و خاشاک میں دانہ نکل آتا ہے۔ غرض موتی کی طرح (آبدار ہو کر) نکل آویں گے اور ان کی گردن پر خاص نشان ہوں گے۔ اہل جنت کہیں گے: یہ رحمن کے آزاد کیے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو بغیر کسی عمل کے جس کو کیا ہو اور بغیر کسی خیر کے جس کو آخرت میں بھیجا ہو جنت میں داخل کیا ہے۔ پھر ان سے کہا جائے گا کہ تمہارے لیے وہ بھی جو تم نے دیکھا اور اس کے ساتھ اس کے برابر اور بھی۔ (بخاری و مسلم و مشکوٰۃ)

فائدہ: جو لوگ محض رحمت خداوندی سے سب سے اخیر میں دوزخ سے نکالے جائیں گے یہ یقینی بات ہے کہ یہ لوگ کافر نہیں کیونکہ کافر کی بخشش کی شریعت میں بالکل نفی ہے۔ کافر کے لیے ابد الآباد تک جہنم ہی میں رہنا ہے، تو یا تو یہ لوگ وہ ہیں جن کے پاس پیغمبر کی خبر ہی نہیں پہنچی اس وجہ سے نہ ان کو کافر کہہ سکتے ہیں کہ کفر کی وجہ سے ہمیشہ جہنم میں رہتے نہ ان کو مومن کہہ سکتے ہیں جس طرح نبی کے ماننے والوں کو مومن کہا جاتا ہے کیونکہ نبی کی خبر ان کو پہنچی ہی نہیں جب مومن نہیں ہیں تو جنت میں اور مومنین کے ساتھ نہیں گئے نہ کسی کی شفاعت ان کو پہنچی۔ حدیث مذکور کے الفاظ سے ظاہراً یہی صورت معلوم ہوتی ہے کیونکہ حدیث مذکور کے اس جملہ میں بغیر عمل 'عملوہ ولا خیر قدموہ' میں دو لفظ ہیں عمل اور خیر یعنی انہوں نے نہ کوئی عمل کیا ہو گا نہ کوئی بھلائی۔ بھلائی سے ایمان ہی سمجھ میں آتا ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب ان کو کسی نبی کی خبر ہی نہیں ہوتی تو بھلے برے سے بالکل بے خبر رہے تو دوزخ میں کیوں بھیجے گئے؟ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ بعضے گناہ نبی کے بتانے پر موقوف نہیں، عقل سے بھی سمجھے جا سکتے ہیں؛ جیسے ظلم وغیرہ۔ وہ ایسے گناہوں میں مبتلا ہوئے ہوں گے اس کی وجہ سے دوزخ میں ڈالے گئے، پھر جب ان سے پاک ہو گئے تو رحمت خداوندی سے دوزخ میں سے نکال لیے گئے اور یا یہ لوگ مومن ہی ہوں گے مگر ایمان ان کا اس قدر کم درجے کا اور ضعیف ہو گا کہ کسی نبی اور ولی کی شناخت میں نہ آئے گا بس حق تعالیٰ ہی کو اس کی اطلاع ہو گی۔ جب کوئی نہ پہچان سکے گا تو حق تعالیٰ ان کو دوزخ سے نکالیں گے۔ اس صورت میں حدیث مذکور کے لفظ ولا خیر سے یہ مراد ہے کہ خیر یعنی ایمان قابل شمار ان میں نہ ہو گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتاب کا خلاصہ

یوں سمجھو کہ کتاب ہٰذا ایک نسخہ ہے امراض قلبی کا۔ اب اس کی ترکیب استعمال بیان ہوتی ہے کہ اس کتاب کے پڑھ لینے کے بعد اس کا فائدہ حاصل کرنے کا یعنی آخرت کا شوق پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دن میں یا رات میں کوئی فرصت کا وقت مقرر کر کے کتاب کے سب مضمونوں کو دل میں جمع کر کے خیال ہی کے طور پر سہی یہ سوچا کرے کہ دنیا رنج و تکلیف کا گھر ہے۔ وہ کون سا دن ہو گا کہ وطنِ اصلی یعنی آخرت کی جدائی کی مدت ختم ہو گی اور رحمت کے فرشتے مجھے لینے کو آئیں گے اور موت سے پہلے کچھ بیماری ہوئی ہو گی تو اس سے میرے گناہ معاف ہو جائیں گے اور پاک صاف ہو جاؤں گا۔ پھر دم نکلنے کے وقت فرشتوں سے وہ خوش خبریاں سنوں گا جو کتاب میں لکھی ہیں اور یوں عزت اور آبرو کے ساتھ مجھ کو فرشتے لے جائیں گے پھر قبر میں ایسی ایسی باتیں دیکھوں گا اور بزرگوں کی اور اعزا و اقارب اور دوستوں کی روحوں سے ملاقات ہو گی اور یوں جنت میں سیر کرتا پھروں گا اور اگر کوئی میرا عمل باقیات صالحات کی قسم سے ہو گا یا میرے بعد کسی مسلمان بھائی نے میرے لیے دعا کر دی تو ان کی برکت سے ان نعمتوں میں اور ترقی ہوتی رہے گی پھر قیامت میں اس طرح آرام و آسانی ہو گی۔ پھر جنت میں ایسی ایسی ظاہری اور باطنی لذتیں ہوں گی۔

غرض فرصت کے وقت یہ سب باتیں سوچ کر مزے لیا کرے اور اگر عذاب کی خبریں یاد آویں تو خیال کرے کہ اس سے بچنا تو ممکن ہے ایسے کاموں سے بچا رہوں جن پر عذاب ہوتا ہے تو عذاب کیوں ہو گا۔ اس شغل اور خیال باندھنے سے آخرت کا شوق بڑھے گا اور دنیا سے دلچسپی کم ہوتی جائے گی اور بجائے اس کے کہ دنیا سے محبت تھی دنیا سے وحشت اور نفرت ہونے لگے گی اور جو آخرت سے وحشت تھی بجائے اس کے آخرت سے دلچسپی اور محبت پیدا ہونا شروع ہو گی اور یہ شغل اور تصور علاوہ اس نفع کے خود بھی عبادت ہے اور شریعت میں اس کا حکم ہے اور اس کی فضیلت آتی ہے اس کا ثبوت ان حدیثوں سے ہے:

موت کو کثرت سے یاد کرنے کا حکم:

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ موت کو کثرت سے یاد کیا کرو کیونکہ وہ گناہوں سے صاف کرتی ہے اور دنیا سے بے رغبت بناتی ہے۔ (شرح الصدور)

رسول اکرم ﷺ کا موت کو یاد دلانا:

وضین ابن عطاء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب لوگوں کو موت سے غافل دیکھتے تھے تشریف لاتے اور دروازے کے بازو پکڑ کر تین بار پکار کر فرماتے اے لوگو! اے اہل اسلام! موت تمہارے پاس ضروری اور لازم ہو کر آپہنچی۔ موت مع اپنے متعلقات کے آپہنچی۔ موت انبساط اور راحت اور کثرت مبارکہ کے ساتھ آپہنچی اہل جنت کے مقبولانِ رحمٰن کے لیے، جن کی سعی اور رغبت جنت میں تھی۔(بیہقی و شرح الصدور)

موت کو یاد کرنے والے کا درجہ:

شرح الصدور میں ہے کہ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کیا شہدا کے ساتھ کوئی اور بھی محشور ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! جو شخص موت کو دن رات میں بیس بار یاد کیا کرے۔

میں کہتا ہوں کہ جو شخص جس طرح میں نے بیان کیا ہے مراقبہ کرے تو اس کا یاد کرنا موت کو بیس بار سے زیادہ ہو جائے گا کیونکہ جو روایات محل ہیں مراقبہ کا وہ (بیس سے کہیں) زیادہ ہیں۔(شرح الصدور)

امید کو اوسط درجہ پر رکھنے کا بیان:

مسلمانوں کو معلوم ہو گا کہ ایمان کا کمال نہ صرف خوف سے ہوتا ہے اور نہ صرف امید سے بلکہ خوف اور امید کے درمیان میں رہنے سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور اس رسالہ میں تمام مضامین امید ہی امید کے لکھے گئے ہیں، خوف کے مضامین بالکل نہیں لکھے گئے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ہماری غرض یہ ہے کہ فقط امید ہی رکھنا چاہیے، خوف کو بالکل بھلا دیا جائے بلکہ ہماری غرض ایسے مضامین کے لکھنے سے دنیا سے نفرت دلانا اور آخرت کا شوق پیدا کرنا ہے اور اس غرض کے پورا ہونے میں امید کے مضامین کو زیادہ دخل ہے کیونکہ جب آخرت کا شوق پیدا ہو گا تو نیک کاموں کی خواہ مخواہ ہمت ہو گی اور یہ ہمت ہی اصل غرض ہے۔ عذاب کی خبریں سنانے سے بھی سمجھ میں آگیا ہو گا کہ خوف کی خبریں اور امید کی خبریں دونوں اصل غرض میں (کہ وہ ہمت اعمال کی دلانا ہے) شریک اور یکساں کی تاکید کرنے والی ہیں (کیونکہ جو غرض خوف کے مضامین سے تھی وہی ان سے ہے) نہ کہ خوف کے مضامین کے خلاف کوئی بات ثابت کرنے والی ہیں۔ تو یہ نہ ہونا چاہیے کہ آدمی خوف کو بالکل بھلا دے (کیونکہ حق تعالیٰ نے کمال ایمان کی علامت یہ فرمائی ہے:

وَالَّذِينَ هُم مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ○إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ○

یعنی مومن کامل کی ایک یہ بھی صفت ہے کہ پروردگار کے عذاب سے ڈرتا ہو کیونکہ پروردگار کا عذاب ایسی چیز نہیں جس سے کوئی بے خوف ہو جاوے۔ مصطفیٰ)۔

زیادتی عمر کے متعلق تحقیق:

تیسرے باب کے اخیر میں ایک شبہہ اور اس کا جواب مذکور ہوا ہے (وہ شبہہ یہ تھا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کو حیات پر ترجیح ہے مگر بعض احادیث میں موت کی تمنا کرنے سے ممانعت آئی ہے۔ جواب یہ تھا کہ اس اعتبار سے حیات کو موت پر ترجیح ہو سکتی ہے کہ زندگی زیادہ ہو گی تو نیکیاں بڑھیں گی یا گناہوں سے توبہ ہو سکے گی، ورنہ ترجیح موت ہی کو ہے کیونکہ موت کے بعد ہی تمام نعمتیں آخرت کی مل سکتی ہیں) اب یہاں بھی اسی جواب کو ذرا اور صاف طور سے بیان کیا جاتا ہے۔

وہ بیان یہ ہے کہ اگر غور کیا جاوے تو ثابت ہو جاوے گا کہ جن حدیثوں سے زندگی کو ترجیح معلوم ہوتی ہے وہ حدیثیں حقیقت میں ان حدیثوں کی تائید کرتی ہیں جن سے موت کو ترجیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ ان حدیثوں میں خود موجود ہے کہ موت کی تمنا اس واسطے نہیں چاہیے کہ زندگی میں نیکیوں کی زیادتی اور گناہوں سے توبہ ہو سکتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ زندگی بڑھنے سے موت کی بہتری کی امید ہے۔ اس واسطے زندگانی کا بڑھنا بہتر ہے ورنہ زندگی خود مقصود نہیں۔ تو ترجیح موت کو ہوئی جیسا کہ تیسرے باب کی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے نیز اس حدیث سے ثابت ہے جو ہم یہاں لکھتے ہیں:

موت آدمی کے لیے بہتر ہے:

زرعہ بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ آدمی زندگی کو محبوب رکھتا ہے حالانکہ موت اس کے لیے بہتر ہے۔(شرح الصدور و بیہقی)

بعض اہل شوق کے قصے

ان قصوں کے لکھنے میں یہ فائدہ ہے کہ انسان کی طبعی بات ہے کہ انسان اپنے ہم جنسوں کے حالات سے زیادہ اثر قبول کرتا ہے تو ان قصوں کو آخرت کا شوق پیدا کرنے میں زیادہ اثر ہے۔

انبیاء علیہم السلام نے موت کو پسند فرمایا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی ایسا نبی نہیں جس کو دنیا و آخرت کے رہنے میں اختیار نہ دیا گیا ہو اور آپؐ کو اس مرض میں جس میں آپ کی وفات ہوئی ہے سخت بستگی آواز نے پکڑا، اس وقت میں نے آپؐ کو یہ کہتے سنا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیا اور صدیقین اور شہدا اور صالحین۔ میں سمجھ گئی کہ اب آپ کو اختیار دیا گیا ہو گا۔(مشکوۃ)

موت دوست کو دوست سے ملاتی ہے:

مسند احمد میں ہے کہ ملک الموت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تاکہ ان کی روح قبض کریں۔ انہوں نے فرمایا: اے ملک الموت! کیا کسی دوست کو دیکھا کہ اپنے دوست کی روح قبض کرے؟ ملک الموت جناب باری میں حاضر ہوئے، ارشاد ہوا کہ ان سے کہو کہ کیا کسی دوست کو دیکھا ہے کہ اپنے دوست سے ملنا ناپسند کرے؟ انہوں نے (یہ سن کر) فرمایا: تو بس میری روح ابھی قبض کر لے۔(مسند احمد و شرح الصدور)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دعا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے دعا کی اے اللہ! میری قوت ضعیف ہو گئی اور میری عمر زیادہ ہو گئی اور میری رعیت بہت پھیل گئی، مجھ کو اپنے پاس اٹھا لیجیے اس طور پر

کہ نہ میں ضائع کیا جاؤں، نہ تقصیر کروں۔ پس اس مہینے سے آگے نہیں بڑھے۔(شرح الصدور)

ایک عابد کی موت کا واقعہ:

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ تمہارے اس شہر میں ایک عابد تھا۔ وہ مسجد سے نکلا۔ جب رکاب میں پاؤں رکھا تو ملک الموت اس کے پاس آ کھڑے ہوئے، اس نے کہا: مرحبا میں تمہارا مشتاق تھا۔ پس انہوں نے اس کی روح قبض کر لی۔(شرح الصدور)

موت کو پسند کرنے کا بیان:

خالد بن معدان رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ کوئی جاندار خشکی میں یا دریا میں ایسا نہیں کہ میں موت سے اپنی طرف سے اس کا فدیہ ہونا پسند کروں۔ اگر موت کوئی نشان ہوتا کہ لوگ دوڑ کر وہاں پہنچ سکتے تو مجھ سے پہلے اس تک کوئی نہ پہنچتا مگر جو زور میں مجھ سے زیادہ ہوتا۔(شرح الصدور)

ابو مسہر سے روایت ہے کہ میں نے ایک شخص کو سعید بن عبد العزیز تنوخی رحمہ اللہ سے یہ کہتے سنا کہ خدا تم کو تادیر سلامت رکھے، انہوں نے کہا: نہیں! بلکہ اللہ تعالیٰ جلدی مجھ کو اپنی رحمت میں بلالے۔(شرح الصدور)

عبیدہ بن مہاجر سے روایت ہے کہ اگر کہا جاوے کہ جو شخص اس لکڑی کو چھولے وہ مر جائے تو میں فوراً کھڑا ہو کر اس کو چھولوں۔(شرح الصدور)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے پاس سے ایک شخص گزرا، انہوں نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا: بازار کا، فرمایا: اگر ممکن ہو کہ قبل واپسی کے میرے لیے موت خرید لو تو ضرور خرید لینا۔

عبد اللہ بن ابی زکریا سے روایت ہے وہ فرماتے تھے کہ اگر مجھ کو دو امر کا اختیار دیا جاوے؛ ایک یہ کہ میری سو سال کی عمر ہو طاعت الٰہی میں اور ایک یہ کہ آج ہی کے دن یا اسی گھڑی میری جان قبض کر لی جاوے تو میں اسی کو پسند کروں کہ آج ہی کے دن یا اسی گھڑی میری جان قبض ہو جاوے بوجہ اشتیاق کے خدا کی طرف اور رسول کی طرف اور نیک بندوں کی طرف۔(شرح الصدور و ابو نعیم)

احمد بن ابی الحواری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ میں نے ابو عبد اللہ الباجی کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اگر مجھ کو ایک تو یہ اختیار دیا جاوے کہ مجھ کو تمام دنیا مل جاوے جب سے میں پیدا ہوا ہوں اس طرح پر کہ اس میں حلال طور پر عیش کروں اور پھر قیامت میں کچھ باز پرس بھی نہ ہو اور ایک یہ اختیار دیا جاوے کہ اسی وقت میرا دم نکل جاوے تو میں اسی کو ترجیح دوں کہ میرا دم اسی وقت نکل جاوے، کیا تجھ کو یہ امر مرغوب نہیں کہ اہل طاعت سے جا ملے۔(ابن عساکر و شرح الصدور)

فائدہ: اگر کہا جاوے کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جب ملک الموت آئے تو اگر موت شوق کی چیز ہے تو انہوں نے فرشتے کے ساتھ سختی کیوں فرمائی؟ جواب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو پہچانا نہیں کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ وہ اس وقت عیاناً (یعنی نظر آ رہے تھے) آئے تھے اور صحاح کی اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس عالم میں جبرئیل ﷺ کو بصورت اصلی دیکھنے کے متحمل نہیں ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ کو اصلی صورت میں کوئی معاینتاً نہیں دیکھ سکتا اس سے معلوم ہوا کہ اس زمانے میں وہ بصورت بشر آتے تھے پس نہ پہچاننا کچھ بھی عجب نہیں پس اس سے شوق موت کی نفی نہیں ہوتی۔ فقط۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: امیر المومنین کی ہدایات

اوپر بیان کی ہوئی رسوائی اور ندامت ان لوگوں کے لیے ہے جو امارت کے اہل نہ ہوں یا امارت کے اہل تو ہوں لیکن ان میں عدل نہ ہو۔ البتہ جو لوگ امارت کے اہل ہوں اور اپنی امارت میں عدل سے کام لیں تو ان کو اونچا مرتبہ ملے گا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عن قریب تم عہدوں کی مسابقت میں کود پڑوگے، حالانکہ یہ قیامت کے دن ندامت کا باعث ہوگا۔ دودھ دینے والا اور لذت بخش عہدہ بہت اچھا لگتا ہے، لیکن جب عہدہ چھن جاتا ہے اور دودھ کا تھن منہ سے نکل جاتا ہے، تو اتنا ہی برا لگتا ہے۔ پھر کیا حاصل ایسی لذتوں کا جن کے بعد حسرتوں کا سامنا کرنا پڑے؟ ندامت ہے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے اپنی امارت میں عدل سے کام نہ لیا ہو۔

"دودھ دینے والا اور لذت بخش عہدہ بہت اچھا لگتا ہے"، اس سے مراد امارت کے شروع کے دن رات اور حال احوال ہے، کیونکہ ان ایام میں مال، دولت، مرتبہ اور لذت ہوتی ہے اور "دودھ کا تھن منہ سے نکل جاتا ہے" سے مراد امارت کا اختتام ہے، کیونکہ یہ اختتام کبھی قتل، کبھی معزول ہونا ہوتا ہے اور ان سب کے علاوہ قیامت کے دن اس کے بارے میں پوچھ بھی ہوگی۔

لیکن وہ لوگ جو امارت کے اہل ہوں، امارت کا حق ادا کرنے والے ہوں، عدل کو نہ بھولیں، تو ان کے لیے اللہ کے ہاں فضل اور بڑا اجر ہے جو ستّر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

وما علینا الا البلاغ!

بقیہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں دنیا کی حقیقت

اور بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اعمال میں بدون صحبتِ اہل اللہ کے اخلاص نہیں پیدا ہوتا لہٰذا ہر شخص کو صحبتِ بزرگانِ دین کا اہتمام کرنا چاہیے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں دنیا کی حقیقت

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر نوّر اللہ مرقدہٗ

فصلِ سوم

126۔ عَنْ جَابِرٍ اَنَّهٗ غَزَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ نَجْدٍ فَلَمَّا قَفَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَفَلَ مَعَهٗ فَاَدْرَكَتْهُمُ الْقَائِلَةُ فِيْ وَادٍ كَثِيْرِ الْعِضَاهِ فَنَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَفَرَّقَ النَّاسُ يَسْتَظِلُّوْنَ بِالشَّجَرِ فَنَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ سَمُرَةٍ فَعَلَّقَ بِهَا سَيْفَهٗ وَنِمْنَا نَوْمَةً فَاِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْنَا وَاِذَا عِنْدَهٗ اَعْرَابِيٌّ فَقَالَ: اِنَّ هٰذَا اخْتَرَطَ عَلَيَّ سَيْفِيْ وَاَنَا نَائِمٌ فَاسْتَيْقَظْتُ وَهُوَ فِيْ يَدِهٖ صَلْتًا قَالَ: مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّيْ؟ فَقُلْتُ: اَللّٰهُ! ثَلٰثًا وَلَمْ يُعَاقِبْهُ وَجَلَسَ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ بَكْرٍ الْاِسْمَاعِيْلِيِّ فِيْ صَحِيْحِهٖ فَقَالَ: مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّيْ؟ قَالَ اَللّٰهُ! فَسَقَطَ السَّيْفُ مِنْ يَّدِهٖ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّيْفَ فَقَالَ: مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّيْ؟ فَقَالَ: كُنْ خَيْرَ اٰخِذٍ فَقَالَ: تَشْهَدُ اَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ: لَا! وَلٰكِنِّيْ اُعَاهِدُكَ عَلٰى اَنْ لَّا اُقَاتِلَكَ وَلَا اَكُوْنَ مَعَ قَوْمٍ يُّقَاتِلُوْنَكَ فَخَلّٰى سَبِيْلَهٗ فَاَتٰى اَصْحَابَهٗ فَقَالَ جِئْتُكُمْ مِّنْ عِنْدِ خَيْرِ النَّاسِ۔ هٰكَذَا فِيْ كِتَابِ الْحُمَيْدِيْ وَفِي الرِّيَاضِ

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی جانب جہاد کیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد سے واپس ہوئے تو وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ واپس ہوئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو دوپہر ایک جنگل میں ہوئی جس میں کیکر کے درخت زیادہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں اتر گئے، صحابہ رضی اللہ عنہم بھی سائے کی تلاش میں (ادھر ادھر) درختوں کے نیچے متفرق ہوگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کیکر کے درخت کے نیچے ٹھہر گئے اور اپنی تلوار اس کی ٹہنی میں لٹکادی اور ہم تھوڑی دیر کے لیے سوگئے۔ ناگہاں ہم نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو پکار رہے ہیں اور آپ کے پاس ایک دیہاتی (بدو کافر) موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے جمع ہونے پر فرمایا: اس دیہاتی نے مجھ پر تلوار کھینچی اس حال میں کہ میں سو رہا تھا۔ میں جاگ گیا اور دیکھا کہ ننگی تلوار اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ مجھ سے کہہ رہا تھا: اب تجھ کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ میں نے کہا: اللہ بچائے گا؛ تین مرتبہ یہی الفاظ فرمائے اور اس اعرابی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی سزا نہ دی اور اٹھ کر بیٹھ گئے۔ اور ابو بکر اسماعیلی نے جو روایت اپنی صحیح میں درج کی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ اعرابی نے تلوار ہاتھ میں لے کر کہا: اب تجھ کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ بچائے گا۔ یہ سن کر اعرابی کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار کو اٹھالیا اور فرمایا: اب تجھ کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ اعرابی نے کہا: آپ بہترین پکڑنے والے ہیں (یعنی مہربانی کیجیے اور معاف کردیجیے)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اس کی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ دیہاتی نے کہا: میں مسلمان نہیں ہوتا لیکن آپ سے اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ نہ تو آپ سے لڑوں گا اور نہ اس قوم کا ساتھ دوں گا جو آپ سے لڑے گی۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دیہاتی کو چھوڑ دیا وہ دیہاتی اپنی قوم کے پاس آیا اور کہا: میں تمہارے پاس ایک بہترین شخص کے پاس سے ہو کر آیا ہوں۔

127۔ وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّيْ لَاَعْلَمُ اٰيَةً لَّوْ اَخَذَ النَّاسُ بِهَا لَكَفَتْهُمْ: وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارَمِيُّ

ترجمہ: حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ کو ایک ایسی آیت معلوم ہے کہ اگر لوگ اس پر عمل کریں تو وہی ان کو کافی ہے (اور وہ آیت یہ ہے) وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ، وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے اللہ تعالیٰ اس کے لیے نجات کا راستہ پیدا کر دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو خیال اور گمان تک نہیں ہوتا۔

تشریح: یعنی متقی بندے کو حق تعالیٰ شانہٗ ہر غم سے خلاصی دیتے ہیں اور بے رنج و تردّد ایسی جگہ سے روزی عطا فرماتے ہیں جہاں سے گمان بھی نہ ہو؛ اور تقویٰ حاصل ہوتا ہے کسی متقی بندے کی صحبت اور اس کی تربیت سے، لہٰذا اللہ والوں کی صحبت کا اہتمام نہایت ضروری سمجھنا چاہیے کیوں کہ مقدمہ ضروری کا ضروری ہوتا ہے۔

128۔ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اَقْرَاَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ اَنَا الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ

ترجمہ: حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یہ آیت سکھائی کہ میں رزق دینے والا اور طاقت ور اور متین ہوں۔

تشریح: یہ قرأتِ شاذہ ہے، اور قرأتِ مشہورہ یہ ہے: اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ حاصل یہ ہے کہ بندے کو صرف اپنے قوی متین رزاق مولیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔

129۔ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ اَخَوَانِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ اَحَدُهُمَا يَاْتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْاٰخَرُ يَحْتَرِفُ فَشَكَا الْمُحْتَرِفُ اَخَاهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: لَعَلَّكَ تُرْزَقُ بِهٖ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو بھائی تھے۔ ایک ان میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور دوسرا کچھ پیشہ کرتا تھا۔ پیشہ ور بھائی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے

بھائی کی شکایت کی (کہ یہ کچھ کام کاج نہیں کرتا پس اس کے خرچ کا بوجھ بھی مجھ ہی پر پڑتا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاید تجھ کو اسی کی برکت سے رزق دیا جاتا ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دین سیکھنے کے لیے دنیا کا شغل اور تدبیرِ کسب معاش کا ترک جائز ہے بشرطیکہ اہل وعیال نہ رکھتا ہو اور کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کر کے اپنے کو ذلیل نہ کرتا ہو؛ یعنی متوکل ہو اور کسی کا حق واجب ضائع نہ کرتا ہو۔ اور یہ بات بھی اس حدیث سے ثابت ہوئی کہ اپنے رشتہ داروں اور بے کسوں کی خبر گیری اور ان پر خرچ کرنے سے روزی میں برکت ہوتی ہے۔

130۔ وَعَنْ عَمْرِو ابْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ قَلْبَ ابْنِ اٰدَمَ بِكُلِّ وَادٍ شُعْبَةٌ فَمَنْ اَتْبَعَ قَلْبَهُ الشُّعَبَ كُلَّهَا لَمْ يُبَالِ اللّٰهُ بِاَيِّ وَادٍ اَهْلَكَهُ وَمَنْ تَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ كَفَاهُ الشُّعَبَ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ

ترجمہ: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان کا دل ہر جنگل میں ایک شاخ ہے (یعنی اس کو ہر طرح کی فکریں ہیں) پس جس شخص نے اپنے دل کو ساری شاخوں کی طرف متوجہ رکھا (یعنی ہر قسم کی فکروں میں مشغول ومنہمک رہا) اللہ تعالیٰ اس کی پروا نہیں کرتا خواہ کسی جنگل میں اس کو ہلاک کر دے، اور جس نے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا اور اپنے کاموں کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اللہ تعالیٰ اس کے تمام کاموں کو درست کر دیتا ہے۔

تشریح: اس حدیث پر عمل کرنے والوں کی زندگی نہایت پُر سکون ہوتی ہے۔ حضرت حکیم الاُمت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کے قلوب میں جو چین اور اطمینان ہے سلاطین کو خواب میں بھی میسر نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ دولت عطا فرمائیں، آمین۔

131۔وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَالَ رَبُّكُمْ عَزَّ وَجَلَّ: لَوْ اَنَّ عَبِيْدِيْ اَطَاعُوْنِيْ لَاَسْقَيْتُهُمُ الْمَطَرَ بِاللَّيْلِ وَاَطْلَعْتُ عَلَيْهِمُ الشَّمْسَ بِالنَّهَارِ وَلَمْ اُسْمِعْهُمْ صَوْتَ الرَّعْدِ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا رب بزرگ وبرتر فرماتا ہے کہ اگر میرے بندے میری اطاعت کریں تو میں ان پر رات کو مینہ برساؤں جب کہ وہ سوتے ہوں اور دن کو آفتاب نکالوں (تاکہ وہ اپنے اُمورِ معاش میں مشغول ہوں) اور بادل کے گرجنے کی آواز ان کو نہ سناؤں (تاکہ نہ ڈریں اور نہ گھبراویں)۔

132۔وَعَنْهُ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ عَلٰى اَهْلِهٖ فَلَمَّا رَاٰى مَا بِهِمْ مِّنَ الْحَاجَةِ خَرَجَ اِلَى الْبَرِيَّةِ فَلَمَّا رَاَتِ امْرَاَتُهٗ قَامَتْ اِلَى الرَّحٰى فَوَضَعَتْهَا وَاِلَى التَّنُّوْرِ فَسَجَّرَتْهُ ثُمَّ قَالَتْ: اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا فَنَظَرَتْ فَاِذَا الْجَفْنَةُ قَدِ امْتَلَاَتْ قَالَ: وَذَهَبَتْ اِلَى التَّنُّوْرِ فَوَجَدَتْهُ مُمْتَلِئًا قَالَ: فَرَجَعَ الزَّوْجُ قَالَ: اَصَبْتُمْ بَعْدِيْ شَيْئًا قَالَتِ امْرَاَتُهٗ: نَعَمْ! مِّنْ رَّبِّنَا وَقَامَ اِلَى الرَّحٰى فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: اَمَا اِنَّهٗ لَوْ لَمْ يَرْفَعْهَا لَمْ تَزَلْ تَدُوْرُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص اپنے اہل وعیال کے پاس آیا۔ جب اس نے ان کی حاجت وفقر وفاقہ کو دیکھا تو جنگل کی طرف چلا گیا۔ جب عورت نے دیکھا (کہ اس کے شوہر کے پاس کچھ نہیں ہے اور وہ شرم کی وجہ سے باہر چلا گیا ہے) تو وہ اٹھی اور چکی پر پہنچی اور اس کو صاف کیا پھر تنور کی طرف گئی اور اس کو گرم کیا اور پھر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی: اے اللہ! ہم کو رزق عطا فرما۔ پھر اس نے دیکھا کہ اچانک چکی کا گرانڈ آٹے سے بھرا ہوا ہے۔ پھر وہ تنور کی طرف گئی تو دیکھا اس میں روٹیاں بھری ہوئی ہیں۔ راوی کا بیان ہے کہ اتنے میں اس کا شوہر آگیا اور کہا: کیا تم کو میرے جانے کے بعد کہیں سے کھانے کا سامان مل گیا؟ عورت نے کہا کہ ہاں! ہمارے پروردگار کی طرف سے عطا ہوا ہے۔ پس اس شخص کو تعجب ہوا اور چکی کے پاس کھڑا ہوا اور اس کا پاٹ اٹھایا تاکہ اس کا اثر دیکھے۔ اس واقعے کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ شخص چکی کا پاٹ نہ اٹھاتا تو چکی قیامت تک گردش کرتی رہتی اور اس سے آٹا نکلتا رہتا۔

تشریح: یہ انعام صبر وتوکل کی برکت سے عطا ہوا تھا اور یہ واقعہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا ہے، اگلی اُمت کا نہیں۔

133۔ وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ الرِّزْقَ لَيَطْلُبُ الْعَبْدَ كَمَا يَطْلُبُهٗ اَجَلُهٗ۔ رَوَاهُ اَبُوْ نُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ

ترجمہ: حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رزق بندے کو اسی طرح ڈھونڈتا ہے جس طرح اس کی موت اس کو ڈھونڈتی ہے۔

تشریح: یعنی جس طرح موت یقینی ہے اور بدون تلاش اپنے وقت پر آجاتی ہے اسی طرح رزق بھی یقینی ہے اپنے وقت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ رزق بندے کو ڈھونڈ لیتا ہے بلکہ موت سے زیادہ رزق اپنی رفتار میں تیز ہے کیوں کہ موت نہیں آتی جب تک کہ بندہ اپنا رزق تمام کا تمام نہیں کھالیتا۔ پس رزق کے لیے اللہ تعالیٰ پر پورا اعتماد کرنا چاہیے اور مضطرب اور پریشان نہ ہونا چاہیے۔ متوسط درجے میں تدبیر اختیار کرنا کافی ہے کہ حقِ عبودیت ادا ہوتا ہے تدابیر اختیار کرنے سے۔ مگر اس طلب میں اجمال ہو، کاوش واضطراب نہ ہو

رو توکل کن بگرداں پا و دست
رزق تو برتو ز تو عاشق ترست

134۔وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْكِيْ نَبِيًّا مِّنَ الْاَنْبِيَاءِ ضَرَبَهٗ قَوْمُهٗ فَاَدْمَوْهُ وَهُوَ يَمْسَحُ الدَّمَ عَنْ وَّجْهِهٖ وَيَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَايَعْلَمُوْنَ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

ترجمہ: حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ گویا میں اس وقت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک نبی کا واقعہ بیان فرما رہے ہیں جس کو اس کی قوم نے مارا اور لہولہان کر دیا۔ وہ نبی اپنے چہرے سے خون پونچھتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا: اے اللہ! تو میری قوم کو بخش دے کہ وہ میری حقیقت سے واقف نہیں ہے۔

تشریح:اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہ جہل کے ساتھ کم تر ہے بہ نسبت گناہ علم کے ساتھ۔ پس منقول ہے:وَيْلٌ لِّلْجَاهِلِ مَرَّةً وَوَيْلٌ لِّلْعَالِمِ سَبْعَ مَرَّاتٍ جاہل کے واسطے ایک بار افسوس ہے اس کے بُرے عمل پر اور عالم کے واسطے سات بار افسوس ہے اس کے بُرے عمل پر۔

علامہ شیخ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احتمال ہے کہ اس حدیث میں حضرت نوح علیہ السلام مراد ہوں۔ روایت میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ان کو اس قدر مارتی تھی کہ خون آلود ہو جاتے اور مدتوں زمین پر پڑے رہتے پھر اٹھتے اور دعوت دیتے اللہ کی طرف۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس حدیث میں خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذاتِ گرامی کو مراد لیا ہے، اور یہ ظاہر تر ہے کیوں کہ یہ روایت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احد کے دن روایت کی گئی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خون آلود تھے۔

135۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ يُّرِدِ اللهُ بِهٖ خَيْرًا يُّصِبْ مِنْهُ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اس شخص کو مصیبت میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

تشریح:مصائب سے گناہ معاف ہو کر درجات بلند ہوتے ہیں اور غفلت دور ہوتی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ سے تعلق بڑھ جاتا ہے۔

ریا اور سُمعہ کا بیان

ریا کہتے ہیں اپنی عبادتوں سے مخلوق کے دل میں عزت و مرتبہ طلب کرنے کو، اور ریا بدون نیت کے خود بخود نہیں چپک جاتی جیسا کہ اکثر سالکین وسوسۂ ریا کو ریا سمجھ کر پریشان رہتے ہیں۔ اخلاص کی نیت ہو یہی کافی ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جس عبادت میں ریا کا خوف ہو اس کو کثرت سے کرے پھر وہ عادت اور عادت سے عبادت بن جاتی ہے۔ حضرت خواجہ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

وہ ریا جس پر تھے زاہد طعنہ زن
پہلے عادت پھر عبادت بن گئی

علما نے لکھا ہے اگر تعریف کسی سے سنے اور اس سے خوش ہو تو یہ علامت وجودِ ریا کی ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی ستّاری یاد کر کے خوش ہوا کہ اس کریم ذات نے میرے عیوب وسیئات کو مخلوق سے پوشیدہ رکھا اور حسنِ ظن ڈالا اپنی مخلوق میں اور ظاہر فرمایا ہمارے حسنات وطاعات کو اور شکر بجالایا تو یہ ریا نہیں بلکہ یہ فضل ولطفِ حق پر سرورِ تشکر ہے یعنی شکر احساناتِ الٰہیہ سے ہے۔ ضروری ہے کہ ہر عبادت کے شروع میں بھی ریا سے بچے اور درمیان میں بھی اور بعد عمل کے بھی۔

حضرت حکیم الاُمت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک شخص نے دو حج کیے تھے۔ کوئی مہمان آیا، اس نے نوکر سے کہا کہ اس مہمان کو اس صراحی سے پانی پلا جس کو دوسرے حج میں خریدا تھا۔ فرمایا کہ اس شخص نے ایک جملے سے دو حج کا ثواب ضائع کر دیا۔ حق تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائیں، آمین۔

فصلِ اوّل

136۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ اللهَ لَایَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِكُمْ وَاَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔

تشریح: پس صورتِ ظاہری اور مال سے زیادہ قلوب کی اور اعمال کی اصلاح میں لگنا چاہیے۔

137۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ اللهُ تَعَالٰى: اَنَا اَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا اَشْرَكَ فِيْهِ مَعِیَ غَيْرِیْ تَرَكْتُهٗ وَشِرْكَهٗ، وَفِیْ رِوَايَةٍ فَاَنَا مِنْهُ بَرِیْءٌ هُوَ لِلَّذِیْ عَمِلَهٗ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں شرکا کے شرک سے بے زار ہوں (یعنی جس طرح اور شرکا شرکت پر راضی ہیں اس طرح میں راضی نہیں بلکہ میں شرکت سے بے زار ہوں)۔ جو شخص کوئی کام (عبادت) کرے جس میں میرے ساتھ دوسرے کو شریک کرے، میں اس کو اور اس کے شرک، دونوں کو چھوڑ دیتا ہوں۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ میں اس شخص سے بے زار ہوں۔ وہ شخص یا اس کا عمل اسی شخص کے لیے ہے جس کے لیے اس نے عمل کیا ہے۔

تشریح: ظاہر اس کا یہی ہے کہ ریا کی آمیزش اعمال کے ثواب کو ضائع کر دیتی ہے لیکن علما نے کہا ہے کہ جس ریا میں ثواب کی مطلق نیت نہ ہو یا ریا کا قصد غالب ہو اس وقت ثواب بالکل ضائع ہوتا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ عنوان ریا سے منع کرنے کے لیے بطور تخویف استعمال کیا گیا ہو تاکہ بندہ طاعات میں ریا سے احتیاط کرنے میں خوفزدہ رہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

138۔ وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللهُ بِهٖ وَمَنْ يُّرَائِیْ يُرَائِیْ اللهُ بِهٖ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

ترجمہ: حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کوئی عمل سنانے اور شہرت حاصل کرنے کے لیے کرے اللہ تعالیٰ اس کے عیب کو مشہور کرے گا (اور قیامت کے روز رسوا کرے گا) اور جو شخص کوئی عمل دکھانے کے لیے کرے اللہ اس کو ریاکاروں کی سزا دکھائے گا۔

تشریح: ریاکاروں کی سزا یہ ہے کہ دنیا میں اس کے اعمال کو لوگ جان لیں گے لیکن آخرت کے ثواب سے اس کو محروم کر دیا جاوے گا جس سے قیامت کے دن اسے بڑی حسرت ہو گی۔

139۔وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَرَأَیْتَ الرَّجُلَ یَعْمَلُ الْعَمَلَ مِنَ الْخَیْرِ وَیَحْمَدُہُ النَّاسُ عَلَیْہِ، وَفِیْ رِوَایَۃٍ وَّیُحِبُّہُ النَّاسُ عَلَیْہِ قَالَ: تِلْکَ عَاجِلُ بُشْرَی الْمُؤْمِنِ۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ

ترجمہ: حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: اس شخص کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے جو نیک کام کرتا ہے اور لوگ اس کے کاموں کی تعریف کرتے ہیں، اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ لوگ اس سے محبت کرتے ہیں (کیا اس کے اعمالِ خیر کا ثواب قائم رہتا ہے یا باطل ہو جاتا ہے) آپ نے فرمایا یہ (تعریف کرنا) مومن کے لیے فوری خوش خبری ہے (اور اصل خوش خبری آخرت میں ہے)۔

تشریح: یعنی جب اخلاص کے ساتھ صرف رضائے الٰہی کے لیے طاعات کیں اور پھر مخلوق بھی ایسے نیک بندوں کی تعریف کرتی ہے تو یہ مقبولیت اور محبوبیت اور تعریف اس کے لیے حق تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں نقد انعام ہے اور نقد بشارت ہے، اور آخرت میں ثواب اور درجہ سو وہ الگ ملے گا۔

فصلِ دوم

140۔وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ کَانَتْ نِیَّتُہٗ طَلَبَ الْاٰخِرَۃِ جَعَلَ اللّٰہُ غِنَاہُ فِیْ قَلْبِہٖ وَجَمَعَ لَہٗ شَمْلَہٗ وَاَتَتْہُ الدُّنْیَا وَھِیَ رَاغِمَۃٌ وَّمَنْ کَانَتْ نِیَّتُہٗ طَلَبَ الدُّنْیَا جَعَلَ اللّٰہُ الْفَقْرَ بَیْنَ عَیْنَیْہِ وَشَتَّتَ عَلَیْہِ اَمْرَہٗ وَلَا یَاْتِیْہِ مِنْھَا اِلَّا مَا کُتِبَ لَہٗ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَاہُ اَحْمَدُ وَالدَّارِمِیُّ عَنْ اَبَانَ عَنْ زَیْدِ ابْنِ ثَابِتٍ

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کی نیت (اعمالِ خیر سے) آخرت کی طلب ہو، اللہ تعالیٰ اس کو غنائے قلبی عطا فرماتا ہے (یعنی اس کو مخلوق سے بے پروا کر دیتا ہے) اور اس کی پریشانیوں کو جمع کر کے اطمینانِ خاطر بخشتا ہے، دنیا اس کے پاس آتی ہے اور وہ دنیا کو ذلیل و خوار سمجھتا ہے، اور جس شخص کی نیت (اعمال میں) دنیا کا حاصل کرنا ہو، اللہ تعالیٰ افلاس کو اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیتا ہے (یعنی فقر و افلاس اس کو محسوس ہونے لگتا ہے) اور اس کے کاموں میں انتشار اور پریشانی پیدا کرتا ہے اور دنیا اس کو صرف اس قدر ملتی ہے جتنا کہ اللہ نے اس کے لیے مقدر کیا ہے۔

تشریح: یعنی جو آخرت کو مطلوب اور مقصود بناوے گا حق تعالیٰ کی طرف سے اس کو قلبی جمعیت اور سکون عطا ہوتا ہے اور اس کے لیے رزق کو آسان فرمادیتے ہیں، اور اگر آخرت کو پس پشت ڈالا اور دنیا کو مقدم اور مطلوب و مقصود بنایا تو اس کو قلبی پریشانی اور سرگردانی رہتی ہے اور رزق وہی ملتا ہے جو اس کی تقدیر میں ہے، محض ہوس و طمع سے تقدیر سے زیادہ نہیں ملا کرتا۔

141۔ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قُلْتُ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! بَیْنَا اَنَا فِیْ بَیْتِیْ فِیْ مُصَلَّایَ اِذْ دَخَلَ عَلَیَّ رَجُلٌ فَاَعْجَبَنِیَ الْحَالُ الَّتِیْ رَاٰنِیْ عَلَیْھَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: رَحِمَکَ اللّٰہُ یَا اَبَا ھُرَیْرَۃَ! لَکَ اَجْرَانِ، اَجْرُ السِّرِّ وَاَجْرُ الْعَلَانِیَۃِ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اپنے گھر میں اپنے مصلے پر نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور یہ دیکھ کر مجھ کو خوشی ہوئی کہ اس شخص نے مجھ کو نماز پڑھتے دیکھا (یعنی میرا خوش ہونا ریاکاری تو نہیں)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو ہریرہ! خدا تجھ پر رحم فرمائے تجھ کو دو اجر ملیں گے: ایک تو خفیہ طور پر نماز پڑھنے کا اور دوسرا اجر نماز ظاہر کا۔

تشریح: ظاہراً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خوشی اس سبب سے تھی کہ دیکھنے والے کو بھی عمل کا شوق پیدا ہو گا مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ اَجْرُھَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا کہ ثواب اس کے عمل کا ہم کو بھی ملے گا۔

ترجمہ حدیث مَنْ سَنَّ سُنَّۃً. الخ کا یہ ہے کہ جو شخص جاری کرے کوئی نیک طریقہ اس کے لیے ثواب اس طریقہ کا ہو گا اور جو اس پر عمل کرے گا اس کا ثواب بھی اس کو ملے گا۔ یا اس نعمت پر خوشی ہوئی کہ حق تعالیٰ نے اچھی حالت کو مخلوق پر ظاہر فرمایا اور بُرائیوں کی پردہ پوشی فرمائی۔ یا خوشی اس بات پر ہوئی کہ نماز جیسی اہم عبادت کو ایک مسلمان نے دیکھا جو اس پر گواہ ہوا اور اس کی روایت سے ایک گروہ مسلمانوں کا گواہ ہو گا اور یہ معنیٰ انسب ہیں سر و علانیہ معنیٰ کے ساتھ۔ واللہ اعلم بالاحوال

142۔وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: یَخْرُجُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ رِجَالٌ یَّخْتِلُوْنَ الدُّنْیَا بِالدِّیْنِ یَلْبَسُوْنَ لِلنَّاسِ جُلُوْدَ الضَّاْنِ مِنَ اللِّیْنِ اَلْسِنَتُھُمْ اَحْلٰی مِنَ السُّکَّرِ وَقُلُوْبُھُمْ قُلُوْبُ الذِّیَابِ یَقُوْلُ اللّٰہُ: اَبِیْ یَغْتَرُّوْنَ اَمْ عَلَیَّ یَجْتَرِءُوْنَ؟ فَبِیْ حَلَفْتُ لَاَبْعَثَنَّ عَلٰی اُولٰئِکَ مِنْھُمْ فِتْنَۃً تَدَعُ الْحَلِیْمَ فِیْھِمْ حَیْرَانَ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخری زمانے میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے جو دین کے ذریعے دنیاداروں کو دھوکہ دیں گے (یعنی اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے نہیں بلکہ) لوگوں کو دکھانے کے لیے دنبوں کے چمڑے کے کپڑے پہنیں گے (یعنی موٹے کپڑے مثل کمبل وغیرہ کے تاکہ لوگ ان کو عابد و زاہد اور تارکِ دنیا سمجھیں)، ان کی زبانیں شکر سے زیادہ شیریں اور نرم ہوں گی، یعنی ان کی باتیں خوشگوار لذیذ اور نرم ہوں گی لیکن ان کے دل بھیڑیوں کے سے دل ہوں گے (یعنی سخت اور بے رحم)، اللہ تعالیٰ اس کی نسبت فرماتا ہے: کیا یہ لوگ مجھ کو دھوکا دیتے ہیں یا میرے ڈھیل دے دینے کے سبب سے مغرور ہو گئے ہیں؟ میں اپنی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان پر ان ہی میں سے بلا و فتنہ کو مسلط کروں گا (یعنی ان پر ایسے حکام اور امرا یا اشخاص کو مقرر کروں گا جو ان کو مصائب و آفات میں مبتلا کر دیں گے) ایسی بلا اور فتنہ کہ عقل مند و دانا اشخاص اس کے دفع کرنے سے عاجز و حیران ہوں گے۔

تشریح: اس حدیث شریف سے خصوصی عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ جب کوئی نیک کام کریں مثلاً مدرسہ، مسجد بنوانا، وعظ کہنا وغیرہ تو خالص نیت رضائے الٰہی کا قلب میں استحضار کریں۔

(باقی صفحہ نمبر 11 پر)

مسلمان خواتین سے مطلوب کردار

اُم عمار

اللہ رب العزت نے ہر دور میں جہاں امت مسلمہ میں ایسے رجال پیدا فرمائے ہیں جو اللہ رب العزت کے دین پر عمل کے ساتھ ساتھ اس کی دعوت عام کرنے کی تڑپ رکھتے ہیں اور اس کے نفاذ کی کوششیں بھی کرتے ہیں، وہیں رب تعالیٰ نے امت کی خواتین کو بھی اس کارِ خیر میں حصہ ڈالنے سے سے محروم نہیں فرمایا۔ امت مسلمہ کی کئی خواتین ایسی ہیں جو گھروں اور معاشروں کے ناموافق حالات کے باوجود اپنے دلوں میں نفاذِ دین و شریعت کی تڑپ رکھتی ہیں اور اس تڑپ کو اپنی نسلوں کے دلوں میں اتارنے کی کوشش بھی کرتی ہیں۔

آج میری مخاطب ایسی ہی میری وہ عزیز و محترم مسلمان بہنیں ہیں کہ عفت اور حیا جن کا شعار ہے اور جو اپنے اور اپنی نسلوں کے ایمان کی حفاظت کرنا چاہتی ہیں۔ وہ خواتین کہ جن کی اصل پونجی ان کا وہ ایمان ہے جو ان کے سینوں میں محفوظ ہے اور جس کی حفاظت و تقویت انھیں اپنی جان و مال سے بڑھ کر محبوب ہے۔ ایسی تمام بہنیں جو اللہ کے دین کو اپنی اور اپنی نسلوں کی زندگیوں میں اور اپنے گھروں میں نافذ دیکھنا چاہتی ہیں، اور جن کی آرزو ہے کہ اللہ کی شریعت دنیا بھر میں غالب ہو جائے مگر اس عظیم مہم میں حصہ ڈالنے کے لیے رہنمائی نہیں پاتیں کہ یا تو دینی کتابوں تک ان کی رسائی ممکن نہیں اور یا وہ ان سے کما حقہ استفادہ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتیں۔ ایسی تمام بہنوں سے ہماری عرض یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے دین کو آسان اور عام فہم بنایا ہے اور اس پر عمل ہر مسلمان کی استطاعت میں رکھا ہے، لہٰذا اگر آپ کی تڑپ سچی ہے اور آپ کے دل میں اللہ کے دین کے اپنی اور اپنی اولاد کی زندگیوں میں نفاذ کی چاہت اور لگن موجود ہے تو اللہ کی کتاب اور اللہ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ میں آپ کے لیے اور ہمارے لیے بھرپور رہنمائی موجود ہے۔

آج ہمیں معاشرے میں جابجا عورتوں اور مردوں کی برابری کا واویلا سنائی دیتا ہے اور حصولِ دنیا کی دوڑ میں دونوں ہی ایک دوسرے کو پچھاڑنے کی فکر میں غلطاں نظر آتے ہیں۔ لیکن اگر انسان اپنی آنکھوں سے حرص و ہوس اور خواہشاتِ نفس کی پٹی اتار کر حقیقت کی معرفت چاہے تو حق یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے ہی مرد و زن ہر دو کو تخلیق فرمایا اور خود ہی معاشرتی زندگی میں ان کے لیے علیحدہ علیحدہ دائرۂ عمل تجویز فرمایا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی بھی ترغیب دی ہے اور باہمی مسابقت کے لیے میادین کا انتخاب بھی انسانوں کی اپنی چاہت و خواہش کے حوالے نہیں کیا بلکہ بذاتِ خود فرمایا۔ بگاڑ وہیں پیدا ہوا کہ جہاں انسان نے ہوائے نفس کو اپنا الٰہ بنایا اور اللہ کے واضح احکام کو پس پشت ڈال کر زندگی کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں سنبھال لی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں بھی خواتین کے اندر مسابقت کا جذبہ موجود تھا اور یہ جذبہ ہی انسان کو بہتر سے بہتر عمل پر اکساتا ہے۔ اُس دور کی مسلمان خواتین جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی زندگیوں کا دن رات مشاہدہ کرتی تھیں اور ان سب کو نیکیوں میں ایک دوسرے سے سبقت کرتا دیکھتی تھیں، ان کے دل میں بھی ان حضرات سے سبقت لے جانے کا داعیہ پیدا ہوتا تھا۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ وہ کن میادین میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مقابلہ کرنا اور ان پر سبقت لے جانا چاہتی تھیں۔

ایک مرتبہ بعض صحابیات اکٹھی ہوئیں اور انھوں نے غور و فکر کے بعد اپنے میں سے حضرت اسماء بنت یزید انصاریہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجنے کے لیے منتخب کیا۔ پس حضرت اسماء بنت یزید انصاریہ جو بڑی متدین اور سمجھ دار خاتون تھیں، حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یا رسولَ اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان؛ میں مسلمان عورتوں کی طرف سے بطور نمائندہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں، بے شک اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرد و عورت ہر دو کی رہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا ہے؛ چنانچہ ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی، مگر ہم عورتیں پردہ نشین ہیں، گھروں میں رہنا ہوتا ہے، ہم حتی الوسع اپنے مردوں کی ہر خواہش پوری کرتی ہیں، ان کی اولاد کی پرورش و پرداخت ہمارے ذمے ہوتی ہے، اور اِن سب باتوں کے باوجود مرد بہت سے ثواب کے کاموں میں ہم سے بڑھے رہتے ہیں: جمعہ میں شریک ہوتے ہیں، جماعت کی نمازوں میں شریک ہوتے ہیں، بیماروں کی عیادت کرتے ہیں، جنازوں میں شرکت کرتے ہیں، حج پر حج کرتے رہتے ہیں، اور اِس سب سے بڑھ کر جہاد کرتے رہتے ہیں، اور جب وہ حج کے لیے یا عمرے کے لیے یا جہاد کے لیے جاتے ہیں تو ہم عورتیں اُن کے مالوں کی حفاظت کرتی ہیں، اُن کی اولاد کو پالتی ہیں، تو کیا ہم بھی کسی طرح اجر و ثواب میں مردوں کی ہمسر ہو سکتی ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماء کی بصیرت افروز تقریر سن کر صحابہ کی جانب رخ فرمایا اور ان سے دریافت فرمایا: ”اسماء سے پہلے تم نے دین سے متعلق کسی عورت سے اتنا عمدہ سوال سنا ہے؟“ صحابہ نے نفی میں جواب دیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماء سے فرمایا کہ ”جاؤ اور ان عورتوں سے کہہ دو کہ انَّ حُسْنَ تَبَعُّلِ احْداكُنَّ لِزَوْجِهَا، وَطَلَبِها لِمَرْضَاتِه، وَاتِّبَاعِهَا لِمُوافَقَتِه، يَعْدِلُ كلَّ مَا ذَكَرْتِ لِلرِّجَالِ“۔ ”عورت کا اپنے خاوند کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور اُس کی خوشنودی کو ڈھونڈنا اور اُس کی چاہت پر عمل کرنا، اِن سب چیزوں کے ثواب کے برابر ہے جن کا تم نے مردوں کے لیے ذکر کیا“۔

مذکورہ بالا حدیث کے ذریعے اللہ رب العزت نے قیامت تک آنے والی تمام خواتین کے لیے مسابقت کے میادین کی نشاندہی فرمائی اور انھیں خوش خبری عطا فرمائی کہ وہ کس طرح سے گھر بیٹھے اللہ کی رضا کے حصول اور اجر وثواب میں اپنا بھرپور حصہ وصول کر سکتی ہیں۔

گھروں میں رہنے والی باحیا خواتین کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو گھروں اور گھر کے کاموں میں اس قدر مشغول کر رکھا ہے کہ اس کے سوا کسی دوسری طرف، حتیٰ کہ فرائض و واجبات کی طرف توجہ کرنا بھی ہمیں محال معلوم ہوتا ہے۔ اگر ہم اپنی زندگیوں اور اپنے گھروں میں اور بالآخر دنیا میں دین و شریعت کا نفاذ چاہتی ہیں تو سب سے پہلے ہمیں اپنے ایمان پر، اپنے نفس پر محنت کرنا ہوگی اور اپنا تعلق باللہ مضبوط کرنا ہوگا اور پھر اپنی اولاد کے دلوں میں ایمان اور تعلق باللہ کو راسخ کرنے کی کوشش کرنی ہوگی۔

میری پیاری بہنو!

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ہر گناہ کی جڑ دنیا کی محبت ہے۔ جس دل میں دنیا اور اسبابِ دنیا کی محبت گھر کر جائے اس میں کیوں کر اللہ رب العزت کی محبت گھر کر سکتی ہے؟ اللہ رب العزت ہر قسم کے شرک سے بے زار ہے۔ وہ اپنی محبت اسی کو عطا فرماتا ہے جو اس کے لیے اپنے دل کو ہر قسم کی محبت سے پاک کر کے پیش کرتا ہے۔ دنیا کی محبت کے نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ انسان اچھا کھانا اچھا پہننا تو چھوڑ دے مگر دل دنیا کی ہر چیز کی طرف کھنچتا ہو، بلکہ دنیا کی محبت دل سے نکالنے کا یہ معنی ہے کہ دنیا کی حقارت دل میں محسوس ہوتی ہو اور دنیوی مال کے ہونے یا نہ ہونے سے انسان کو کوئی فرق نہ پڑے۔ خواتین کا دل عموماً رنگ برنگی خواہشات میں الجھا رہتا ہے اور یہ خواہشات اور دنیوی ساز وسامان کی رغبت ہی ہوتی ہے جو خواتین کو بخیل بنا دیتی ہے اور وہ نفلی صدقات تو ایک طرف صدقاتِ واجبہ سے بھی کنی کتراتی ہیں۔ یہی دنیا کی محبت عورت کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنے شوہر اور اپنے بیٹے کو جہاد سے باز رکھے۔ وہ یہ تو گوارا کر لیتی ہے کہ اس کا شوہر دنیا کمانے کے لیے دس دس سال گھر سے بلکہ ملک سے باہر گزارے مگر یہ گوارا نہیں کرتی کہ اس کا شوہر یا بیٹا دس دن کے لیے بھی میادینِ جہاد کی طرف حصولِ تربیت کے لیے جائے۔ پس نفس کی اصلاح تب تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ دنیا کی محبت کھرچ کر دل سے نہ نکال دی جائے۔ اپنے آپ کو بتدریج ضروریات کی حد تک محدود کرنا اور استطاعت میں موجود ہر چیز کے حصول کی خواہش نہ کرنا اور موجود پہ قناعت کرنا ان شاء اللہ دل سے دنیا کی محبت نکالنے میں معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ ہر شخص کے لیے ضرورت کا معیار الگ ہے، مگر درحقیقت 'ضرورت' کی فہرست میں بہت کم سامانِ دنیا آتا ہے۔ پس سامانِ دنیا کی چاہت اور اس کے حصول کی کوشش کو کم سے کم درجے پر لانے کی سعی حبّ دنیا کو دل سے نکالنے کا موجب بن سکتی ہے۔ قناعت اللہ رب العزت کی بہت بڑی نعمت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول بہت سی دعاؤں میں قناعت اور موجود مال میں برکت کی دعائیں شامل ہیں۔ یہ قناعت ہی ہے جو حرص وہوس کی بھڑکتی آگ کو ٹھنڈا کرتی ہے اور دلوں کے سکون اور یکسوئی کا باعث ہے۔ گھر کی عورت اگر قانع ہو اور خود کو ضروریات کی حد تک محدود رکھنے والی ہو تو گھر کے مرد گھر والوں کی دنیاوی ضروریات پوری کرنے کے بعد بہتر طریقے سے اللہ کے دین کی دعوت اور اس کے نفاذ کے لیے جہاد اور نصرتِ جہاد کی جانب متوجہ ہو سکیں گے اور ان کے اس سب عمل کا اجر گھر بیٹھے اس عورت کی جھولی میں پڑتا رہے گا جس نے انھیں اس فرض کی ادائیگی کے لیے ذہنی یکسوئی فراہم کی۔

تعلق باللہ کے قیام اور مضبوطی کا بہترین ذریعہ نماز ہے۔ نماز کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک بتلایا ہے۔ وہی نماز کہ جس پر پورے دن میں ہم سب سے کم وقت صَرف کرتی ہیں اور یہی وہ کام ہے کہ جسے ہم سب سے آخری وقت میں سب سے 'پھُرتی' سے انجام دیتی ہیں۔ حالانکہ یہ نماز ہی ہے جو مسلمان کو برائیوں اور گناہوں سے باز رکھتی ہے اور اسے نیکی کی رغبت اور تقویت عطا کرتی ہے۔ آیئے نماز کے سلسلے میں مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کا اسوہ ملاحظہ کرتے ہیں۔ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اپنے والد صاحب کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''ہم لوگوں کی عادت تھی کہ اکثر جب کوئی اہم کام سامنے ہوتا تو یہ جملہ کہہ دیتے تھے کہ 'ذرا نماز سے فارغ ہو جائیں تو پھر وہ کام کریں گے'۔ ایک روز حضرت والد صاحبؒ نے یہ جملہ سنا تو فرمایا: 'ارے بھائی! نماز فارغ ہونے کی چیز نہیں ہے، اس سے فراغت حاصل کرنے کی فکر نہیں چاہیے بلکہ دوسرے کاموں سے فارغ ہو کر نماز کی طرف متوجہ ہونا چاہیے'۔ اس کے بعد آپ نے قرآن کریم کی اسی آیت کی طرف متوجہ فرمایا جو ہم شب وروز پڑھتے رہتے ہیں لیکن اس کی حقیقت کی طرف کبھی دھیان نہیں ہوتا، فرمایا کہ قرآن کریم نے حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ:

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ○وَإِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ○(سورۃ الشراح:۷،۸)

''پس جب تم فارغ ہو جاؤ تو (اللہ کی عبادت میں) تھکو، اور اپنے پروردگار کی طرف رغبت کا اظہار کرو۔''

فرمایا کہ اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہو رہا ہے کہ آپ دوسرے کاموں سے فارغ ہو کر عبادتِ الٰہی میں اپنے آپ کو تھکائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مقصودِ اصلی یہ عبادت ہے اور اس سے جلد از جلد فارغ ہو کر دوسرے کاموں میں لگنے کی نیت ٹھیک نہیں، اس کے بجائے نیت یہ **ہونی چاہیے کہ دوسرے کاموں سے جلد از جلد فارغ ہو کر نماز اور عبادت کی طرف متوجہ ہوں۔''**

پس ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم خواتین کاموں کے دوران بمشکل نماز کے لیے وقت نکالنے کی بجائے، نمازوں کے درمیانی وقفوں میں اپنے کام انجام دیں اور اپنے روزمرہ کاموں کی منصوبہ بندی اس طریقے سے کریں کہ تمام فرض نمازیں فرصت اور تسلی سے ادا کر سکیں۔

نماز کے بعد دوسری چیز جو ہمیں اللہ رب العزت کی پہچان کرواتی ہے اور ظاہر ہے کہ تعلق تو پہچان ہی سے مضبوط ہوتا ہے، وہ اللہ رب العزت کی کتاب یعنی قرآن کریم ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت اپنی جگہ مطلوب ہے اور اجر وثواب کا باعث ہے اور اس میں کوئی دو رائے نہیں البتہ

ہماری زندگیوں کو قرآن کے مطابق ڈھالنے والی چیز فہمِ قرآن اور فہمِ دین ہے۔ لہٰذا روزانہ تلاوت قرآن کا اہتمام تو اپنی جگہ ضروری ہے، خواہ چند رکوع ہی تلاوت کیے جائیں مگر ساتھ ہی ساتھ قرآن پاک کا مدعا سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا التزام بھی نہایت ضروری ہے۔ اس مقصد کے لیے مدارس سے فارغ التحصیل ہونا ضروری نہیں بلکہ بڑے بڑے علمائے کرام کے بے شمار مواعظ نہایت آسان فہم زبان میں کتابی شکل میں موجود ہیں، ان سے استفادہ کیا جاسکتا ہے؛ نیز اس سے بھی آسان تر اور مؤثر تفسیرِ قرآن، تفسیرِ حدیث شریف اور اصلاحِ اعمال واخلاق پر مبنی اہلِ حق علمائے کرام کے دروس، جو صوتی شکل میں موجود ہیں، کو پابندی کے ساتھ سننا اور ان پر عمل کرنا ہے جو گھر بھر کی اصلاح میں بہت مفید و معاون ثابت ہو سکتا ہے نیز قرآن و حدیث کو سمجھنے سے ہی ہمارے دلوں میں دین کی محبت، نفاذِ دین و شریعت کی حقیقی تڑپ اور اس کے لیے قربانی کا جذبہ پیدا ہو سکتا ہے اور اس سلسلے میں خاطر خواہ رہنمائی بھی ہمیں یہیں سے مل سکتی ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ مومن وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ پس زبان و قلب کی حفاظت ایمان کی حفاظت و تقویت کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ یہ انسان کی زبان ہی ہے جو اسے جنت الفردوس کے عالی شان محلات میں بھی پہنچا سکتی ہے اور خدانخواستہ جہنم کے گڑھے میں بھی گرا سکتی ہے۔ نیز زبان تو میٹھی ہو مگر نیت میں فساد ہو تو نیک عمل بھی قابل قبول نہیں۔ بعض اخلاقی برائیاں ایسی ہوتی ہیں جو آہستہ آہستہ انسان کے رگ و پے میں اس طرح سے سرایت کر جاتی ہیں کہ وہ انسان کی فطرتِ ثانیہ کی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں اور یوں ان کے برائی بلکہ گناہ ہونے کا احساس تک انسان کے اندر سے ختم ہو جاتا ہے۔ جب برائی کا احساس ہی نہیں ہو تا تو اس کی اصلاح کی فکر بھی نہیں ہوتی۔ پس ان برائیوں کی اصلاح کی جانب توجہ اور ان کی اصلاح کی مسلسل کوشش بھی اپنی اور اپنی اولاد کی دنیا و آخرت سنوارنے کے لیے بہت ضروری ہے۔ ذیل میں چند چیدہ چیدہ منکرات کا ذکر ان شاء اللہ فائدے سے خالی نہ ہو گا۔

ان برائیوں میں سے گناہ کا درجہ رکھنے والی ایک بہت بڑی برائی جھوٹ ہے۔ جھوٹ ہمارے گھروں میں اس قدر عام ہو چکا ہے کہ اس کی قباحت ہی دلوں سے نکل کر رہ گئی ہے۔ حالانکہ جیسے کوئی مسلمان شراب اور خنزیر کو ہاتھ لگانے کا تصور تک نہیں کر سکتا، ان کے حرام ہونے کی وجہ سے، اسی طرح اسے جھوٹ سے بھی بچنا چاہیے کہ یہ بھی اتنا ہی حرام ہے۔ ہم خواتین کو شعوری، پھر کہتی ہوں کہ شعوری طور پر اپنی زبانوں کو جھوٹ سے بچانے اور سچ کا التزام کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ذرا ذرا سی بے کار باتوں پر جھوٹ، بچوں کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے جھوٹ، شوہر کی ڈانٹ سے بچنے کے لیے جھوٹ، اپنا تاثر خراب ہونے سے بچانے کے لیے جھوٹ...... غرض ایسی ایسی ناکارہ باتوں میں جھوٹ کا سہارا لیا جاتا ہے کہ اگر انسان خود ان پر غور کرنے بیٹھے تو معلوم ہو کہ اس سے بچنا کتنا آسان تھا اور اس میں مبتلا ہو کر ہم نے کس قدر اپنے رب کی ناراضی مول لی ہے۔ پھر اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ غیر محسوس طریقے سے یہ جھوٹ بچوں کے اندر بھی اتر تا چلا جاتا ہے اور گھر کی سطح سے یہ بات معاشرے اور پھر قوم کی سطح تک پھیل جاتی ہے۔

دوسری بہت بڑی برائی جو ہمارے گھروں میں عام ہے اور الّاماشاء اللہ ہی کوئی مرد و زن اس سے محفوظ ہے، نیز خواتین بالخصوص اس برائی میں مبتلا نظر آتی ہیں، وہ غیبت ہے۔ جہاں دو چار خواتین اکٹھی ہوئی نہیں اور خاندان، برادری، پڑوسی، رشتہ دار کسی کی عزت باقی نہیں چھوڑی۔ اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں حکماً اس برائی سے منع فرمایا ہے اور اس کی قباحت اس تشبیہ سے ہی معلوم ہو جاتی ہے جو اللہ رب العزت نے اس برائی کے لیے بیان فرمائی ہے، یعنی غیبت کرنا ایسے ہے جیسے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا۔ ذرا چشمِ تصور سے اس تشبیہ کو حقیقت ہوتے دیکھیے تو! اسی سلسلے میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں پیش آنے والے ایک واقعے کا ذکر بھی مفید ہو گا ان شاءاللہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں دو عورتوں نے روزہ رکھا۔ دونوں کی حالت غیر ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراض فرمایا۔ پھر پیغام آیا کہ وہ تو گویا فوت ہی ہوا چاہتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں سے کہا جائے کہ ایک پیالے میں قے کریں۔ جب ان خواتین نے قے کی تو اس میں کچے گوشت کے ٹکڑے نکلے۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، (مفہوم ہے) کہ ان دونوں نے اللہ کی حلال کردہ چیزوں سے تو روزہ رکھا اور اللہ کی حرام کردہ چیز (اپنے مسلمان بہن بھائیوں کی عزت) سے افطار کیا۔ علما اس برائی کی اصلاح کے لیے فرماتے ہیں کہ انسان پہلے اپنے آپ کو زبان کی حفاظت میں اس انتہا تک لے جائے کہ کسی کا ذکرِ خیر تک نہ کرے، یعنی کسی اور سے متعلق کوئی بات ہی نہ کرے، خواہ وہ بات اچھی ہی کیوں نہ ہو۔ جب ایک مرتبہ لوگوں سے متعلق باتیں کرنے کی عادت قابو میں آجائے تو پھر آہستہ آہستہ لوگوں کا ذکرِ خیر تو ضرور تاًکیا کرے مگر غیبت سے مکمل پرہیز کرے۔

حسد ایک ایسی برائی ہے کہ جس کے بارے میں حدیث شریف میں آتا ہے کہ یہ نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے کہ جس طرح کہ آگ خشک لکڑی کو۔ ہمارے نامۂ اعمال میں روزانہ نیکیاں لکھی ہی کتنی جاتی ہیں کہ انھیں بھی جلا کر راکھ کر دینے کا ہم اہتمام کریں!! دیکھا یہ گیا ہے کہ کسی نے پانچ چھ سو روپے کی بھی کوئی چیز خرید لی، اور وہ چیز ایسی بھی نہیں ہے کہ جو نایاب ہو، مگر دیکھنے والے نے دل میں اتنا حسد محسوس کیا کہ دوسرے کو بھی وہ نعمت نصیب نہ ہو سکی اور اپنے اعمال بھی ضائع ہوئے۔ کرنے کا کام یہ ہے کہ کسی کے پاس نعمت دیکھتے ہی اسے برکت کی دعا دی جائے اور اگر دل میں کوئی برا خیال آئے بھی تو فوراً اپنے لیے اور دوسرے کے لیے استغفار کرے اور اُس کے لیے نعمتوں کے دوام اور اپنے لیے قناعت کی دعا کرے۔ نیز ہر انسان خود اپنے دل میں آنے والے خیالات اور جذبات سے واقف ہو تا ہے، لہٰذا کسی اور پر داروغہ بننے کی بجائے اپنے اپنے اعمال اور اخلاق کی اصلاح پر ہم سب توجہ دینے والے بنیں۔

خیال اور گمان کی بنیاد پر دوسروں کے متعلق طے کر لینا کہ فلاں تو میرے حق میں مخلص ہو ہی نہیں سکتی اور اس نے جو فلاں کام کیا وہ دراصل مجھے جلانے اور سڑانے ہی کے لیے کیا اور جو اس

نے فلاں اور فلاں کی خدمت کی وہ بھی اپنے نمبر بنانے اور مجھے کم تر دکھانے ہی کے لیے کی......

بدگمانی ہے۔ مفروضوں کی بنیاد پر کسی کے متعلق کچھ طے کر لینا اور پھر اسی بنیاد پر دوسرے سے تعامل کرنا اتنی خطرناک بات ہے جو گھروں میں فساد کی جڑ ہے اور زندگی کو جہنم بنا دیتی ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں ظن اور گمان سے منع فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ اکثر گمان گناہ پر مبنی ہوتے ہیں۔ پس اپنے آپ کو، اپنے دلوں اور ذہنوں کو ہم بدگمانی سے پاک رکھیں بلکہ دوسروں سے متعلق ہمیشہ حسنِ ظن رکھیں، اس طرح نہ صرف ہماری اپنی زندگی پر سکون گزرے گی بلکہ ہم دوسروں کو بھی سکون اور راحت دینے کا باعث بنیں گے۔ اگر دل کسی کے رویے سے بہت ہی پریشان ہو تو پیار محبت کے ساتھ دوسرے سے اس کے فعل کی وضاحت طلب کر لی جائے تا کہ دل و ذہن صاف ہو جائیں۔ گھروں کی سطح پر اس برائی کی اصلاح ہی معاشرے اور پھر جہاد کی صفوں میں اس کی اصلاح کا باعث بنے گی۔ یہ بنیادی طور پر ماں کی تربیت ہی ہوتی ہے کہ جو کسی شخص کو سراپا خیر بھی بنا سکتی ہے اور فتنہ گر بھی۔ اگر ماں حسنِ ظن رکھنے والی ہو گی تو اس کی اولاد میں بھی اس صفت کے موجود ہونے کے زیادہ امکانات ہیں، لیکن اگر ماں نے ہی اولاد کے دلوں میں شک اور بدگمانی کے بیج بوئے ہوں گے تو آگے چل کر اولاد کے لیے ان کی اصلاح کے ساتھ ساتھ کسی بھی اجتماعیت اور بالخصوص جہادی اجتماعیت کا حصہ بننا بھی مشکل ہو گا۔

چغلی کھانا، یعنی اِدھر کی جھوٹی سچی باتیں اُدھر پہنچانا بھی بہت عام ہے اور عموماً چغل خوری اور تجسس لازم و ملزوم ہی ہوتے ہیں۔ پہلے دوسروں کی ٹوہ لگائی جائے، بہانے بہانے سے، تانک جھانک سے، بچوں سے سوال کر کر کے دوسروں کے معاملات کی خبر رکھنے کی کوشش کی جائے اور پھر اس میں اپنی طرف سے جھوٹی باتیں بھی شامل کر کے کسی تیسرے کو بھڑکایا جائے۔ حد تو یہ ہے کہ بچوں کو بھی بڑے معصومانہ طریقے سے سوالات کے ذریعے (کہ فلاں کہاں ہے، فلاں کیا کر رہا تھا، فلاں نے فلاں سے کیا کہا، فلاں کس کے ساتھ بیٹھا تھا وغیرہ کہ بچے عموماً آزادانہ ایک دوسرے کے کمروں میں اور قریب کے گھروں میں آتے جاتے ہیں اور ان کے سامنے گفتگو اور تعامل میں احتیاط کم کی جاتی ہے، اس طرح انھیں) اس کام میں استعمال کیا جاتا ہے اور سمجھا یہ جاتا ہے کہ یہ تو چھوٹے ہیں، انھیں کیا سمجھ آئے گی۔ حالانکہ بچے بہت سمجھ دار ہوتے ہیں اور تھوڑے ہی عرصے میں یہ سب کھیل سمجھ جاتے ہیں اور پھر اپنی جانب سے جھوٹ گھڑ گھڑ کر اور چغلیاں کر کر کے گھروں میں لڑائیاں اور فساد کرواتے پھرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ کہ چغل خور جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ اور قرآن پاک کا صریح حکم ہے ولا تجسسّوا، تجسس نہ کرو۔ پس جو مسلمان عورت جنت میں جانے کی خواہاں ہے اسے ان برائیوں سے لازماً اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرنی چاہیے اور اپنی اولاد کو بھی اس سے بچانا چاہیے۔

پھر اگلی یہ بات کہ جس جس برائی کی قباحت کو آپ خود جان لیں اور سمجھ لیں، اس کو عاجزی اور تواضع کے ساتھ، اپنی علمی کم مائیگی کے احساس کے ساتھ قریبی رشتہ داروں تک پہنچانا اور سہیلیوں اور رشتہ داروں میں سے بھی پہلے ان تک جن کے ساتھ دل کا گہرا تعلق ہو اپنی بات پہنچانا اور اجتماعی طور پر اصلاحِ اخلاق کی کوشش کرنا۔ انفرادی کوشش اپنی جگہ اہم ہے اور اجتماعی کوششوں کے فوائد سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ دوسروں تک بات پہنچانے میں ایک بات ضرور ملحوظ رکھنی چاہیے کہ آپ کا کام محض محبت، دل سوزی اور عاجزی کے ساتھ پیغام پہنچانا اور ہمدردی سے قائل کرنے کی کوشش کرنا ہے، نہ کہ لٹھ اٹھا کر داروغہ بن کر لوگوں کے پیچھے پڑ جانا کہ یہ اصلاح کی بجائے محض دوسرے میں ضد اور چڑ پیدا کرنے والا اور نصیحت کے اثر کو سراسر زائل کر دینے والا عمل ہے۔

پھر یہ بات کہ اپنی اولاد کے دلوں میں شروع سے ہی منکرات کی نفرت ڈالنا اور نیکیوں سے محبت پیدا کرنا۔ ان کے سچ بولنے، نیکی کی طرف رغبت کرنے، زبان کی حفاظت کی کوشش کرنے پر ان کی حوصلہ افزائی ہو اور کبھی کبھار کوئی چھوٹا موٹا انعام بھی انھیں دیا جائے، جبکہ مذکورہ بالا اور دیگر اخلاقی برائیوں پر ان کی زبردست پکڑ ہو۔ بچے زبانی تبلیغ سے زیادہ آپ کے عمل سے سیکھتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ بچوں میں جھوٹ، چغلی، تجسس وغیرہ کی برائیاں جڑ پکڑ جائیں تو پھر ان کی اصلاح بہت مشکل ہو جاتی ہے۔ بچوں کی تربیت محض یہ مدِ نظر رکھتے ہوئے نہ کی جائے کہ یہ کل کو اچھے سعادت مند 'کماؤ پوت' بن جائیں بلکہ اس نقطۂ نظر سے ان کی تربیت کی جائے کہ یہ اچھے مسلمان بنیں اور ان کے اعمال اور اخلاق ایسے ہوں جو نہ صرف ان کی اپنی دنیا و آخرت کے سدھارنے میں معاون ہوں بلکہ یہ امت مسلمہ کے لیے بھی نافع بنیں اور جہادی صفوں میں ان کی شرکت اتحاد و اتفاق کو فروغ دینے والی ہو نہ کہ افتراق و انتشار و فساد کو۔ نیز بچوں کی تربیت میں اور اپنی اور دیگر اہل خاندان کی اصلاح کے سلسلے میں اللہ رب العزت سے خصوصی دعائیں کرنے کا اہتمام ساتھ ساتھ ہو کہ اللہ کی مدد اور رحمت کے سوا کوئی خیر کا کام ممکن نہیں۔

اور سب سے آخر میں یہ کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کے ساتھ ساتھ کثرت سے استغفار اور صدقے کا اہتمام کرنا۔ کثرت کا معنی یہ نہیں ہے کہ ایک دن میں چند مرتبہ بے توجہی کے ساتھ استغفار پڑھنا کافی ہو جائے؛ رسول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں ایک ایک مجلس میں ستّر ستّر مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔ وہ اللہ کے نبی ہیں اور اس کے باوجود اس قدر استغفار کا اہتمام، تو ہم گناہ گاروں کو اس سے زیادہ نہیں تو کم از کم اتنی مرتبہ استغفار کا اہتمام تو کرنا ہی چاہیے۔ نیز نفلی صدقات پر دوام کی کوشش بھی کرنی چاہیے۔ صدقہ چاہے چھوٹا ہو، مثلاً کسی پڑوسی کو اپنے پکائے ہوئے کھانے میں سے کچھ بھجوا دیا، کسی کی کوئی چھوٹی سی ضرورت پوری کر دی، کسی کی خدمت کی نیت سے اس کا کوئی کام کر دیا یا اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے کوشاں افراد کے لیے اللہ کے دیے ہوئے اموال میں سے کچھ دیا وغیرہ، مگر اس میں نیت کی درستی ضروری اور لازم ہے کہ صدقہ خالص اللہ کے لیے ہو اور اس میں ریا نہ ہو اور اس کی تشہیر نہ کی جائے۔

غرض مطلوب یہ ہے کہ ایک مسلمان خاتون کا دائرۂ عمل فقط اعمال و اخلاق کی اصلاح تک محدود نہ رہے بلکہ وہ اپنی اولاد اور حسب استطاعت دیگر خواتین میں بھی ایمان، اخلاق اور جہاد کی روح پھونکنے والی ہو۔ آج ہمارے معاشرے کے اندر بہت سی وہ خواتین نظر آتی ہیں جن سے اللہ رب العزت نے خواتین ہی کی تعلیم و تربیت اور اصلاح کے دائرے میں اپنے دین کی بھرپور خدمت لی اور ان کی دعوت و تبلیغ سے متاثر ہو کر کئی گھرانے اللہ کے دین سے جڑ گئے اور مائیں سدھریں تو انھوں نے اپنے بیٹوں کو بھی دین و شریعت کی سربلندی اور جہاد کے لیے تیار کیا۔ جہادی صفیں ماؤں کی گودوں ہی سے بننا شروع ہوتی ہیں۔ مجاہدین کا پہلا مدرسہ ماں کی کوکھ اور اس کی گود ہی ہوتی ہے۔ پس ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم عفت اور حیا کے ساتھ، شریعت کی پابندی اور اس کی حدود میں رہتے ہوئے اپنے دین کی دعوت عام کریں اور یہ دعوت فقط نماز روزہ اور دیگر فرائض کی حد تک محدود نہ ہو بلکہ یہ خواتین کے اندر جہادی شعور بیدار بھی کرے تاکہ معاشرے کو وہ گھرانے مل سکیں جن کی سوچ و فکر جہادی ہو، جو محض گھر کی سطح پر نہیں بلکہ امت کی سطح پر سوچنے اور فکر کرنے والے ہوں، جن کی سعی و جہد کا واحد مقصد پیٹ بھرنا نہ ہو بلکہ ان کی تڑپ مظلومینِ امت کے مسائل حل کرنے اور انھیں شریعت الٰہی کے قیام سے راحت پہنچانے کی ہو۔ شریعت کا نفاذ محض چند سرفروشوں کی قربانیوں سے ممکن نہیں، اس کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان عورت اپنی اولاد اور اپنے گھر والوں کو جہاد کی نصرت کے لیے تیار کرے۔ آپ اپنے گھروں میں رہتے ہوئے جہاد اور اہل جہاد کی مال و اسباب کے ذریعے مدد کر سکتی ہیں، ان کو پناہ دینے، ان کی حمایت، اپنے شوہروں اور بیٹوں کو ان میں شامل کر کے مجاہدینِ اسلام کی تعداد میں اضافے کے ذریعے اور دعاؤں کے ذریعے ان کی مدد کر سکتی ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ خاتونِ خانہ بے کس اور مجبور ہے اور وہ جہاد اور اہل جہاد کے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔ وہی تو ہے جو سوچ و فکر کو ڈھالنے والی ہے اور وہی ہے جو حوصلہ دینے والی اور اٹھا کر کھڑا کرنے والی ہے اور وہی ہے جو بھاگتے قدموں کو واپس میدانِ جنگ کی جانب لوٹانے والی ہے۔ پس اے ماؤں، بہنو، بیٹیو! اپنا کردار پہچانیے، اپنی قوت کا ادراک کیجیے اور اللہ کے دین پر عمل، اس کی دعوت اور شریعتِ الٰہی کے نفاذ کی کوششوں میں اپنا بھرپور حصہ ڈالیے۔

اپنے گھروں اور اولاد کی اصلاح کے لیے یہ چند نکات تھے جو ذہن میں آئے۔ گھر کی عورت کی نیکی اور صالحیت کا اثر بہت دوررس ہوتا ہے۔ اگر سربراہِ خانہ نیک اور صالح ہے تو صالح عورت اس کی صالحیت کی تقویت کا باعث بنتی ہے اور اس کے لیے اپنے اور اپنے اہل خانہ کے دین و اخلاق کی حفاظت، جہاد کی نصرت اور اس میں شرکت آسان تر ہو جاتی ہے۔ اور اگر خدانخواستہ سربراہِ خانہ دین سے دور ہو تو عورت کی نیکی اور صالحیت، تعلق باللہ اور حکمت اسے دین سے جوڑنے اور دین دار بنانے میں معاون ہو سکتی ہے۔ پس ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان عورت اپنے کردار کو سمجھے، وہ کردار جو اللہ رب العزت کو اس سے مطلوب ہے۔ دنیا کی نصف سے زیادہ آبادی خواتین پر مبنی ہے۔ خواتین اگر اپنی اور اپنے گھر والوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھالیں تو اللہ رب العزت کی رحمت سے امت مسلمہ کا ہر گھرانہ مثالی بن سکتا ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں اپنی شریعت سے محبت اور اس پر عمل کی تڑپ اور اس کے قیام کے لیے جہاد کی توفیق عطا فرمائے، اور ہم سب کو خیر اور نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کا معاون و مددگار بنائے اور برائیوں سے ایک دوسرے کو محبت اور دردمندی کے ساتھ روکنے والا بنائے، آمین۔

سبحانک اللّٰهم وبحمدك نشهد أن لا إله إلّا أنت نستغفرك ونتوب إليك

بقیہ: مجھے کیوں قتل کیا گیا؟

اور پھر بمباریاں......؟ انہوں نے اپنے ہی کتنے سپاہیوں پر بمباریاں کیں؟ ہر روز کہا جاتا ہے کہ غلطی سے بمباری ہو گئی۔ ہر روز فرینڈلی فائر کی صورت میں بمباری ہو جاتی ہے۔ جو بھی ظالم کی ظلم میں معاونت کرتا ہے، اللہ اس کے ظلم کو اسی پر الٹا دیتے ہیں۔

آج مجاہدین پر بمباریوں سے جو لوگ خوش ہوتے ہیں، جو ایک دوسرے کو مجاہدین کے قتل ہونے پر مبارک بادیں دیتے ہیں ان کا کیا حال ہو گا؟ ہم اللہ سے مغفرت و عافیت کا سوال کرتے ہیں، اللہ سے دعا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو اچھے طریقے سے حق کی طرف لوٹا دے، لیکن اللہ کی قسم! اللہ ان ظالموں کو انہی پر مسلط کر دے گا، یہاں تک کہ یہ اللہ کی طرف لوٹ نہ آئیں۔

مجھے اس لیے قتل کیا جاتا ہے کیوں کہ میں اسلام اور مسلمانوں پر جھوٹ نہیں باندھتا۔ میں اس لیے قتل کیا جاتا ہوں کیوں کہ میں اپنا سر ان طواغیت کے سامنے نہیں جھکاتا، میں اسلام کے دشمنوں اور امت مسلمہ کے دشمنوں کو "دوست" نہیں کہتا، میں ان کے قوانین کو نہیں مانتا اور نہ ان سے فیصلے کرواتا ہوں، میں ان کے نظاموں کو تسلیم نہیں کرتا، یہ اس لیے مجھے قتل کرتے ہیں۔ ہم اس لیے ان کافروں کو قتل کرتے ہیں اور ہم مجاہدین اس لیے ان کے ہاتھوں شہید ہوتے ہیں۔

مجھے اس لیے شہید کیا جاتا ہے کیوں کہ میں "ولاء و براء" کا عقیدہ رکھتا ہوں۔ میں مومنوں سے دوستی کرتا ہوں اور کافروں سے دشمنی رکھتا ہوں۔

مجھے اس لیے شہید کیا جاتا ہے کیوں کہ میں اپنے مسلمان بھائیوں کی پوری دنیا میں مدد کرتا ہوں۔ میں اپنے مسلمان بھائی کی افغانستان، عراق، فلسطین، شیشان، بوسنیا اور پوری دنیا میں مدد کرتا ہوں...... میں کافروں کے مقابلے میں اس کی مدد کرتا ہوں۔

میں اس لیے قتل کیا جاتا ہوں کیوں کہ میں ان کے منصوبوں، ان کے اہداف اور ان کی تدبیروں کو بے نقاب کرتا ہوں۔ میں یہ ہوں اور یہ کرتا ہوں جو میں نے بیان کیا اور میں اس (حق کی) صف میں کھڑا ہوں......! لیکن تم کیا ہو؟ تم کس صف میں کھڑے ہو؟ تم نے کیا کیا ہے اور تمہارے کیا کارنامے ہیں؟ تم ان سب واقعات میں کہاں کھڑے ہو؟...... تمہارا کیا موقف ہے......؟

★★★★★

امیر المومنین شیخ ہبۃ اللہ اخوندزادہ نصرہ اللہ کی ہدایات...... مجاہدین کے نام

مسلمانوں کی نصرت و کامیابی کے عوامل

مجاہدین کو چاہیے کہ وہ اچھے اعمال سے اپنے آپ کو مزین کریں جس کی وجہ سے فتح و نصرت ان کے شانہ بشانہ ہو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ○ (سورۃ محمد: ۷)

"اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا، اور تمہارے قدم جمادے گا۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ تمام مومنین کو مخاطب کرتا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی نصرت کرو، تو اللہ تعالیٰ تمہاری نصرت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کی پیروی کرتے ہوئے اس کے دین کی نصرت کی جائے، تو اللہ تعالیٰ کی نصرت کے سہارے مسلمان دشمنوں پر غالب آجائیں گے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ "اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں"۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ○ (سورۃ آلِ عمران: ۱۲۰)

"اگر تم صبر اور تقویٰ سے کام لو تو ان کی چالیں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ سب اللہ کے (علم اور قدرت کے) احاطے میں ہے۔"

تفسیرِ طبری میں آیا ہے کہ اے مومنو! اگر تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر کرو اور پیروی کرو ان امور میں جن کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں امر دیا ہے اور ان چیزوں سے اپنے آپ کو بچاؤ جن سے اللہ تعالیٰ نے تم کو منع کیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، تو پھر دشمن کے فریب اور دھوکے سے تم محفوظ رہو گے، یعنی اللہ تعالیٰ تم کو ان کے فریب اور دھوکے سے اپنی حفاظت میں لے لے گا اور تم ان پر غالب آجاؤ گے۔

مسئولیت اور امارت ایک امانت ہے

قابلِ احترام مجاہدین! ہر وہ فرد جس کو امیر کسی کام کے لیے منتخب کرے، وہ کام اس کے پاس ایک امانت ہے اور اس پر لازم ہے کہ اس کام کا پورا حق ادا کرے؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ○ (سورۃ النساء: ۵۸)

"(مسلمانو) یقیناً اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں تک پہنچاؤ، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ یقین جانو اللہ تم کو جس بات کی نصیحت کرتا ہے وہ بہت اچھی ہوتی ہے۔ بے شک اللہ ہر بات کو سنتا اور ہر چیز کو دیکھتا ہے۔"

تفسیر قرطبی میں لکھا ہے کہ اس آیتِ مبارکہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکم عام ہے ہر اس شخص کے لیے جس کو کوئی امانت سونپی گئی ہو، چاہے وہ اموال کی تقسیم ہو یا مظلوم کا حق ظالم سے لینا ہو۔

امام طبری نے فرمایا ہے، اس آیت میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جن کو کوئی امانت سونپی گئی یا ان کو گواہ بنایا گیا، اسی طرح نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا اور ساری عبادات بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہیں۔

اس آیت کا یہی معنیٰ ایک مرفوع حدیث میں اس طرح آیا ہے:

"تم میں سے ہر ایک مسئول (جواب دہ) ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا، امیر اپنی رعیت کے بارے میں مسئول ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا، آدمی اپنے اہل و عیال کے بارے میں جواب دہ ہے اور اس سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا، عورت اپنے شوہر کے گھر کی مسئول ہے اور اس سے اس بارے میں پوچھا جائے گا، خادم کی مسئولیت اس کے مالک کے مال پر ہے اور اس سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔" (بخاری)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے فلاں جگہ پر مقرر کیا جائے؟ آپ ﷺ نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور مجھ سے فرمایا: اے ابو ذر! تم کمزور ہو اور یہ کام ایک امانت ہے اور قیامت کے دن کی رسوائی و ندامت ہے، لیکن ان لوگوں کے لیے نہیں جو احسن طریقے سے اس کام کو ادا کریں جس طرح کہ اس کے ادا کرنے کا حق ہے۔

دوسری روایت میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو ذر! تم مجھے کمزور لگتے ہو اور میں تمہارے لیے وہی کچھ پسند کرتا ہوں جو مجھے پسند ہو، دو افراد پر بھی امیر بننے کی خواہش نہ کرو اور یتیم کے مال کی سرپرستی اپنے ذمے نہ لو۔

یہ ایک بڑا قاعدہ ہے کہ ہر شخص کو چاہیے کہ امیر بننے سے اپنے آپ کو بچائے، خصوصاً وہ فرد جو کمزور ہو۔

(باقی صفحہ نمبر 11 پر)

اب صبر للہ...... کیا ہے؟

صبر للہ یہ ہے کہ آپ اپنے دل اور اپنی نیت کو دیکھیں اور آپ کی آنکھیں ہمیشہ آسمان کی طرف لگی ہوں۔

لیکن اِن پر صبر کیجیے۔ اپنے امیر کے احکامات پر صبر! خواہ وہ مرتبے اور شان میں آپ سے کم ہی کیوں نہ ہو۔ خواہ آپ کی شہرت اس سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔

اللہ کے لیے صبر...... کیونکہ اُسی سے اپنے عمل کا ثواب درکار ہے۔ جب بھی کوئی کام کہا جائے یا کسی طرف بھیجا جائے، صبر...... خواہ یہ کام آپ کی مرضی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ آپ کی خواہش کے برعکس ہی کیوں نہ ہو۔ صبر لازمی ہے...... صبر کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

امیر اور جماعت کے بغیر کوئی چارہ نہیں

رسول اللہ ﷺ نے انصار کو وصیت فرمائی تھی کہ دنیا میں ایثار سے کام لینا اور لوگوں کے لیے دنیا چھوڑتے رہنا یہاں تک کہ حوض کوثر پر ہماری ملاقات ہو اور امرا میں سے جانے پہچانے اور اجنبی تمام امرا پر صبر کرنا، یہاں تک کہ حوض کوثر پر ملاقات ہو۔ فرمایا:

”وستجدون اثرة من بعدی فاصبروا حتی تلقونی علی الحوض.“

”میرے بعد تم کچھ کو پاؤ گے اُن پر صبر کرنا تا آنکہ ہم حوض کوثر پر مل جائیں۔“

امیر کے احکامات پر صبر!

خواہ وہ امیر ”امیر سفر“ ہی ہو اور خواہ گروپ پانچ چھ افراد پر ہی مشتمل ہو۔ یہ اللہ رب العالمین کی اطاعت ہے۔

یہ اللہ رب العالمین کی عبادت ہے۔ اس کی حکمتیں، اس کے معانی صرف وہی جانتے ہیں جو متوسمون (عبرت کی نگاہ سے دیکھنے والے) ہیں۔

اپنی شخصیت اور اپنا رتبہ پہچانیے، اپنی حقیقت کا ادراک حاصل کیجیے۔

آپ کس کی پیروی کر رہے ہیں؟

آپ کس کے ساتھ چل رہے ہیں؟

آپ یہاں کیوں موجود ہیں؟

آپ کو جاننا چاہیے کہ آپ ایک منظم گروہ سے تعلق رکھتے ہیں، جماعت کے بغیر کوئی جہاد نہیں ہو سکتا۔ یعنی جماعت کے بغیر کوئی جہاد نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا۔

اسلام کسی ایسی جماعت کو تسلیم نہیں کرتا جس کا کوئی امیر نہ ہو اور اس طرح کا کوئی اسلام وجود نہیں رکھتا جو جماعت کے بغیر ہو۔

کوئی جماعت امیر کے بغیر نہیں ہو سکتی اور کوئی امیر بغیر جماعت کے نہیں ہو سکتا۔

شیطان آپ کو نئی سے نئی راہ سجھاتا ہے اور ابلیس ملعون آپ کو نئے سے نئے وسوسے میں مبتلا کرتا ہے کہ یہ راستہ جہاد کے لیے زیادہ بہتر ہے اور اس طریقے سے چلیں تو زیادہ ثواب ہے حالانکہ اس صورت میں آپ غلطی کر رہے ہوں گے۔

پیارے بھائی!

اگر ساری طاقتوں، محنتوں اور مشقتوں کو جمع کر لیا جائے اور پھر کسی ایک ہی کھیتی میں ڈال دیا جائے تو یہ ان شاء اللہ دنیاوی نقطۂ نظر سے بھی نتیجہ خیز ہو سکتا ہے اور آخرت میں بھی کامیابی کی ضمانت دے سکتا ہے۔

وہ جہاد جس میں اطاعت امیر موجود ہو، اُس جہاد سے یقیناً بہتر ہے جس میں معصیت پائی جاتی ہو۔ اپنا ایک امیر طے کیجیے، اپنے گروپ کا ایک سربراہ بنائیے۔

اپنے آپ کو ساری حدود و قیود سے آزاد ہوا کے دوش پر ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر لڑھکنے والا نہ بنائیے۔ اپنے آپ کو ضائع نہ کیجیے۔ ایسا بننے کی کوشش نہ کیجیے کہ کوئی آپ کو پوچھنے والا نہ ہو، آپ کو احکامات نہ دے سکے۔

کوئی ایسا ضرور ہونا چاہیے جس سے آپ مشورہ لے سکیں جس کی نصیحت سن سکیں اور جس کے حکم پر آپ کوئی کام کر سکیں حالانکہ اس کام کے بارے میں آپ کی رائے مختلف ہی کیوں نہ ہو۔ آخر اجر اور صبر اس کے علاوہ کس چڑیا کا نام ہے کہ آپ نہ چاہتے ہوئے بھی کسی کے احکامات پر عمل کریں؟

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ ایک حدیث میں ہے کہ

> ”بایعنا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم علی السمع والطاعة وعلی اثرة علینا.“
>
> ”ہم نے رسول اللہ ﷺ کی ہر خوشی اور ہر غم میں پیروی کرنے کی بیعت کی۔ خواہ کوئی بات ہمیں پسند ہو خواہ ناپسند ہو اور اس پر کہ ہماری رائے میں خواہ اسی سے دوسروں کو دنیاوی فائدہ زیادہ ہی کیوں نہ پہنچ رہا ہو۔“

صبر مع اللہ یہ ہے کہ آپ کروٹ کروٹ شریعت کے ساتھ چلیں اور قدم قدم پر اُس کا ساتھ دیں۔ اُس کا ساتھ دینے میں تکلیف آئے تو ناراض نہ ہوں، غصہ نہ کریں، شکوہ نہ کریں اور صبر اس کے علاوہ کیا ہے کہ شکایت کو زبان پر لانے سے رُکنا ہے اور اعضا اور جوارح کو تشویش کا مظاہرہ کرنے سے روکنا ہے...... دل کو افسردہ ہونے سے روکنا ہے...... یہی تو صبر ہے...... اور صبر

کیا ہے؟ بلاؤں اور مصیبتوں پر دل میں میل نہ آنے دینا اور زبان سے شکوہ شکایت نہ کرنا، یہی تو صبر ہے۔

واذا اعترتک بلیة فاصبر لھا
صبر الکریم فانه بک اکرم

واذا شکوت الی ابن ادم انما
تشکو الرحیم الی الذی لا یرحم

بلائیں آپ کو گر گھیر لیں تو
شکایت مت زباں پر لائیے گا

کسی انسان سے رحمٰن کا شکوہ
نہیں، یہ ظلم مت فرمائیے گا

اور جوارح کو تشویش کا مظاہرہ کرنے سے روکنے کا مطلب ہے کہ گال نہ پیٹے جائیں، گریبان نہ پھاڑے جائیں، جاہلیت کے سے دعوے نہ کیے جائیں۔

چنانچہ میرے بھائی! بڑا ضروری ہے کہ آپ اللہ کے ساتھ صبر کریں یعنی آپ یہ سمجھیں کہ آپ کو کوئی صبر نہیں دے سکتا سوائے خدائے رحیم و کریم کے اور اللہ کے لیے صابر بن کر رہیے یعنی ہمہ وقت اُس کے احکامات پر عمل پیرا رہنے کی کوشش کیجیے۔

اُس کی ''منع کردہ'' چیزوں کو چھوڑنے کی کوشش کیجیے۔ آنکھیں آسمان کے علاوہ کسی طرف لگی ہوئی نہ ہوں۔ انہیں صرف اللہ رب العالمین ہی سے ثواب اور اجر کی توقع اور طلب ہو۔

اسی طرح صبر مع اللہ یہ ہے کہ آپ اللہ کے ارادے کے ساتھ ساتھ چلیں۔ اپنے نفس کو گناہوں سے بچائیں، اطاعت اور ثواب کے کاموں پر عمل کریں، احکامات مانیں اور ممنوعہ چیزوں سے بچیں اور اُس کی قضاو قدر کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔

تاریخ سے بعض مثالیں

سلف اور خلف اس سے پہلے تاریخ میں صبر کی ایسی ایسی زندہ مثالیں چھوڑ گئے ہیں کہ جب میں سیرت اور تاریخ کا مطالعہ کرتا ہوں تو میرے لیے یہ سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں آخر بغیر تنخواہ کے لوگ جزیرۂ عرب سے کس طرح لشکر بنا کر نکل کھڑے ہوئے۔ اُن میں سے کسی کے پاس کوئی دنیاوی عہدہ بھی نہیں تھا۔ میں اِن واقعات کی تفسیر کرنے سے قاصر ہوں کہ انہوں نے اپنے بچوں اور اہل خانہ کو کس طرح چھوڑ دیا۔

لشکر کا کوئی رجسٹر نہیں ہے۔ شہدا کا کہیں اندراج نہیں ہے کہ ان کی بیواؤں اور بچوں کو وظیفہ دیا جاسکے۔ کوئی دیوان نہیں رکھے گئے، کوئی ناموں کی فہرستیں نہیں بنیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے تک یہ سارا معاملہ ایسے ہی چلتا رہا۔ حتیٰ کہ آپ کے زمانے میں فتوحات حاصل ہوئیں، غنائم آنا شروع ہوئے، عراق اور شام فتح ہوئے..... اور تب کہیں جا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لشکر اور سپاہیوں کی رجسٹریشن کا حکم جاری کیا۔

لیکن اِن میں سے بہت سی پہیلیاں تو اُس وقت حل ہو گئیں جب میں نے افغانوں کو جہاد کرتے دیکھا۔ اُن کو ہمہ وقت، بلا معاوضہ، ان تھک جدوجہد کرتے دیکھ کر تاریخ اسلامی کے سارے مسائل میرے سامنے واضح ہو گئے۔

انسان سال سال دو دو سال تک کیسے صبر کر سکتا ہے جبکہ اس کا خاندان بھوک سے مر رہا ہو؟ ایک مجاہد اپنے کمانڈر سے جس زیادہ سے زیادہ چیز کی توقع رکھتا ہے، وہ یہ ہے کہ محاذ پر اُس کو زندہ رہنے کے لیے روٹی ملتی رہے۔

اُس کو محاذ پر رہ کر درہم اور دینار نہیں ملتے جو وہ اپنے اہل خانہ کے لیے کما سکتا ہو۔ کتنے لوگ ہیں جنہوں نے مدتوں سے اپنے اہل خانہ کی شکلیں نہیں دیکھیں۔ کتنے ہیں جنہوں نے اپنی نوجوان بیویوں کو چھوڑ کر محاذوں پر رہنا قبول کر لیا۔ انہوں نے اپنے چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو کس پر چھوڑ دیا؟ کون اُن کی پرورش کرے گا؟ کون اُن کو کھانا اور دودھ دے گا؟

انہوں نے نعمتوں میں پلنے والی اُس بیوی (اپنے بچوں کی ماں) کو چھوڑ دیا جو بیچاری کبھی لکڑیاں لینے باہر نہ نکلی تھی، جو کبھی پہاڑ پر نہ چڑھی تھی، جس نے کبھی مشقت کا کوئی کام نہیں کیا تھا...... انہوں نے ان سب کو اللہ کے لیے چھوڑ دیا اور اللہ کے رستے میں نکل کھڑے ہوئے۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے پوچھنے پر بتایا تھا کہ میں اپنے بچوں کے لیے اللہ اور اُس کا رسول چھوڑ آیا ہوں۔

جب ہم ان لوگوں کے صبر کی بات کرتے ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ ہم اُن کا حق کبھی کسی طور ادا نہیں کر سکتے۔ یہ اپنے صبر کی بدولت جتنے اعلیٰ مراتب اور درجات پر جا پہنچے وہاں ہم اپنے شوق سے تو کیا پہنچیں گے، ہمارے اعمال بھی ہمیں وہاں نہیں پہنچا سکتے۔

یہ ایسی اعلیٰ اور ارفع چوٹیاں ہیں جن کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا بلکہ ٹھگنوں کا لمبوں سے اپنا مقابلہ اور موازنہ کرنا بذاتِ خود ایک ایسا عمل ہے جس کو معزز لوگ پسند نہیں کرتے اور بھلے لوگوں کے دل کو یہ بات نہیں لگتی۔ اہل الفضل اس کو کسی صورت قبول نہیں کر سکتے اور عظمت اور شان والوں کی شان تو شان والے ہی جانتے ہیں۔ میں ہر چند کہ اہل فضل میں سے نہیں ہوں...... لیکن میں ان کی عظمت کو پہچانتا ہوں۔ ان کی رفعت کو جانتا ہوں۔ میں نے ان لوگوں کا اچھی طرح مطالعہ کیا ہے اور ان کے ساتھ کافی وقت گزارا ہے۔ میں مجاہدین کے ساتھ رہا ہوں اور میں نے یہاں اور وہاں کے صابرین میں موازنہ کیا ہے۔ میں نے یہاں اللہ کے رستے پر چلنے والوں کا اور وہاں کا موازنہ کیا ہے اور میں نے محسوس کیا ہے کہ موازنے اور مقابلے کا یہ کام ہی بڑا فضول ہے۔ ان کے درمیان کوئی موازنہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ بھلا ان لوگوں میں اور اُن لوگوں میں موازنہ کس طرح کیا جا سکتا ہے؟

کہاں یہ عرب جو اسرائیل کے سامنے تین گھنٹے نہ ٹھہر سکے اور کہاں یہ افغان جنہوں نے اللہ کے رستے میں توکل، صبر، ثبات اور ایمان کے ساتھ آٹھ سال گزار دیے[1] اور ان چیزوں کے علاوہ اس رستے میں سب کچھ کھو دیا۔ آج روس نواز کمیونسٹ انقلاب کو ایک ماہ کم آٹھ سال ہو گئے ہیں۔ ان آٹھ سالوں میں بموں نے کوئی گھر سلامت نہیں رہنے دیا۔ کوئی گھرانہ بکھیرے بغیر نہیں چھوڑا۔

کس خاندان کو مریضوں، زخمیوں اور شہیدوں کا تحفہ نہیں دیا؟

کس گھر کو یتیم خانہ اور ماتم خانہ بنا کر نہیں چھوڑا؟

لیکن اس کے باوجود...... یہ لوگ سربلند کیے پہاڑوں اور بادلوں سے ٹکرا رہے ہیں۔ دلوں کا حال یہ ہے کہ ہمالہ سے بلند جذبوں سے بھرے ہوئے ہیں۔

یہ لوگ ہر چند کہ زمین پر چلتے ہیں...... لیکن اُن کے دل اور روحیں پوری قوت ایمانی کے ساتھ آسمانوں میں اڑتی پھرتی ہیں جہاں زمین کا گرد و غبار ان پر اثرانداز نہیں ہو سکتا، وہ اس زمین پر ضرور رہ رہے ہیں لیکن اُن کے دل بقول حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ارفع مقامات میں الجھے ہوئے ہیں۔

اور اس کے بعد کچھ لوگ آ جاتے ہیں جنہوں نے......

جنہوں نے کبھی کڑوا کھانا نہیں کھایا ہوتا۔ جو عیش کی زندگی کے مزے لوٹتے رہے ہوں۔ جن کے آگے کھانے کی ایک پلیٹ رکھی جاتی ہے اور دوسری اٹھائی جاتی ہے۔

یہ لوگ آ جاتے ہیں...... اور ان صابر مسلم افغانیوں کو حقارت کی نظروں سے دیکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ ان کو حقیر اور کمزور سمجھتے ہیں...... کیوں؟

اس لیے کہ انہوں نے افغانوں سے اچھے کپڑے پہنے ہوتے ہیں۔ یا اُن کے جوتے افغانوں کے جوتوں کی نسبت نئے ہیں۔ یا اُن کا کھانا ان کی نسبت زیادہ لذیذ ہے۔ یا اُن کا بستر ان کی نسبت زیادہ نرم ہے۔ یا ان کا پلنگ ان کی نسبت زیادہ اونچا ہے۔

انسان کو اِن چیزوں سے تو دوسروں پر فضیلت حاصل نہیں ہو سکتی۔ انسان جن چیزوں سے دوسروں سے ممتاز ہوتا ہے، وہ صبر اور اعمال ہیں۔ لوگوں کا موازنہ اُن کے نسب کے ذریعے کیا جاتا ہے اور نسب کیا ہے...... نسب ان کا عمل ہے۔

اور حسب کا تو اس دنیا میں صادقین کے نزدیک کوئی وزن نہیں ہے۔ نہ ہی اس کی آخرت میں اللہ رب العالمین کے نزدیک کوئی اہمیت ہے۔

یہ کہتے ہیں، یہ افغانی لوگ آخر کیا ہیں؟ اِن کی قیمت ہی کیا ہے؟ بھائی! آپ ان کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔

خدا کی قسم! یہ لوگ اس قابل نہیں کہ ان کے بارے میں سوچا بھی جائے۔

میں یہاں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ان لوگوں کے اِس کلام پر ہمیں معاذ اللہ کہنا چاہیے۔

یہ لوگ مرثیے کے علاوہ کسی چیز کے مستحق نہیں ہیں۔ میرا خیال ہے ان لوگوں کے لیے (جو ایسی باتیں کرتے ہیں) خون کے آنسو بہانے چاہئیں کیونکہ انہوں نے ایسی باتیں کر کے اپنی دنیا اور آخرت خراب کر لی ہے۔

اللہ نے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا:

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ○ (سورۃ الحجر: ۳)

''ان کو مست اور خواہشوں کے پیچھے چلتا رہنے دو۔ آخر کار ان کو سب کچھ پتہ چل جائے گا۔''

اور اس سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو تو بالکل صحیح راستے پر سمجھ رہے ہیں اور دوسروں کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ اُن کے سارے اعمال ضائع ہو رہے ہیں اور ساری نیکیاں بے فائدہ جا رہی ہیں، اُن سے منزل گم ہو چکی ہے اور وہ گمراہ ہو چکے ہیں۔

وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا○ (سورۃ الکہف: ۱۰۴)

''ان کا خیال ہے کہ وہ بالکل ٹھیک (اور بہت اچھا) کام کر رہے ہیں۔''

مجھ سے ایک بھائی نے کہا کہ ایک صاحب کا مکان گر گیا اور اس کے نیچے آ کر اُن کا ایک بچہ مارا گیا۔ اُس نے اس موقع پر ایک بکرا ذبح کیا اور ہمیں شکرانے کے نفل ادا کرنے کے لیے بلایا۔ ہم اُس کی دعوت پر گھر گئے تو ہم نے کہا 'بھائی! آپ کا گھر گیا...... آپ کی بچی ماری گئی اور آپ ہمیں قربانی کا گوشت کھلانے پر مصر ہیں'۔ کہا: 'یہ شکرانے کی قربانی ہے کہ اُس اللہ نے محض میرا ایک بچہ واپس لیا ہے اور باقی بچے چھوڑ دیے ہیں، اگر وہ سارے لے لیتا تو میں کیا کرتا'۔

ہمارے ہاں ایسا صبر کہاں ملتا ہے؟

ہمارے ہاں تو اگر ایک رات کے لیے بجلی یا گیس منقطع ہو جائے تو سارے گھر والوں کا جینا حرام ہو جاتا ہے۔ سب لوگ آپ کی ناک میں دم کر دیں گے۔ اور اگر گھر میں جنریٹر نہ ہو تو پھر تو آپ کی خیر نہیں۔ آپ شاید باہر سڑک پر جا سوئیں یا کسی مرکز اسلامی میں سونے چلے جائیں۔ یا شاید کسی ہوٹل میں شب بسری کا ارادہ باندھیں۔

ذرا موازنہ کیجیے...... اپنا...... اور ان لوگوں کا جو سالوں سے ڈھلکی ہوئی چھتوں کے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ مٹی اور پتھر کے ملبے کے درمیان کہیں رہتے ہیں اور اس ملبے کے اندر بیٹھ کر بھی وہ یہی سوچتے ہیں کہ دنیا میں سب سے خطرناک قوت کا مقابلہ کس طرح کیا جائے۔

اس سے بڑھ کر صبر کیا ہو سکتا ہے؟ اللہ کی اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہو سکتی ہے کہ وہ انسانی دل پر صبر کی نعمت انڈیل دے جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''وجدنا خیر عیشنا بالصبر.''

---

[1] شیخ عزام نے جب یہ بات فرمائی تو روس کے خلاف جہاد کو آٹھ سال ہوئے تھے، پھر یہ جہاد کئی برس مزید جاری رہ کر پورا ہوا، پھر مقامی طواغیت کے خلاف جہاد ہوا، پھر افغانستان میں امریکہ آ گیا اور آج بیس سال امریکہ اور اس کی مسلط کردہ جنگ کو بھی ہو چکے ہیں۔ کم و بیش چالیس سال سے زائد کا عرصہ ہے جو جہاد میں ویسا ہی گزرا ہے جیسا شیخ نے آٹھ سال کو بیان کیا ہے۔ (ادارہ)

”ہمارے لیے سب سے بہتر زندگی صبر کی ہے۔“

اور کہا:

لوكان الصبر والشكر جوادين ما باليت ان اركب احدهما ان اركب البلاء فاصبر او اركب العافية فاشكر......“

”اگر صبر اور شکر دو گھوڑے ہوتے تو میں یہی سوچتا کہ کس گھوڑے پر سوار ہوں۔ آیا مصیبت کے گھوڑے پر سوار ہوں اور صبر کروں......یا عافیت اور امن کے گھوڑے پر بیٹھ کر شکر خداوندی بجالاؤں۔“

کرامت

مطرف کہتے ہیں، میں نے ابن الحصین کو دیکھا کہ عجیب مصیبت سے دوچار ہیں۔ اُن کا پیٹ پھول پھول کر بہت بڑا ہو چکا تھا۔ چونکہ آپ چارپائی سے اُتر نہ سکتے تھے اس لیے بول و براز کی حاجت کے لیے وہیں چارپائی میں ہی سوراخ کر دیا گیا۔ یہ دیکھ کر میری آنکھیں بہنے لگیں۔

کہا: ”کیوں رو پڑے؟“

میں نے کہا: ”آپ کا حال دیکھ کر۔“

کہا: ”نہ روؤ کیونکہ مجھے بھی وہ پسند ہے جو اسے پسند ہے“، اور اس کے ساتھ ہی آسمان کی طرف اشارہ کیا، پھر کہا: ”مطرف! کیا تمہیں مجھ پر ترس آرہا ہے؟

خدا کی قسم! اس بیماری میں اللہ کے فرشتے مجھ سے ملنے آتے ہیں، مجھے سلام کرتے ہیں اور میں یہ سب کچھ محسوس کرتا ہوں۔“

تو برادران کرام!

صبر کیجیے......صبر اختیار کیجیے......صبر کا مرتبہ یقیناً! بہت عظیم ہے۔

اللہ نے بھی یہی فرمایا کہ ”رباط“ سے پہلے خود بھی صبر کرو اور دوسروں کو بھی صبر کی تلقین کرو۔ فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اصْبِرُواْ وَصَابِرُواْ وَرَابِطُواْ وَاتَّقُواْ اللّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ○(سورۃ آلِ عمران: ۲۰۰)

”اے ایمان والو! صبر کرو......صبر کی تلقین کرو...... آپس میں بندھے اور جڑے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ فلاح پا سکو۔“

جہاد کا کام صبر کے بغیر جاری نہیں رہ سکتا کیونکہ جہاد بھاری عبادت ہے اور اس میں سے بھی آپ کے لیے سب سے زیادہ شاق یہ ہے کہ آپ کو ایسے گروپ کے ساتھ رہنا پڑے جس کے انداز یا اطوار آپ کو پسند نہ ہوں، ان کا سلوک آپ کو مزہ نہ دے لیکن آپ صبر کرنے پر مجبور ہوں......پورا بدلہ......اور کامل ثواب آپ کو اپنے ساتھیوں پر صبر کیے بغیر کیسے مل سکتا ہے؟ صحیح میں ہے:

”الغزو غزوان فمن غزا ابتغا مرضاة الله وياسر الشريک ای كان يسرا فی اخلاقه سهلا مع اصحابه باشا فی وجوههم يتغاضى عن هفواتهم ويطبق جفنيه عن اخطاء هم ويقيل عثراتهم وياسر الشريک واطاع الامير وانفق الكريمة واجتنب الفساد فذالک نومه ونبهه اجر كله.“

”جنگیں دو قسم کی ہیں؛ ایک وہ جو اللہ کی مرضی کی خاطر ہو جس میں انسان خوشی سے اپنے ساتھیوں کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہوا حصہ لے، مسکراتے چہرے سے سب کو ملے، فضولیات سے پرہیز کرے اور لوگوں کی غلطیوں سے صرف نظر کرے اور اُن کی......اور دوسرا وہ جو جنگ میں خوشی سے شریک ہو، امیر کی اطاعت کرے، اپنی بہترین چیز انفاق کرے، فساد سے بچے......اس دوسرے شخص کا سونا اور جاگنا ہر چیز اجر کی مستحق ہے۔“

یعنی آپ کو پانچ شرائط پوری کرنی ہیں یہ کہ:

1. فقط اللہ کی مرضی کی خاطر نکلیں۔
2. امیر کی اطاعت کریں۔
3. اپنے ساتھیوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔
4. اپنا مال خرچ کریں۔
5. فساد سے بچیں، چغل خوری نہ کریں، غیبت نہ کریں، حسد نہ کریں، تفرقہ نہ پھیلائیں، پھوٹ نہ ڈالیں، غرور نہ کریں، ریاکاری نہ کریں، خود پسندی نہ دکھائیں، دوسروں کو حقیر نہ سمجھیں۔ اگر ان کو اپنے سے بہتر نہ سمجھ سکیں تو کم از کم اپنے جیسا اپنا بھائی ضرور سمجھیں۔ بہتر یہ ہے کہ دوسروں کو اپنے سے اچھا سمجھا جائے۔ عیبوں کی جستجو نہ کی جائے۔ اپنے بھائی کی آنکھ کا تنکا دیکھنے کی کوشش نہ کی جائے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی اپنی آنکھ کا شہتیر تو دیکھتا نہیں دوسروں کی آنکھ کا تنکا دیکھ لیتا ہے۔ اپنے عیبوں کی طرف دیکھیے، اپنی طرف نظر کیجیے۔ تب آپ دوسروں پر صبر کر سکیں گے۔

اور تب آپ کو پتہ چلے گا کہ سب سے زیادہ جس کی اصلاح کی ضرورت ہے وہ تو خود آپ ہی ہیں۔

أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُم مُّصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُم مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّى هَـذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِندِ أَنْفُسِكُمْ إِنَّ اللّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ○(سورۃ آلِ عمران: ۱۶۵)

”کیا تم پر اس سے پہلے بھی (ایسی ہی) مصیبت نہیں آچکی؟ تمہیں اس سے دگنی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا تو تم نے کہا: یہ کیا! یہ کہاں سے آگئی؟ کہو! یہ تمہاری ہی طرف سے آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“

اقول قولی هذا واستغفر الله لی ولکم!

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

علاماتِ قیامت

دجّالیت اور اس کی چالیں

مولانا مسعود کوثر

قیامت سے پہلے کچھ حالات و معاملات ایسے برپا ہونے ہیں جن سے اہلِ ایمان کی جنت و جہنم وابستہ ہے۔ مخبرِ صادق، نبیٔ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ مبارک کا مفہوم ہے کہ 'آخری زمانے میں دنیا دو خیموں میں بٹ جائے گی، ایک خیمہ اہلِ ایمان کا ہو گا جس میں نفاق نہ ہو گا اور ایک خیمہ اہلِ نفاق کا ہو گا جس میں ایمان نہ ہو گا'۔ مولانا مسعود کوثر صاحب مدّ ظلّہ کے یہ دروس اسی کامیابی یا ناکامی سے متعلق ہیں اور ان میں اہلِ ایمان کو لائحۂ فکر و عمل فراہم کرنے کا سامان ہے۔ مولانا موصوف نے یہ دروس ایک عوامی مجلس میں ارشاد فرمائے تھے، جہاں برادرِ عزیز حافظ شہزاد (محب اللہ) شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے، برادر حافظ شہزاد شہید نے ہی بڑے اہتمام سے ان دروس کو ریکارڈ کیا تھا۔ ان صوتی دروس کو تحریری شکل میں بھائی خیر الدین درانی نے ڈھالا ہے، باذن اللہ یہ دروس قسط وار، مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' میں نشر کیے جائیں گے۔ (ادارہ)

نحمده و نصلی علیٰ رسوله الكريم اما بعد

فأعوذ باالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمٰن الرحيم

دجال ہماری زندگی میں آئے یا نہ آئے اس سے بحث نہیں، لیکن دجال کے آنے سے پہلے دجالیت دنیا میں آچکی ہے۔

دجالیت کیا ہے؟

۱۔ دجالیت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ ایمان اور ایمان کی قدر ختم کر کے مادیت کو فروغ دیا جائے کہ ہر چیز پیسے سے آتی ہے اور یہ کہ ایمان، نماز اور عبادت سے کچھ نہیں ہوتا، ذکر کی کوئی اہمیت نہیں۔

۲۔ جھوٹ کو اتنا فن کاری کے ساتھ بولو کہ حق کی پہچان ختم ہو جائے۔

یہ ازل سے کافروں کے پاس ایسی طاقت رہی ہے؛ افواہیں پھیلانا اور جھوٹ کو اتنی فن کاری سے بولنا اتنی کثرت سے بولنا کہ لوگ اس کو حق اور سچ سمجھ لیں اور اپنے مقصد کی بات کو اتنا پھیلانا کہ وہ لوگوں کے احساس تک...... لوگوں کے شعور میں داخل ہو جائے۔ اسی چیز کو میڈیا کہتے ہیں اور اسی چیز کو لوگوں کے کان بھرنا کہتے ہیں۔ پرانے زمانے میں اس کو افواہ کہا کرتے تھے۔

یہاں دو منٹ کے لیے رُک کر ایک بات سمجھ لینا از حد ضروری ہے۔ اسلام کے آغاز میں اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے منافقین نے ایک شکل اختیار کی؛ یہ رسولِ اقدس ﷺ کی مبارک زندگی میں...... رسالت موجود ہے، نبوت موجود ہے، وحی کا سلسلہ قائم ہے، منافقین نے کہا کہ ہم نے یہ طرز اسلام کی نشر و اشاعت کو ختم کرنے کے لیے اختیار کیا ہے۔ کیا طریقہ اختیار کیا؟ افواہیں پھیلاتے تھے جو آج کے میڈیا کا کام ہے؛ جھوٹی بات کو اتنا پھیلا دو کہ لوگ اس کو سچ سمجھ لیں۔ وحی کا سلسلہ قائم تھا، سو وحی آگئی ﴿لَئِن لَّمۡ يَنتَهِ ٱلۡمُنَٰفِقُونَ وَٱلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَٱلۡمُرۡجِفُونَ فِي ٱلۡمَدِينَةِ﴾ مدینہ میں یہ لوگ جو افواہیں پھیلا رہے ہیں ان کو کہہ دیں کہ اگر یہ لوگ باز نہ آئے تو ﴿لَنُغۡرِيَنَّكَ بِهِمۡ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَآ إِلَّا قَلِيلًا﴾[1] ہم ان کو مدینہ کی بستی میں رہنے نہیں دیں گے۔ اللہ کی طرف سے حکم آیا۔ پھر یہ حکم آیا کہ آج کے بعد اگر کوئی منافق افواہیں پھیلائے گا، جھوٹی بات پھیلائے گا، ان کو کہہ دیجیے کہ آپ ان کو جہاں پائیں قُتِّلُوا تَقۡتِيلًا ان پکڑ کر قتل کر دیں۔ جب رسولِ اقدس ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی تو منافقین اس بات سے رُک گئے۔ مرجفون کا معنیٰ افواہ پھیلانے والے، جھوٹی خبریں پھیلانے والے۔

پھر یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ کے دور میں ایسا گروہ آیا۔ خود نبی کریم ﷺ کے زمانے میں جیسا عرض کیا کہ ایسا گروہ تھا۔ صلح حدیبیہ جو ہے یہ افواہ کے نتیجے میں پیش آئی۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر جھوٹی پھیلا دی تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے کہا کہ یہ صوت الشیطان ہے۔ یہ شیطان وسوسے ڈالتا ہے۔ بدر میں ایک انسان کی شکل میں آگیا اور افواہیں پھیلا دیں کہ یہ ہو جائے گا وہ ہو جائے گا اور رسولِ اقدس ﷺ پر جو آیات اس ضمن میں اتریں وہ اتنی واضح ہیں، اتنی صاف ہیں، پانچویں پارے کی آیات کہ اگر کوئی مسلمان ان آیات کو سمجھ لے اور ان کی تفسیر کو سمجھ لے کسی بھی تفسیر سے ان آیات کا مفہوم سمجھ جائے تو وہ کبھی اس دجالیت کا، میڈیا کے فتنے کا شکار نہیں ہو گا، ان شاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿بَيَّتَ طَآئِفَةٌ﴾ یہ ایک گروہ ہے جو رات کو بیٹھ کے مشورہ کرتا ہے۔ ﴿وَإِذَا جَآءَهُمۡ أَمۡرٌ مِّنَ ٱلۡأَمۡنِ أَوِ ٱلۡخَوۡفِ﴾ معاملہ امن کا ہو یا معاملہ خوف کا ہو ان کا کام ہے خبر کو پھیلانا اور نشر کرنا۔ امن کی بات ہے تو یہ اپنا مقصد نکالیں گے اور اگر کہیں خوف کی بات ہے کوئی واقعہ یا کوئی حادثہ ہے تو بھی اس حادثے سے اپنی خبر اور اپنی بات نکالیں گے ﴿أَذَاعُواْ بِهِۦ﴾ ان کا کام ہے اس کو

---

[1] ”اگر وہ لوگ باز نہ آئے جو منافق ہیں جن کے دلوں میں روگ ہے اور جو شہر میں شر انگیز افواہیں پھیلاتے ہیں تو ہم ضرور ایسا کریں گے کہ تم ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوگے، پھر وہ اس شہر میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکیں گے، البتہ تھوڑے دن۔“ (سورۃ الاحزاب: ۶۰)

پھیلا دینا اور نشر کر دینا۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ عربی کا لفظ اللہ نے کیا استعمال فرمایا؟ اَذَاعُوْا بِهٖ۔ اَذَاعُوْا کا معنیٰ کیا کریں گے؟ عربی کی آپ لغت لیں، اَذَاعُوْا کو دیکھ لیں، اَذَاعُوْا، الاذاعات سے ہے۔ اذاعات کا معنیٰ ہے نشریات۔ اذاعا کا معنیٰ ہے نیٹ ورک۔ الاذاعا کا معنیٰ ہے ٹی وی چینل... گویا سیدھا سیدھا معنیٰ ہے۔ مصر میں الاذاعات نشریات کو کہتے ہیں، ریڈیو اذاعات کہتے ہیں خبر نامے کا اذاعا اور الاذاعات کا معنیٰ ہے دنیا کا جدید نشریاتی سسٹم۔ اللہ ذوالجلال نے قرآن پاک میں صدیوں پہلے اس لفظ کو استعمال فرمایا ہے جو آج کی عربی نشریات کے لیے استعمال ہوتا ہے، جو آج کا میڈیا نشریات کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اللہ ارشاد فرماتے ہیں:

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ[1] بات خوف کی ہو یا بات امن کی ہو اَذَاعُوْا بِهٖ یہ اپنا مقصد اپنا کام پورا کرتے ہیں وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ اگر مسلمانوں کو کوئی معاملہ پیش آئے کوئی خبر ہو تو وہ اس فتنے کا شکار نہ ہوں (بلکہ) رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ اگر رسولِ اقدس ﷺ زندہ ہیں، تم میں موجود ہیں، تو معاملے کو ان کی طرف لے کر جاؤ، اگر آپ اس دنیا میں نہیں تو وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ تم میں سے جو صاحبِ معاملہ ہیں، جو صاحبِ عقل ہیں، جو صاحبِ شریعت ہیں، جو علما ہیں جو اس کی گہرائی کو جاننے والے ہیں جو اولو الامر ہیں، معاملے کو ان کی طرف لے کے جاؤ تاکہ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ اس بات کی خبر اس کی تحقیق جو وہ تمہیں بتائیں، تم اس پہ یقین رکھو، تم پھیلائی ہوئی خبر پر یقین نہیں رکھو۔ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا اور یہ اللہ کا تم پر فضل ہے اور اللہ کی تم پر رحمت ہے کہ اللہ تمہیں ایسا حکم دے رہے ہیں ورنہ اگر تم ان خبروں کے پیچھے چلے جاؤ تو یہ تمہیں شیطان کی اتباع تک پہنچا کے رہیں گے۔

دوسری بات، رسولِ اقدس ﷺ کے زمانہ میں کوئی افواہ زیادہ نہیں پھیل سکی، وجہ یہ تھی کہ وحی کا نظام قائم تھا، وحی آجاتی اور خبر واضح ہو جاتی کہ یہ سچ ہے یا جھوٹ ہے۔ لیکن انہوں نے اپنی افواہ کے ذریعے دین کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے، اس پر اپیگنڈے کے ذریعے اور قرآن پاک نے دو جگہ ان کے پول کھولے ہیں۔ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ[2] یہ کافر چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی افواہوں سے ختم کر دیں، بجھا دیں۔ افواہ کا معنیٰ جھوٹی بات، وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ اللہ کا بھی یہ فیصلہ ہے کہ اللہ اپنے نور کو مکمل کر کے رہے گا وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ مشرک اور کافروں کو ناگوار لگے تو لگے۔

تو یہ دجالی، دجال کے آنے سے پہلے دجالیت پھیلا رہے ہیں۔ دیکھیں پوری خبر آنے سے پہلے ایک آنکھ بنتی ہے، پھر اس میں کیمرہ بنتا ہے پھر اس کی خبر کو دکھایا جاتا ہے۔ دجال کا پہلے 'تبرک' حاصل کیا جاتا ہے۔ وہ کوئی بھی چینل ہو۔ آپ کسی ایک چینل میں کر لیں تو ہو سکتا ہے یہ اتفاق ہو لیکن اگر سب کی ترتیب تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ایک ہی ہو تو اس بات کو سمجھ لینا چاہیے کہ نشریاتی سسٹم ہو یا نیٹ کا سسٹم ہو یہ سارے کہ سارے دجالی سسٹم کا ایک حصہ ہیں اور ان کا کام اَذَاعُوْا ہے۔ مکمل امن ہو تو ان کے ہاں پھر بھی امن نہیں ہے اور خوف کی بات ہو تو پھر تو ماشاء اللہ خبروں پہ خبریں... ہر خبر جو ہے وہ بریکنگ نیوز ہے۔ تو یہ دجالیت ہے۔

حق کو چھپانے کے لیے ان چیزوں کو اوپر لایا گیا ہے اور اربوں روپوں کے اخراجات سے چینلز میں جو اشتہار چلاتے ہیں، یہ محض اس پر نہیں چل رہے۔ کھلم کھلا پاکستان کی وہ خبریں ہمارے پاس موجود ہیں جو دنیا کے نشریاتی یہودی اداروں نے جو ایڈ (امداد) دی ہے اربوں ڈالر کی پاکستانی میڈیا کو وہ معلوم ہے۔ ان کا کام ہی ایڈ دے کر ان سے اپنے مطلب کی خبریں لینا، حق بات کو چھپانا اور باطل کو اتنی خوبصورتی سے بیان کرنا کہ لوگوں کے ذہنوں میں وہ بات راسخ ہو جائے، یہ دجالیت کا ایک فتنہ ہے۔ اس فتنے کی مختلف صورتیں ہیں؛ کبھی میڈیا کی شکل میں آتا ہے، کبھی یہ آپ کو کہتا ہے کہ جناب! وطن بڑی چیز ہے، وطن سے محبت کرنی چاہیے، یہ ہونا چاہیے، وہ ہونا چاہیے۔ دین سے دور کرنے کے لیے وطن کو اہمیت دیتے ہیں وطن پرستی سکھاتے ہیں۔ وطن سے محبت، یہ جرم نہیں ہے لیکن وطن کی محبت اگر حدود اللہ کے توڑنے پر آمادہ کر دے، دین سے دور کر دے تو ایسی محبت جو ہے وہ فتنہ بن جاتی ہے۔ وطن تو دور کی بات ہے، اللہ فرماتے ہیں کہ تمہاری اولاد اور تمہاری بیویاں اگر تمہیں دین سے دور کر دیں تو ان سے بڑا فتنہ کوئی نہیں وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ[3]۔ کبھی وطن پرستی کے نام پر، 'سب سے پہلے پاکستان' کے نام پر، سب سے پہلے قوم پرستی، زبان پرستی، لسان پرستی، علاقہ پرستی یہ صوبائی، لسانی، تعصب، ان ساروں جھگڑوں میں کفر مسلمانوں کی صلاحیتوں کو ختم کرنا چاہتا ہے اور یہ وہ بت تھے جن کو انبیائے کرام نے آتے ہی توڑا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے وطن کو چھوڑا تو قوم نے کہا کہ دیکھو ہم تو ایک قوم ہیں، ایک وطن کے ہیں، تم ہم سے کیوں جھگڑا کرتے ہو؟ چھوڑ دو اس کلمے کو، اپنے وطن کی بات کرو۔ تو ابراہیمؑ نے ہجرت کرتے وقت چوراہے میں کھڑے ہو کے کہا تھا کہ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ

وطن سے محبت، یہ جرم نہیں ہے لیکن وطن کی محبت اگر حدود اللہ کے توڑنے پر آمادہ کر دے، دین سے دور کر دے تو ایسی محبت جو ہے وہ فتنہ بن جاتی ہے۔

---

[1] "اور جب ان کو کوئی بھی خبر پہنچتی ہے، چاہے وہ امن کی ہو یا خوف پیدا کرنے والی، تو یہ لوگ اسے (تحقیق کے بغیر) پھیلانا شروع کر دیتے ہیں۔ اور اگر یہ اس (خبر) کو رسول کے پاس یا اصحاب اختیار کے پاس لے جاتے تو ان میں سے جو لوگ اس کی کھوج نکالنے والے ہیں وہ اس کی حقیقت معلوم کر لیتے۔ اور (مسلمانو) اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تھوڑے سے لوگوں کو چھوڑ کر باقی سب شیطان کے پیچھے لگ جاتے۔" (سورۃ النساء: ۸۳)

[2] "یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں، حالانکہ اللہ کو اپنے نور کی تکمیل کے سوا ہر بات نامنظور ہے، چاہے کافروں کو یہ بات کتنی بری لگے۔" (سورۃ التوبۃ: ۳۲)

[3] "اور یہ بات سمجھ لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایک آزمائش ہیں۔" (سورۃ الانفال: ۲۸)

وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ[1] میں تم سے برأت کا اعلان کرتا ہوں۔ برأت دور کی بات ہے كَفَرْنَا بِكُمْ میں تمہیں کافر سمجھتا ہوں اور کافر بھی دور کی بات ہے وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ تمہارے اور میرے درمیان کھلی جنگ کا آغاز ہے یہاں تک کہ تم اللہ کی وحدانیت کا اقرار نہ کرلو۔ صرف برأت نہیں صرف دشمنی نہیں اس سے بھی آگے کفر کا فتویٰ نہیں اس سے بھی آگے اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ اور اس کے بعد تیسرا مرحلہ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ کچھ دن کے لیے نہیں اَبَدًا کب تک حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ۔ اس لیے اللہ فرماتے ہیں، قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ اے ایمان والو! تمہارے لیے ابراہیم کے اس واقعے میں نمونہ ہے، یہ واقعہ اسوۂ حسنہ ہے۔ یہ عقیدہ رکھو کہ جہاں اللہ اور اس کے رسول کی بات ہے جہاں دین کی بات ہے وہاں وطن پرستی وہاں قوم پرستی وہاں لسانیت پرستی وہاں صوبائی وہاں نسلی وہاں کچھ بھی نہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ فرق مٹا دیا تھا اور فرمایا تھا کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی حیثیت حاصل نہیں، اللہ کے ہاں تم سارے کے سارے برابر ہو، اللہ کے ہاں کوئی قوم، قوم نہیں تم سارے کہ سارے برابر ہو۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اللہ کے ہاں تمہاری پہچان تمہارے تقوے سے ہے نہ تمہاری قوم سے ہے نہ تمہاری نسل سے ہے نہ تمہارے وطن سے ہے نہ رنگ ونسل سے۔ اللہ تبارک تعالیٰ ہمیں فتنے کی ہر شکل سے محفوظ فرمائے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے دین کی محبت نصیب فرمائے اور کافروں سے براءت نصیب فرمائے۔

یہ فتنے کی مختلف شکلیں ہیں جو دجال کے آنے سے پہلے دجالیت پھیلا رہی ہیں اور دجال کے رستے کو ہموار کرنے کے لیے، لوگوں کے ذہنوں کو وہاں تک پہنچانے کے لیے اور دجالیت کا ایک فتنہ ایسا ہے کہ اسلام کی معاشرت کو اور عبادت کو نقصان پہنچانا، اسلام کو جو بالترتیب زوال آیا ہے وہ اسی ترتیب کے ساتھ سب سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا میں نبی کریم ﷺ کے ذریعے سے نبوت رسالت یہ آئی اور ایک دینی ریاست کا قیام ہوا، مدینہ ایک ریاست بنا ایک خلافت بنا خلافتِ راشدہ قائم ہوئی اور اوپر کی سطح پر اسلام جو ہے وہ پوری دنیا میں غالب بھی ہوا، نافذ بھی ہوا اور ایک اتھارٹی قائم ہوئی اسلام کی۔ حضرت ابو بکر و عمر، حضرتِ عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے دور میں اسلام ریاستی شکل میں مضبوط نظر آیا، دنیا میں نافذ نظر آیا۔ یہ اسلام کے عروج کا زمانہ تھا جس میں مسلمانوں کی سیاست خلافت کی شکل میں باقی تھی، مسلمانوں کے پاس معیشت اپنی تھی، معاشرت اپنی تھی اور عبادت قائم تھی۔ تو اس کی مثال ہے ایسے جیسے کہ ایک پانی والا ڈول ہوتا ہے اس میں پانی بھرا جائے، سب سے پہلے خلافت اور ریاست کو بھر دے پھر معیشت مضبوط ہوئی، مسلمانوں کی معاشرت مضبوط ہوئی، مسلمانوں کے عقائد اور جو عبادات تھی وہ محفوظ ہوئی، اب سب سے پہلے کیا بھرا گیا؟ خلافت اور ریاست کو، پھر معیشت کو، پھر معاشرت کو، پھر مسلمان یہاں تک رہے۔ اب یہ ایک ڈول ہے، بالٹی ہے اس کے پیندے میں سوراخ ہوا تو مسلمانوں کے زوال کا آغاز ہوا۔ اس کی نچلی سطح پر، جو نیچے پیندا ہوتا ہے، اس میں سوراخ ہوا تو سب سے پہلے ہماری کیا چیز گئی؟ نیچے کیا تھا؟ سب سے پہلے مسلمانوں سے مسلمانوں کی خلافت چھن گئی، اوپر کی سطح پر ریاست کا خاتمہ ہوگیا، اس کی جگہ ظلم آگیا دہشت آگئی، بادشاہیاں آگئیں، نظام سارا ختم ہوگیا، شیرازہ بکھر گیا، لیکن اس کے باوجود مسلمان چلتے رہے، وہ زمانہ گزرا۔ اچھے لوگ تھے، حیاتِ دین سے نسبت تھی، دین سے محبت تھی، علما تھے فقہا تھے نظام چلتا رہا۔ پھر وقت آیا کہ مسلمانوں کی ریاست ختم ہوجانے کے باوجود مسلمانوں کی معیشت، معاشرت، عبادت تین چیزیں باقی رہیں، کافی سارا وقت مسلمان گزار گئے۔ پھر وقت آیا جو مسلمانوں کی مضبوط معیشت تھی وہ ختم ہوگئی۔ ایک زمانہ تھا کہ دنیا بھر کی منڈیوں کا ریٹ بغداد سے نکلتا تھا۔ مسلمان کیا تجارت کررہے ہیں دنیا میں اس کی اہمیت ہوتی تھی۔ معیشت جو ہے وہ ختم ہوگئی، کنٹرول معیشت کا کفر کے ہاتھ میں چلا گیا۔ مسلمان معاشی طور پر کمزور سے کمزور ہوتے گئے۔ لیکن اس کے باوجود مسلمانوں میں ایمان، حیا اور دین داری باقی تھی۔ کچھ عرصہ پھر بھی گزر گیا کیونکہ اس کے پاس عبادت بھی تھی اور معاشرت جو تھی وہ اپنی تھی۔ پھر کفر نے یہ وار کیا کہ مسلمان سے اس کی معاشرت چھین لی، مسلمان اپنی معاشرتی اقدار کو بھول گیا اس نے کفر کی نقالی شروع کی، سر سے لے کر پاؤں تک، اب چلتے پھرتے انسانوں میں آپ فرق نہیں کرسکتے کہ کون عیسائی ہے کون یہودی ہے اور کون مسلمان ہے۔ اس کا لباس بدلا، اس کی شکل وصورت بدلی، اس کے تہوار بدل گئے، اس کے انداز بدل گئے، اس کے اطوار بدل گئے، اس کی خوشی اور غمی جو ہے وہ بدل گئی، اس نے وہ خوشی منانی ہے جو کافر منا رہے ہیں، اس کی معاشرت جو ہے ختم ہوگئی، اگر کافر نے بسنت منائی ہے تو اس نے کہا کہ میں بھی مناؤں گا، اس نے ویلنٹائن ڈے منایا تو اس نے بھی منایا، یہاں تک کہ مسلمانوں کی شکل وصورت کیا ہے؟ جو کافر کی ہے وہی اس کی ہے۔ اگر اس نے پھٹی ہوئی پینٹ پہنی ہے تو اس نے بھی پھٹی ہوئی پینٹ پہنی ہے کیونکہ یہ جی ایک نیا رواج آگیا۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ پھٹی ہوئی پینٹ نئی ملتی ہے جو گھٹنوں سے پھٹی ہوئی ہوتی ہے، اس لیے کہ کافر کو یہ پسند ہے تو ہمارے نوجوان کو بھی یہی پسند ہے۔ جو بال کسی اداکار نے رکھے ہیں تو وہ بال رکھنا ہمارا ایک مسلمان نوجوان پسند کرتا ہے۔ صحابہ اور اصحابِ بدر کے نام اس کو یاد نہیں اور دنیا کے سب کرکٹ ٹیموں کے کھلاڑیوں کے نام اس کو یاد ہیں۔ بدر میں کون شہید ہوا؟ حضور ﷺ کی سیرت کیا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کے

[1] "ہمارا تم سے اور اللہ کے سوا تم جن جن کی عبادت کرتے ہو، ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں، اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض پیدا ہوگیا ہے جب تک تم صرف ایک اللہ پر ایمان نہ لاؤ۔" (سورۃ الممتحنۃ: ۴)

کارنامے کیا ہیں؟ صحابہ میں جرنیل کون ہیں؟ اس کو کوئی پتا نہیں لیکن کھلاڑیوں کا سب پتا ہے کہ اوپننگ کون کرتا ہے اور ون ڈاؤن کون آتا ہے، یہ سارا صرف اپنا ہی نہیں بلکہ دوسری ٹیموں کا بھی پتا ہے اور ازواجِ مطہرات کا علم نہیں، رسول اقدس ﷺ کے حرم میں کون ہیں؟ ان کی ازواج کون ہیں؟ حضور کی بیویاں کیا ہیں؟ حضور کی اولاد کیا ہے؟ مسلمانوں کی تاریخ کیا ہے؟ اس کا کوئی پتا نہیں۔ فلموں کے ناموں کا پتا ہے، اداکاروں کا پتا ہے، اداکاراؤں کا پتا ہے، کون کس نمبر پر جا رہی ہے، سب پتا ہے... لیکن جو نہیں پتا تو اپنی اس معاشرت کا نہیں پتا، اپنی روایات کا نہیں پتا، رسولِ اقدس ﷺ کی سیرت کا نہیں پتا، حضور کے گھرانے کا پتا نہیں۔ وہ چیزیں جو اس کے ذمے، محبت فرض کر دی تھی رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے ضمن میں، وہ چیزیں اس سے ختم ہو گئیں۔

لباس بھی ختم ہو گیا، معاشرت بھی ختم ہو گئی، السلام علیکم کی آواز جو ہے وہ ختم ہو گئی، اب گزرتے ہوئے اس نے کہا کہ ہیلو ہائے تو اس نے بھی کہا کہ ہیلو ہائے۔ اس نے گڈ مارننگ (Good Morning) کہا گڈ نائیٹ (Good Night) کہا تو اس نے کہا کہ اس سے بہترین لفظ تو کوئی ہے ہی نہیں۔ عرب انعم صباحاً کہا کرتے تھے، ایک صحابی سے رسول ﷺ نے سنا تو ناراض ہوئے کہ اسلام کے آنے کے بعد بھی کفر کے الفاظ استعمال کر رہے ہو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا کرو، انعم صباحاً چھوڑ دو جس کا سیدھا سیدھا ترجمہ گڈ مارننگ ہے۔ عرب اس کو استعمال کرتے تھے صحابہ نے اس کو چھوڑا اور رسولِ اقدس ﷺ نے اس کو چھڑوایا۔ پھر تہوار بھی بدل گئے، کھانے بھی بدل گئے، اب مسلمانوں کے ہاں جو غذائیں تھیں جس میں اللہ نے برکت رکھی تھیں، ان میں طاقت رکھی تھیں وہ جراثیم کے نام پر چھڑوا دی گئیں اور اس کی جگہ جنک فوڈ (Junk Food) اس کی جگہ فلاں ایسی چیزیں جن میں مسلمان نوجوانوں کی طاقت کے لیے ان کے بدن میں کوئی چیز جزوِ بدن نہیں بنتی۔ معاشرت ختم ہوتی ہوتی اب کوئی بھی چیز مسلمانوں کی اقدار میں مسلمانوں کے پاس محفوظ نہیں الّا قلیل۔ اب یہ وقت آ گیا ہے کہ خلافت و ریاست، معیشت و معاشرت کے بعد اب کفر حملہ کر رہا ہے تیسری چیز پر جو ایک ہی چیز مسلمانوں کے پاس باقی ہے؛ وہ عبادت وہ عقائد وہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت جس کی وجہ سے سارے مسلمان چل رہے تھے، جی رہے تھے کسی بات سے اس کے دل پر کوئی چوٹ لگ جاتی تھی اس کی زندگی سنور جاتی تھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نام پر، اس کے عقائد ٹھیک تھے، اس کی سنت ختم ہو کے اس کی جگہ بدعت آ گئی اور رسولِ اقدس ﷺ کی محبت کو ختم کیا جا رہا ہے، یہ کافر اپنا آخری وار کر رہا ہے۔ تو قبل اس سے کہ ہم سے یہ آخری چیز بھی چھن جائے ہمیں ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان اتفاق و اتحاد کے ساتھ اسی اپنی عظمت رفتہ کو بحال کرنے کے لیے دجالیت کا سامنا کرنے کے لیے اس کا توڑ کرنے کے لیے رسولِ اقدس ﷺ کی زندگی کو آپ کی سیرت کو اپنانا ہو گا، مسلمان اجتماعی قوت بنیں گے تو مسلمانوں کی عبادت، معاشرت، معیشت اور ریاست و خلافت جو ہے وہ باقی رہے گی ورنہ مسلمان جو آج نام کا مسلمان ہے اس کا نام بھی ختم ہو جائے گا۔ یہ دجالیت ہے کہ دجال کے آنے سے پہلے اتنا راستہ صاف کر دو کہ دجال کو اتنی محنت کی ضرورت نہ پڑے۔ جہاں سے گزر تا جائے لوگوں کے ایمان کے سودے کرتا جائے۔ رسولِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: دجال جس جگہ سے گزرے گا فتنہ پھیلاتا جائے گا اور دجال کے حامیوں میں سے اسلام میں سب سے بڑی تعداد عورتوں کی ہے۔ رسولِ اقدس ﷺ نے فرمایا: جو مومن ہو گا، جو مسلمان ہو گا وہ اپنے گھر کی عورتوں کو اپنی بچیوں کو، اپنی بہنوں کو، اپنی پھپھیوں کو اور اپنے گھر کی خواتین کو باندھ کے رکھے گا اس ڈر سے کہ یہ دجال کی صفوں میں شامل نہ ہو جائیں کمزور ایمان ہونے کی وجہ سے، ظاہر پر یقین رکھنے کی وجہ سے، فائدے والی چیز جلدی قبول کرنے کی وجہ سے، ناقص العقل ہونے کی وجہ سے، فتنے کا جلد شکار ہو جانے کی وجہ سے اور رسولِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دجال دنیا میں چالیس دن رہے گا، اس سے زیادہ نہیں۔ لیکن پوری دنیا کے نظام کو اس نے تبدیل کرنا ہے؛ اس میں اس کا جو پہلا دن ہے وہ ایک سال کے برابر، دوسرا ایک مہینے کے برابر اور تیسرا ایک ہفتے کے برابر اور باقی دن تمام دوسرے دنوں کی طرح ہیں۔ ایک صحابی حضرت نواس ابنِ سمعانؓ کھڑے ہوئے اور کہا: اللہ کے رسول! آپ نے جو کہا ہے کہ دجال کا پہلا دن ایک سال کے برابر ہو گا تو کیا اس کا فتنہ زیادہ ہو گا کہ وہ ہمیں ایک سال کے برابر لگے گا یا سورج کا نظام رُک جائے گا اور ایک دن ہی اتنا طویل ہو جائے گا؟ تو رسولِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں! وقت اپنی جگہ رُک جائے گا اور ایک سال کے برابر ہی وقت گزرے گا۔ عرض کیا: تو یا رسول اللہ ہم نمازیں کیسے ادا کریں گے؟ تو رسولِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا، صحیح مسلم کی حدیث ہے، وقت کے اندازے سے نماز پڑھتے رہنا کہ تم اتنی دیر بعد ظہر پڑھتے تھے، ظہر کے اتنی دیر بعد عصر پڑھتے تھے، کیونکہ سورج کے طلوع و غروب کا نظام روک دیا جائے گا تو اس ایک دن میں اتنی ہی نمازیں آئیں گی جتنی کہ ایک سال میں آتی ہیں، پھر ایک مہینے میں اور پھر ایک ہفتے میں۔

تو دجال کے ضمن میں بہت اختصار کے ساتھ دجال سے زیادہ، دجالیت سے بچنے کی ضرورت ہے کہ ہم اپنے آپ کو، اپنی فیملی، کو اپنے دوستوں کو اپنے احباب کو دجالیت کے فتنے سے آگاہ کریں اس فتنے سے ہم نے بچنا ہے جو اس سے پہلے اس کی راہ ہموار کر رہا ہے۔

دجال ظاہر کہاں سے ہو گا؟ اگر وہ کسی جزیرے میں ہے اور زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے اور اللہ کی نگرانی میں ہے فرشتے اس پر پہرہ دے رہے ہیں تو رسولِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دجال ایران کے صوبہ اصفہان کی بستی یہودیا سے ظاہر ہو گا اور وہاں سے وہ اعلان کرے گا قسطنطنیہ کی فتح کے بعد کہ میں دنیا میں ظاہر ہو گیا ہوں۔ ستّر ہزار یہودی اس کے ساتھ ہوں گے۔ اصفہان جو ہے یہ ایران کا ایک بڑا صوبہ ہے اور اس میں بڑی تعداد میں یہودی موجود ہیں تو چونکہ دجال نے وہاں سے نکلنا ہے، بڑا مرکز ہے یہودیوں کا، بڑا عبادت خانہ ہے اور ان کے اس عبادت خانے پر ایران کا پرچم نہیں لگتا، یہود کا پرچم لگتا ہے اور اس میں مکمل آزادی کے ساتھ یہودی پورے پروٹوکول کے ساتھ رہ رہے ہیں، جہاں سے دجال نے خروج کرنا ہے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

مجھے کیوں قتل کیا گیا؟

شہید شیخ ابو ہریرہ قاسم الریمی رحمۃ اللہ علیہ

القاعدہ جزیرۃ العرب کے شہید امیر، شیخ ابو ہریرہ قاسم الریمی رحمۃ اللہ علیہ کا شہادت سے قبل ایک محفل میں ایمانی احساسات کا بیان

وہ کہتے ہیں: تم پر بمباریاں ہوتی ہیں!

اللہ اکبر! یقیناً مجھ پر بمباری ہوتی ہے۔ مجھ پر بمباری ہوتی ہے اور میں اللہ کی وعدہ کردہ دو بھلائیوں میں سے ایک کا حق دار بن جاتا ہوں! کیا تم مجھے اس بات پر عار دلاتے ہو کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی راہ میں شہادت کی موت سے نواز رہے ہیں؟ شہادت جو اللہ تعالیٰ اپنے چنیدہ لوگوں کو ہی عطا کرتے ہیں۔

وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ ......اور تا کہ اللہ تم میں سے کچھ لوگوں کو شہید قرار دے!

اللہ کی راہ میں شہادت کب سے عیب کی بات ہو گئی؟ یہ شہادت کب سے نقص کہلانے لگی؟ یہ شہادت کب سے ایسا شبہہ بن گئی کہ جس کا جواب دیا جائے؟

اللہ کے راستے میں شہادت تو عزت و فخر کی بات ہے۔ کیا یہ عیب ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں؟ کیا یہ عیب ہے کہ ہم اپنے دشمن کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیکتے؟ کیا یہ عیب ہے کہ ہم اپنے اصولوں پر پہاڑوں کی طرح، بلکہ اللہ کی قسم! پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوطی کے ساتھ جمے ہوئے ہیں......؟!

اللہ کے راستے میں موت تو فخر ہے، یہ تو اعزاز کی بات ہے۔ یہ تو وہ قرینہ ہے جس کے ذریعے مسلمان کو عزت بخشی جاتی ہے۔ ہم میں سے غزوۂ احد میں کتنے قتل ہوئے؟ یمامہ و یرموک میں کتنے قتل ہوئے؟

احد میں ستّر (۷۰) شہید ہوئے، یمامہ میں بارہ سو (۱۲۰۰) جن میں سے پانچ سو (۵۰۰) حفّاظِ قرآن تھے، یرموک میں تین ہزار (۳۰۰۰)، قادسیہ میں ساڑھے آٹھ ہزار (۸۵۰۰)، جی ہاں! قادسیہ میں صرف چار دن میں ساڑھے آٹھ ہزار شہید ہوئے۔ بلاط میں دسیوں ہزار، واقعۂ جسر میں چھ ہزار (۶۰۰۰) اور جب مسلمان واپس پلٹے تو دیکھا کہ پل توڑا جا چکا ہے تو اس کی مرمت کی جس دوران چار ہزار (۴۰۰۰) کے قریب مزید زخمی و شہید ہوئے اور پھر واپس پلٹ سکے۔

کتنے ہی مسلمان تاریخ میں قتل ہوئے، کیا انہوں نے کبھی اس لیے جہاد چھوڑا کہ ہم قتل ہو گئے؟ نہیں! بلکہ معاملہ اس کے الٹ رہا، اس سے جہاد اور زندہ ہوا۔ جہاد تو اس سے اور زیادہ مضبوط ہوا، شہدا کی شہادتیں مسلمانوں کو مزید جہاد کے لیے بیدار کرتی رہیں۔

ہم ایسی امت ہیں جس کے بارے میں ہمارے پہلے قائد نے فرمایا تھا: ''ہم ایسی امت ہیں جن کی موت اکثر قتل ہی سے واقع ہوتی ہے۔''

ہم نے اس دنیا کی حرص نہیں کی بلکہ ہم ان سچے و اعلیٰ کلمات کے ذریعے فخر کرتے ہیں اور اپنے حوصلے بلند کرتے ہیں کہ:

''اللہ ہمارا مقصود ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے رہنما ہیں، قرآن ہمارا دستور ہے، اور اللہ کے راستے میں موت ہماری سب سے بڑی تمنا ہے!''

ہم تو ہر کسی سے یہی سنتے تھے کہ اللہ کی راہ میں شہادت ہماری سب سے بڑی تمنا ہے، تو پھر آج کیوں اللہ کے راستے میں موت کو عیب و خسارہ گردانا جانے لگا؟ ہم نے تو یہ سیکھا تھا کہ:

في سبيل الله قمنا
نبتغي رفع اللواء

ہم اللہ کے راستے میں نکلے ہیں اور اسلام کے جھنڈے کو بلند کرنا چاہتے ہیں!

لا لحزب قد عملنا
نحن لدين فداء

ہم کسی گروہ کی خاطر نہیں لڑتے، بلکہ ہم تو دین پہ فدا ہونے والے ہیں!

فليعد للدين عزه
او ترق منا الدماء

ہم فی اللہ لڑتے رہیں گے، یہاں تک کہ دین کی عزت واپس لوٹ آئے یا اس راہ میں ہمارا خون بہہ جائے اور ہم شہید ہو جائیں!

یا تو اسلام کی عزت، مرتبہ و بلندی اور اس کی حکومت پھر سے لوٹ آئے یا اسی کوشش میں ہمارا خون اللہ کی راہ میں بہہ جائے اور ہم شہادت کا مرتبہ پا جائیں۔

آج شہادت کو کیوں عیب سمجھا جانے لگا ہے؟ کیوں اس کو خسارہ و نقصان گردانا جانے لگا ہے؟ یہ عیب جاننا اس لیے ہو گیا ہے کہ ہمارے اندر تنظیمی تعصبات کی گندگی در آئی ہے اور اس نے ہمارے ذہنوں کو خراب کر دیا ہے۔ آج آپ کے پاس کسی تنظیم کا خادم آتا ہے اور وہ تنظیم کا ہی خادم ہے اسلام کا نہیں! یہ اس لیے آتا ہے تا کہ آپ کو آپ کی سب سے بڑی تمنا کے بارے میں عار دلائے۔ تمہیں دو بھلائیوں (یعنی شہادت یا فتح) میں سے ایک کی عار دلائے، اس شرف کے بارے میں عار دلائے جو اللہ آپ کو عطا کرتا ہے۔

میں یہود و نصاریٰ سے اس لیے لڑتا ہوں کیونکہ میرا ان سے اختلاف ہے اور اختلاف میرا ان سے ان کے دین کے سبب ہے۔ یہ اختلاف میری امت کی وجہ سے ہے۔ میں تو اسی کے سبب قتل کیا جاتا ہوں۔ میں تو اللہ کی قسم ان کے مال میں شریک نہیں ہوا اور نہ ہی ان کی کسی چیز میں شریک ہوا۔ (باقی صفحہ نمبر 20 پر)

مولانا عبد الرشید غازی شہیدؒ کا علمائے کرام کی مجلس میں خطاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بہت سی میٹنگز (meetings)ہوتی رہیں اسلام آباد میں علمائے کرام کی، لیکن حالات کچھ ایسے بن گئے تھے کہ جن کی وجہ سے باقاعدہ نشست کی کوئی ترتیب نہیں بن سکی، اب الحمد للہ پہلے سے حالات کچھ بہتر ہیں، اس لیے خیال ہوا کہ علمائے کرام کی ایک نشست کرلی جائے۔ چونکہ باتیں بہت ساری گردش کررہی ہیں اور ان باتوں میں بہت عجیب عجیب باتیں بھی ہیں اور ایسی کہ جن کا حقیقت سے دور دور تک واسطہ نہیں ہے، اس لیے اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی۔ اگرچہ فرداً فرداً تو بہت سارے حضرات سے بات ہوتی رہی، لیکن باقاعدہ کوئی نشست نہیں ہو سکی۔

یہ جو مساجد کا مسئلہ ہے، یہ کافی عرصے سے چل رہا ہے اور مساجد کے بارے میں ہماری جو میٹنگز ہیں، جب جب مسجدیں گرتی گئیں ہماری میٹنگز ہوتی رہیں، اخبارات میں آتا رہا، اس میں بہت سارے اتار چڑھاؤ بھی آئے اور کئی جگہوں پر ایسے واقعات بھی ہوئے کہ جہاں شدید ٹینشن کی بات ہوگئی تھی، مثلاً مسجد الصُفّہ آئی ایٹ تھری (I-8/3) کا جو مسئلہ ہوا تو مجھے یاد ہے کہ وہاں مسجد کو جب گرا رہے تھے انفورسمنٹ (قانون نافذ کرنے) والے تو مجھے ٹیلی فون آیا، میں جامعہ فریدیہ میں تھا، اس وقت کوئی چار لڑکے تھے جو گاڑی میں میرے ساتھ بیٹھ سکے، ان کو لے کر وہاں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ انفورسمنٹ کا ایک آدمی ایک بہت بڑا ہتھوڑا لے کے منبرِ رسولؐ کو ہتھوڑے مار رہا ہے۔ وہ کیفیت ایسی تھی کہ، اگرچہ مجھے اس طرح غصہ تو نہیں آتا لیکن اس دن میری کیفیت بھی کچھ تبدیل ہوگئی اور میں نے جاتے ہی، وہاں انفورسمنٹ والے بھی تھے پولیس کے لوگ بھی تھے، میں نے جاتے ہی، جو ہتھوڑا مار رہا تھا منبر پہ، اس کو گریبان سے پکڑ کے کھینچا اور کہا کہ تم یہ کیا کرتے ہو؟ کیا غضب کررہے ہو؟ کیا ظلم کررہے ہو؟ اس نے کہا: جی اوپر والوں کا آرڈر ہے۔ میں نے کوئی اس کو سخت بات کہی۔ وہ سخت بات ایسی تھی جو سب کو (سخت) لگی۔ یعنی میں نے کہا کہ اوپر والے اگر تم کو کسی اور کام کا کہیں، اپنی ماں کے ساتھ برے کا کہیں تو تم وہ کروگے؟ تو یہ بات ان سب حضرات کو بری لگی جو وہاں کھڑے تھے۔ بات بھی سخت تھی لیکن میری چونکہ کیفیت ایسی تھی کہ یہ بات میرے منہ سے نکلی۔

بہر حال وہاں انفورسمنٹ اور پولیس والے آئے؛ میرے پاس اس وقت گن (بندوق) تھی اپنی تو میں نے ان سے کہا کہ میرے سامنے سے، میری نظروں سے دور ہو جائیں ورنہ آج یہاں خون ہو جائے گا۔ بہت سخت غصے کی کیفیت تھی۔ انہوں نے بھی اندازہ کرلیا اور کہا کہ غازی صاحب! آپ تو اس طرح بات نہیں کرتے ہیں، آج کیا ہوگیا ہے آپ کو؟ البتہ میرے غصے سے یہ ہوا کہ سارے انفورسمنٹ والے وہاں سے چلے گئے اور پولیس والوں سے میں نے کہا کہ میری نظروں سے دور ہو جائیں ورنہ یہاں خون ہو جائے گا۔ اگرچہ میرے ساتھ چار لڑکے تھے مگر میرا بس یہ تھا کہ پھر میں گولی چلا دوں گا؛ ایک منبر پہ اور محراب پہ ہتھوڑا چلتے ہوئے میں نہیں دیکھ سکتا۔ بہر حال انہیں یہ بات سمجھ آئی اور انہوں نے فورس بھی پیچھے ہٹالی اور وہ وہاں سے چلے گئے۔ اس دن تو وہ مسجد بچ گئی لیکن بعد میں ایک دن اچانک انہوں نے وہ مسجد گرادی۔ اسی طرح مسجد ابن عباسؓ کو گرایا گیا، میرا خیال ہے کوئی آج سے چار مہینے پہلے، اور اس مسجد کے اندر قرآن مجید ابھی بھی دفن ہیں۔ بہت سارے نکالے ہیں۔ دو تین حضرات ہمارے علمائے کرام گواہ ہیں کہ نالے میں سے قرآن مجید نکالے ہیں۔ اور انہی دنوں میں میری اس سلسلے میں بات ہوئی تھی ڈپٹی کمشنر سے، ٹیلی فون پہ میری بات ہو رہی تھی تو میں نے انہیں یاد دلایا کہ آپ کو یاد ہے کہ آپ نے یہ کام بھی کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ جی مجھے یاد ہے لیکن ہمیں جلدی تھی، قرآن مجید نکالنے کی (فرصت) ہمیں نہیں تھی کہ ہمیں فوراً کارروائی کرنی ہے ورنہ لوگ پہنچ جائیں گے۔ تو انہوں نے مجھے کہا کہ ہمیں اللہ معاف کرے گا، تو میں نے کہا کہ اللہ نہیں معاف کرے گا، اللہ کیوں معاف کرے گا؟ آپ قرآن مجید کے ساتھ یہ سلوک کریں، مسجد کے ساتھ یہ سلوک کریں اور اللہ تعالیٰ آپ کو معاف کرے گا! اللہ قطعاً معاف نہیں کرے گا۔

اور یہی ہوا کہ ٹینشن بڑھتی جارہی تھی۔ یہ جو مسجدیں گرتی گئیں، مسجد امیر حمزہؓ...... اگرچہ بہت چھوٹی سی ہے، ایک کمرے کی مسجد تھی، بہر حال بڑی بڑی مسجدیں گریں، زیادتیاں بہت زیادہ ہوئیں، لیکن مسجد امیر حمزہؓ کے بعد طالبات نے ایک قدم اٹھایا، اس کے بعد ٹینشن کی ایک فضا بن گئی۔

اس کے اندر ابتدائی جو بات ہے وہ یہ کہ شروع سے ہی اس میں حکومت نے جو رویہ اختیار کیا وہ ایسا رویہ تھا کہ بس تہس نہس کر دیں گے۔ آپ لوگوں کو تہس نہس کر دیں گے۔ اور شروع سے ہی جب انہوں نے یہ رویہ رکھا تو ابتدا میں انہوں نے ہمارے یہاں کے کچھ حضرات پہ دباؤ ڈالا کے اور ہمارے حضرات نے اپنی طرف سے اچھی ہی (نیت) سے کیا ہوگا، ان کی اس (خیر خواہی) پر ہمیں کچھ شک نہیں ہے، لیکن بہر حال ایک ایسا دباؤ ڈالا گیا کہ اس دباؤ کا جو اثر تھا وہ بار بار مولانا عبد العزیز صاحب پر دباؤ ڈالتے رہے۔ یعنی جو بھی حضرات کی طرف سے کوئی بات آئی تو وہ یہی آئی کہ لائبریری چھوڑ دیں۔ یعنی مسلسل ایک تسلسل کے ساتھ لائبریری لائبریری لائبریری کو تو کہا جاتا رہا، اس میں حکومت کے حضرات تھے، کچھ اس میں اپنے بھی شامل ہوگئے، تھوڑے سے کچھ حضرات، لیکن لائبریری کے اوپر تو زور تھا کہ لائبریری چھوڑ دی جائے جب کہ مساجد کا ذکر ہی نہیں آرہا تھا۔ اور یہ بات میں نے کئی دفعہ کہی۔ ابھی چند دن

پہلے بھی کچھ حضرات آئے تھے میں نے ان سے کہا کہ لائبریری مقدس نہیں ہے، لائبریری کا کوئی تقدس نہیں ہے، مساجد جو ہیں وہ مقدس ہیں، ان کے آداب ہیں احکام ہیں، اس لیے بار بار لائبریری کی بات تو کی جارہی ہے اور مساجد کی بات ہی نہیں کی جارہی، یہ بات اس وجہ سے خراب ہورہی ہے اور مسلسل یہ کہا جارہا ہے کہ ختم کردیں گے، تباہ و برباد کردیں گے۔ یہ سمجھیں کہ بالکل ایسی صورت تھی کہ بش نے مشرف سے کہا کہ تمہیں سٹون ایج (stone age) میں لے جائیں گے، پتھر کے دور میں دھکیل دیے جاؤ گے، ختم کردیے جاؤ گے تو مشرف نے یوٹرن لے لیا ایک دم۔ ہم سب نے کہا کہ اس کا یوٹرن غلط ہے۔ یعنی طاقت کے سامنے جھکنا غلط ہے۔ اگر اُس کا طاقت کے سامنے جھکنا غلط تھا تو ہمارا طاقت کے سامنے جھکنا کیوں صحیح ہوجائے گا؟ یہ بڑی بنیادی بات ہے۔ بہر حال اس کے اندر ایسی چیزیں ہوئیں کہ، یعنی پریشر آیا، مثلاً مولانا کو، کوئی دوسرا دن تھا، ٹیلی فون آیا، اپنے کچھ ساتھی ڈی سی کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ "مولانا! ان کی فورسز تیار ہیں، بیس منٹ کے اندر فورسز آرہی ہیں، آپ خالی کرتے ہیں یا نہیں کرتے، آپ ایک بات بتادیں! یہ ہم سے پوچھ رہے ہیں کہ یہ خالی کرتے ہیں یا نہیں کرتے"۔ تو مولانا نے کہا کہ ٹھیک ہے، نہیں کرتے ہیں، آجائیں پھر۔ اگر ایسی بات ہے تو آجائیے۔ لیکن یقیناً انہوں نے نہیں آنا تھا کہ یہ کوئی آسان بات تو نہیں تھی ایسی کہ فورسز آجائیں گی، کوئی مذاق تو نہیں ہے کہ فورسز آجائیں گی۔

بہر حال اس کے بعد ایک تسلسل کے ساتھ دباؤ بڑھتا گیا۔ اس دباؤ کے دوران بہت سارے لوگ آتے رہے۔ اعجاز الحق صاحب بھی تشریف لائے۔ اعجاز الحق صاحب جب پہلے دن آئے تو میں نے ان سے یہی بات کہی کہ دو بنیادی باتیں ہیں: ایک تو یہ کہ الزام نہیں لگانا؛ الزامات کی بات نہیں ہوگی اور دوسری بات یہ کہ دھمکی نہیں ہوگی۔ اگر یہ بات آپ کو قبول ہے تو ہم آگے چلتے ہیں، اگر یہ قبول نہیں ہے تو ہم آگے نہیں چل سکتے۔ دھمکی سے بات نہیں ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ یہ بہت مناسب بات ہے۔ پھر چلتے چلتے جب دیکھا کہ کچھ چیز نہیں ہورہی تو انہوں نے مجھ سے پھر یہ کہا کہ "اگر میں یہاں سے چلا جاؤں گا، بات ختم ہوجائے گی تو پھر ٹرپل ون بریگیڈ آجائے گی"۔ میں نے ان سے کہا کہ "کیا اس سے پہلے بھی اس قسم کے مسائل ٹرپل ون بریگیڈ نے حل کیے ہیں جو اَب کریں گے؟ کیا پہلے جو یونیورسٹیز کے سٹوڈنٹس نے پتا نہیں کیا کچھ کیا، انہوں نے عمارتیں جلادیں، بسیں جلادیں اور امریکن ایمبیسی جلادی تھی، جس کے حکومت نے اکیس (۲۱) کروڑ روپے دیے تھے، اس وقت تو ٹرپل ون بریگیڈ نہیں آئی! تو کیا یہاں کوئی خاص قسم کے سٹوڈنٹس ہیں جن کے ساتھ کوئی معاملہ ہے؟" انہوں نے کہا کہ بہر حال میں تو آپ سے ایک بات کہہ رہا ہوں، جب میرے ہاتھ سے نکل جائے گی تو پھر انہی کے ہاتھ میں ہوگی، پھر وہ جس طریقے سے کریں۔ مقصد یہ ہے کہ ان کی طرف سے بھی پھر وہی فورس کی بات ہوئی۔ اب اس کے اندر ایک چیز جو ہوئی، یعنی میں اپنا جو تجزیہ کرتا ہوں، میں ایک چیز بالکل واضح کردوں کہ اس میں قطعاً، اس سے ممکن ہے کہ اس سے بعض حضرات تاثر لیں کہ میں کسی بزرگ کے بارے میں کوئی ایسی بات کہنا چاہتا ہوں کہ ہمیں ان پہ کوئی شک ہے یا ان پہ کوئی الزام ہے، ایسی بات نہیں ہے؛ آپ حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ بہت ساری میٹنگز ہوتی رہیں اور بہت ساری میٹنگز میں بہت کچھ کہا جاتا رہا، یعنی مولانا کے بارے میں بھی میرے بارے میں بھی، لیکن ہم خاموشی سے سنتے رہے ہیں اور ابھی بھی سن رہے ہیں اور ہم آگے بھی سنیں گے، ہم سے کسی نے بات کی تو ہم نے کہا کہ ٹھیک ہے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، کیونکہ ہر ایک نے اپنا اپنا جواب دینا ہے؛ اصل حساب تو آگے ہوگا نا، یہاں تو کوئی حساب نہیں ہے، آگے حساب ہوگا۔ تو ایک چیز جو اس میں غلط ہوئی جو میں سمجھتا ہوں تجزیہ کرتے ہوئے کہ یہاں ہمارے کچھ حضرات نے اس مسئلے کو اتنا زیادہ ایشو بنایا، حکومت نے تو بنایا ہی، انہوں نے تو بنانا ہی تھا، ان سے اور کیا توقع کی جاسکتی ہے، لیکن ہمارے کچھ حضرات نے ایسا ایشو بنایا کہ اس مسئلے کو وفاق تک لے گئے، وفاق سے پھر آگے بزرگوں تک لے گئے، اس کے بعد بزرگوں کو یہاں تک لے آئے، پہلی مرتبہ جب تشریف لائے تھے۔

اس کے اندر جو میں سمجھتا ہوں، جو ٹیکنیکل غلطی ہوئی وہ یہ ہوئی کہ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ آپ کا کوئی مسئلہ ہو اور میں آپ کے پاس آؤں کسی ایشو پہ اور میں آپ سے کہوں کہ آپ مجھے ثالث مان لیں اور آپ مجھے جواب دے دیں کہ میں آپ کو ثالث نہیں مانتا تو شرعاً اخلاقاً قانوناً مجھے یہ حق نہیں ہے کہ میں اس پہ ناراض بھی ہوں، مجھے ناراض نہیں ہونا چاہیے۔ آپ نہیں مان رہے، آپ کی مرضی ہے۔ لیکن یہاں ایسا ہوا کہ مولانا کے پاس آئے، کافی بحث کے بعد مولانا نے کہا کہ اس مسئلے میں مجھے چھوڑ دیجیے، آپ دعا کیجیے، اللہ تعالیٰ ان شاءاللہ بہتر کریں گے۔ غلطی یہ ہوئی کہ یہاں سے جب حضرات گئے، وہاں جاکر شیر پاؤ کے پاس ایک معاہدہ کرلیا۔ میرے خیال میں ٹیکنیکلی یہ معاہدہ ٹھیک نہیں تھا، اس لیے کہ انہوں نے کہا تھا کہ آپ ہمارے اوپر چھوڑ دیں اور مولانا نے کہا تھا کہ میں نہیں چھوڑتا، اب اس بحث میں میں نہیں پڑتا کہ یہ مولانا نے ٹھیک کیا کہ غلط کیا، لیکن مولانا نے یہ کہا کہ میں آپ کے اوپر نہیں چھوڑتا ہوں، تو ان کو چاہیے تھا کہ وہ وہاں جاکر یہی بات کہتے کہ اس مسئلے کو ابھی کررہے ہیں، ابھی دیکھتے ہیں۔ لیکن وہاں جاکر ایک معاہدہ ہوگیا۔ یہاں سے بات خراب ہونا شروع ہوئی۔ یہ میں صرف تجزیے کے لیے بیان کررہا ہوں۔ یہاں سے بات تھوڑی سی خراب ہوگئی کہ وہاں جاکے معاہدہ کرلیا گیا، وہ معاہدہ ٹیکنیکلی ٹھیک نہیں تھا۔ یعنی جب شرعاً اخلاقاً قانوناً کسی نے تسلیم ہی نہیں کیا، اور اس معاہدے میں ایک اور چیز آگئی، وہ یہ ہوگئی کہ جیسے میں نے عرض کیا کہ لائبریری۔ یعنی لائبریری کی بات تو پھر کی گئی، اس کے جائز ناجائز کی بات کی گئی لیکن باقی چیزوں کو چھوڑ دیا گیا۔ اتنی مساجد جو تھیں گری ہوئی، وہ ابھی تک گری ہوئی ہیں، ان کی بات نہیں آئی کہ ان کا کیا ہے۔ کم از کم اتنا ہوجاتا کہ وہ تعمیر کردیں، اس کے بعد لائبریری خالی کردی جائے۔ (یہ کہہ دیتے کہ) ہم سمجھتے ہیں کہ یہ طریقۂ کار غلط ہے اور اس دوران تمام مساجد تعمیر کردی جائیں اور پھر یہ لائبریری دے دی جائے، ہم اس کو یوں سمجھتے ہیں۔ ایسی بات کرلیتے لیکن معاہدہ نہیں کرنا چاہیے تھا میرے خیال میں۔ آپ حضرات زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ اس کے بعد پھر اس مسئلے کو اور زیادہ اچھالا گیا، یعنی اتنی زیادہ اس میں چیزیں کی گئیں مولانا عبدالعزیز صاحب کے بارے

میں کہ مولانا عبدالعزیز صاحب نے امام مہدی کی بات کی ہے کہ میں امام مہدی ہوں اور اس کے علاوہ پتا نہیں کیا کیا چیزیں......اور بڑی حیرت ہوتی رہی کہ یہ کوئی دوسرے کی زبان سے سنے تو شاید میرا خیال ہے کہ بات سمجھ میں آنے والی ہے لیکن اپنوں کی طرف سے سن کے، چند ایک کی طرف سے سن کے بڑا عجیب لگتا ہے اور افسوس ہوتا ہے، اس پہ افسوس ہی کیا جاتا ہے، تو یہاں سے مسئلہ پھر اور یقیناً خراب ہی ہوتا گیا۔ مولانا عبدالعزیز صاحب نے بھی یقیناً اس کو محسوس کیا کہ میرے بارے میں کس طرح کی چیزیں کی جا رہی ہیں۔ پھر اس کے بعد ایک عجیب بات اور بھی سننے میں آئی۔ ابھی پشاور کے چند علما آئے تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ جی اسلام آباد کے حضرات ہمارے وہاں آئے تھے اور انہوں نے یہ کہا کہ مولانا عبدالعزیز صاحب امریکی سی آئی اے کے لیے کام کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے میں آپ کو ایک چیز اور بتا دوں کہ میرے پاس جو انٹیلی جنس کے لوگ آتے رہے، بڑے حضرات کہ جی آپ اس میں کچھ کریں، کچھ کردار ادا کریں، انہوں نے مجھے یہ کہا کہ ہمیں اس بات پہ بالکل پوری طرح یقین ہے کہ مولانا عبدالعزیز صاحب جو ہیں انہیں القاعدہ نے گرین سگنل دے دیا ہے کہ آپ پاکستان میں کام شروع کریں، ورنہ ایسے کیسے ممکن ہے کہ اتنے بہت سے علما بھی کہہ رہے ہیں، سب کہہ رہے ہیں کہ یہ کام نہیں کرو اور مولانا عبدالعزیز صاحب پھر بھی اڑے ہوئے ہیں؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس حکومت کو گرانے کے لیے، مشرف کو گرانے کے لیے، چونکہ امریکہ اب اس کو چھوڑنا چاہتا ہے مشرف کو تو ایجنسیوں کی طرف سے یہ آیا کہ القاعدہ جو ہے وہ اس کو کر رہا ہے، تو علما کی طرف سے آیا کہ سی آئی اے کر رہا ہے، میں نے دونوں حضرات سے اس پر کوئی کمنٹس تو نہیں دیے لیکن جو فرداً فرداً آتے رہے میں نے کہا جی دونوں حضرات ایک بات بھول رہے ہیں، ان کے خیال میں طاقت جو ہے وہ یا القاعدہ کے پاس ہے یا سی آئی اے کے پاس؛ یعنی کسی کی بیک /back(پشت) پر اگر القاعدہ ہو تو وہ کھڑا ہو سکتا ہے تن تنہا یا سی آئی اے ہو، ان دونوں میں سے کوئی ہو تو؛ تو ایک چیز بھول رہے ہیں کہ ایمان کی طاقت پہ بھی تو کوئی کھڑا ہو سکتا ہے! کوئی دیوانہ کھڑا ہو گیا، ایمان کی طاقت سے کھڑا ہو گیا! یہ دونوں طرف بات اس طرح چلتی رہی۔ بہر حال اس کے بعد جو ہے وہ بزرگ حضرات دوبارہ تشریف لائے۔ اعجاز الحق صاحب نے سفر کیا۔ اعجاز الحق صاحب جب یہاں سے چلے گئے، اس کے بعد وہ وہاں تشریف لے گئے، کراچی، کراچی میں میں نے ان سے درخواست کی کہ اعجاز الحق صاحب آپ چند دن کے لیے ٹھہر جائیں، یہاں یہ حالات ایسے بن جائیں تا کہ پھر آپ علما کو لے کر آئیں تا کہ بات کسی اچھی طرف چلی جائے۔ لیکن انہوں نے کہا کہ نہیں میں نے ٹکٹ لے لیے ہیں۔ میں نے کہا کہ ٹکٹ واپس ہو سکتے ہیں، آپ ٹکٹ واپس کر لیں، جیسے ابھی لے لیے ہیں اور آپ نے صبح آنا ہے، اس وقت میری بات ہو رہی ہے اور انہوں نے صبح آنا ہے، میں نے کہا کہ آپ ابھی نہ آئیں تا کہ اس مسئلے کو تھوڑا سا ٹھنڈا کر کے اطمینان سے بیٹھنے کے بعد ہم کریں، لیکن اعجاز الحق صاحب نے میری یہ بات نہیں مانی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر بزرگ حضرات تشریف لائے اور پھر جب گئے تو انہوں نے ایک کمیٹی کا اعلان کر دیا۔ اب وہ کمیٹی نے ابھی تک تو کچھ نہیں کیا۔ اس کی وجہ ہمیں نہیں معلوم کہ کیا ہے، لیکن اتنی بات ہے کہ اس کمیٹی کی ایک میٹنگ ہو گئی ہے اور دوسری میٹنگ ایک ہفتے بعد رکھی گئی ہے۔ میں نے اس پر ڈی سی صاحب سے کہا اور جو حضرات آئے میں نے کہا کہ اس کی میٹنگ روزانہ کی بنیاد پر ہونی چاہیے، یہ ایمرجنسی مسئلہ ہے۔ مساجد گری ہوئی ہیں، مساجد جب تک تعمیر نہیں ہوتیں یہ مسئلہ حل نہیں ہو گا اس لیے اگر آپ نے جو کمیٹی بنا دی ہے اس کی روزانہ کی بنیاد پر میٹنگ کریں، یہ تو کوئی مذاق نہیں ہے کہ آپ نے ایک میٹنگ کر لی اور دوسری میٹنگ ایک ہفتے بعد رکھی ہے۔ لیکن اس کی میٹنگ میرے علم کے مطابق ابھی تک نہیں ہوئی۔ اسی طرح مسجد امیر حمزہؓ جو ہے اس کا صرف سنگ بنیاد ہی ابھی تک رکھا ہے اور اس کے بعد اس پر کچھ نہیں ہوا۔ کہہ رہے ہیں کہ آرکیٹیکٹ اس کا ڈیزائن کرے گا۔ ایک چھوٹے سے کمرے کی مسجد ہے یعنی کوئی ایسی مسجد نہیں ہے جس کے اندر بڑی کوئی تعمیر اور ایسی کوئی چیز انوالو/involve(دخیل) ہے اس میں، ایک چھوٹے سے کمرے جتنی مسجد ہے، اس کی تعمیر کرنی ہے، اس کے لیے سی ڈی اے کے اندر پورا آرکیٹیکٹ کا ڈیپارٹمنٹ موجود ہے، وہ اگر چاہیں تو چند گھنٹوں کے اندر ایک چھوٹی سی مسجد کا ڈیزائن بن سکتا ہے، بلکہ ان کے پاس ڈیزائن بنے ہوئے ہوں گے، ان کے پاس آل ریڈی (پہلے سے) بنے ہوئے ہوں گے اور وہ چاہتے تو یہ کر سکتے تھے۔ لیکن چونکہ وہ کرنا نہیں چاہتے اس لیے اس میں وہ لیت و لعل سے کام لے رہے ہیں۔

اس کے اندر ایک اور جو اہم بات وہ یہ کہ مولانا عبدالعزیز صاحب کا جو ایک موقف رہا اسلامی نظام کے حوالے سے؛ پہلی بات تو یہ کہ مولانا عبدالعزیز صاحب کوئی نئی بات نہیں کر رہے کہ آدمی کہے کہ کوئی بہت نئی چیز آئی ہے، بہت سارے دیگر حضرات بھی یہی بات کر رہے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ لیکن چلیں وہ ایک بات ایک آواز لگا رہے ہیں کہ ایک چیز کے لیے ابھی سفر کر لینا چاہیے، یہ موزوں ٹائم ہے، اس میں اختلافِ رائے ہو سکتا ہے، اس میں کسی کا بھی اختلاف ہو سکتا ہے، لیکن میں ایک چیز، جس پر بار بار زور دیتا رہا، اپنے بزرگوں سے بھی، انتظامیہ کے بھی جو لوگ آتے رہے کہ اللہ کے بندو! آپ کم از کم مساجد کے بارے میں کوئی ٹھوس چیز لے کے آجاؤ، کم از کم یہ سات مساجد تو کسی بھی طرح کھڑی ہونی چاہییں، چاہے لائبریری ہے نہیں ہے، لائبریری کو چھوڑتے ہیں نہیں چھوڑتے ہیں، اس پر تو کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ یہ سات مساجد، اللہ کے گھر، گرے ہوئے ہیں، ابھی بھی اس وقت بھی گرے ہوئے ہیں، ان کا تقدس پامال ہو رہا ہے، کم از کم اگر یہ کر کے لے آؤ تو میں سمجھتا ہوں کہ مسئلہ تقریباً پچاس فیصد سے زیادہ حل ہو جائے گا۔ لیکن بار بار جب بھی بات آئی کہ جی لائبریری کا قبضہ چھوڑ دیں۔ سب حضرات اس ایک ہی بات پہ زور دیتے رہے کہ آپ لائبریری کا قبضہ چھوڑ دیں اور ایک ایسی کیفیت بنائے رکھی کہ بس ختم ہو جائیں گے۔ ہمارے حضرات جتنے بھی ہیں سب نے، اصل میں جو پریشر تھا نا، یہ بالکل جیسے ۲۰۰۴ء میں میرے اوپر جب (الزام) لگا تھا، آپ حضرات کو یاد ہو گا، اس وقت بھی ایک مسئلہ ایسا ہی بنا تھا بہت شدید قسم کا، اس میں بھی اختلافِ رائے آیا تھا، بہت سارے ہمارے حضرات کا خیال تھا، مجھے کہہ رہے تھے کہ آپ

گرفتاری دے دیں، مجھے اس وقت بہت سارے حضرات نے کہا کہ آپ گرفتاری دے دیں باقی ہم جانیں اور کچھ بھی نہیں ہو گا ٹھیک ہو جائے گا یہ مسئلہ۔ میں نے کہا کہ جی میں سمجھتا ہوں کہ گرفتاری نہ دی جائے۔ یہ اختلاف تھا اور میں نے گرفتاری نہیں دی اور الحمدللہ اس کا اثر ہوا۔ ورنہ گرفتاری دے دیتا تو وہ کہتے کہ انہوں نے قبول کر لیا ہے اور ان کے کمپیوٹر سے ساری چیزیں نقشے بھی برآمد ہو گئے ہیں، ان کے لیے کون سا مشکل کام ہے، جھوٹ کا تو ان کے پاس ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے کہ حکومت جھوٹ بولنے میں تو بہت ماہر ہے۔ تو مجھے اس وقت بہت سارے حضرات یہ کہتے رہے کہ آپ گرفتاری دے دیں، میں نے نہیں دی، تو یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پہ کہ ناراضگی کی جائے، نہ اس وقت ناراضگی کرنی چاہیے تھی، لیکن الحمدللہ جب مسئلہ ٹھیک ہو گیا تو سب حضرات نے خوشی کا اظہار کیا کہ الحمدللہ مسئلہ کسی ٹھیک کنارے لگ گیا۔ اب اس کے اندر بھی اگر کوئی اختلافِ رائے ہے، مولانا کے ساتھ، تو اپنے اختلافِ رائے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ اس کے اوپر ایک بات کا بتنگڑ بناتے جائیں اور اس کے اندر چیزیں ایسی ایسی add (جمع) کرتے جائیں کہ جن کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے۔ مولانا کے بارے میں ایسی ایسی باتیں کہ جی اسلحہ آ گیا ہے اور کئی نے یہ کہا کہ یہ اصل میں مولانا صاحب جو ہیں پاکستان کے سارے مدارس کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ ایجنسیوں کے ہاتھ لگ گئے ہیں اور وہ اب تمام مدارس کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ الحمدللہ آپ حضرات اچھی طرح جانتے ہیں، حضرت والد صاحب کی زندگی آپ کے سامنے ہے، ہماری زندگی آپ کے سامنے ہے۔ ایسی بات نہیں ہے کہ مواقع نہیں آئے کہ جب ہم بِک سکتے تھے اور بڑی اچھی قیمت لگ سکتی تھی، بہت کچھ مل سکتا تھا، اتنا کچھ مل سکتا تھا جو کسی کو بھی نہیں مل سکتا، یعنی ایسے مواقع آئے لیکن الحمدللہ، اللہ کے فضل سے ہم سمجھتے ہیں کہ ایک کاز/cause (مقصد) کے لیے کام کر رہے ہیں، حضرت والد صاحب کی شہادت کے بعد آپ کو پتا ہے کہ میں جو ایک دوسری طرف تھا، اسی طرف لگ گیا، اس وقت سے اب تک میری زندگی بھی آپ کے سامنے ہے، مولانا کی زندگی تو تعلیمی دور سے لے کر ساری ہی آپ کے سامنے ہے۔ ایسی بات نہیں ہے کہ بلا وجہ کسی کے بارے میں اس طرح کی رائے اور ایسی چیز دینا اور پھر میٹنگز کے اندر برملا اس چیز کا کہنا، میرا خیال ہے کہ ہمارے شایانِ شان نہیں ہے۔ ہمارے حضرات جو ہیں، ہم مطلب ہے کہ باہر درس گاہ سے نکلیں اور جوتیاں سیدھی ہمیں ملیں...... ہمارا ایک مزاج بن گیا ہے کہ ہم دھکا نہیں کھانا چاہتے، ہم یہ نہیں چاہتے، (کہ) ٹینشن ہو، تو میں کہا کرتا ہوں کہ اگر اس طرح ٹھنڈی ٹھنڈی دین کی خدمت کروانی ہوتی...... تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی ہی خدمت کروالی ہوتی اور صحابہ کرام سے ایسی ٹھنڈی ٹھنڈی خدمت کروالی ہوتی، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور صحابہ کرام کو ایسے مراحل سے گزارا کہ جن کے اندر مشکلات بھی ہیں، جس کے اندر ٹینشن بھی ہے۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹینشن نہیں ہوتی تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو روتے کیوں تھے؟ مسائل کی وجہ سے، حالات کی وجہ سے کہ یہ کیسے ہو گا؟ کیسے ہم کریں گے؟ جہاد کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو خون مبارک بھی بہا، دانت مبارک شہید ہوئے؛ ہم میں سے کتنوں کو ابھی پتھر لگے ہیں؟ ہم پتھر کھانے کو بھی تیار نہیں ہیں۔ ہم تو کہتے ہیں کہ دھکا بھی نہ پڑے۔ کوئی ہمیں اوئے بھی نہ کہے...... ہمیں کوئی اوئے بھی نہ کہے اور ہماری ایک ریسپیکٹ/respect (احترام) ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو مجنوں بھی کہا گیا، کیا کچھ کہا گیا نعوذ باللہ، لیکن ہماری ایک نفسیات بن گئی ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ ہم ایک روٹین میں جو لائف (زندگی) ہے ناں ہماری...... یہ تو ایک عام آدمی کی سوچ ہے، عام دکان دار کی سوچ ہے، ملازمت کرنے والے جو لوگ ہیں، عام آدمی، یہ تو اس کی سوچ ہے کہ میری روٹین ڈسٹرب نہ ہو، میں اپنی روٹین میں رہوں۔ ہمیں تو میرا خیال ہے کہ ہر طرح کے اس (قربانی) کے لیے تیار رہنا چاہیے، ٹینشن کے لیے ہمیں تیار رہنا چاہیے، ساری چیزوں کے لیے ہمیں تیار رہنا چاہیے اور ہمیں اتنی جلدی سرنڈر (surrender) نہیں کر دینا چاہیے۔ یہ میں تھوڑا سا صرف مثال کے لیے عرض کروں گا کہ اس دوران میں کہ یہ بات چل رہی تھی۔ ایک ہفتہ ہوا تھا میرا خیال ہے، ایک ہفتے بعد میری کچھ حضرات کے ساتھ میٹنگ تھی میں نے ان سے کہا کہ آپ جائیں ایک مسوّدہ ان سے لے کر آئیں کہ وہ کیا دے سکتے ہیں ہمیں۔ وہ حضرات گئے، وہاں سے واپس آئے اور میں نے ان سے کہا تھا کہ دستخط نہیں کرنے۔ وہ دستخط کر کے آ گئے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! دستخط کیوں کیے؟ تو انہوں نے کہا کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ چند گھنٹوں کی بات ہے بس۔ اگر آپ ویسے چلے گئے تو یہاں کچھ ہو جائے گا۔ یعنی اتنی ٹینشن دے دی۔ تو میں نے کہا کہ چند گھنٹوں کی بات ہے تو ان سے کہہ دیں کہ کر لیں پھر۔ اس لیے کہ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے، یہ اتنا آسان نہیں ہے اس طریقے سے یہاں پہ کر لینا، دارالحکومت کے اندر اور پھر جو یہاں پہ صورتِ حال بنی وہ آپ حضرات کے سامنے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بڑا کرم کیا، دعائیں ہیں آپ حضرات کی اور ہمارے سب کی یعنی کاوشیں ہیں، اس لیے ہمیں اتنی جلدی بیک (پیچھے) نہیں ہو جانا چاہیے، گھبرانا نہیں چاہیے۔ وقت آتا ہے، اوپر نیچے کبھی چیزیں ہوتی رہتی ہیں، اس میں ہمیں ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور دوسرا یہ کہ اعتماد کرنا چاہیے۔ اتنی جلدی ہم ایجنسیوں کا بنا دیتے ہیں ناں کہ...... اور سچی بات یہ ہے کہ مولوی سب سے پہلے ایجنسی کا بناتے ہیں۔ کسی کے بارے میں کچھ نہیں ہے ناں تو کہتے ہیں کہ وہ ایجنسی کا ہے۔ یہ عجیب بات ہے اللہ کے بندو! یہ کوئی مذاق ہے؟ کوئی کہتا ہے کہ اس کے لیے کام کر رہے ہیں کوئی اس کے لیے، کوئی کہتا ہے کہ جی مشرف کو مضبوط کرنے کے لیے وہ ایجنسیاں، یہ بھی آئی بات کہ وہ ایجنسیاں جو مشرف کو مضبوط کرنا چاہتی ہیں وہ مولانا صاحب کو استعمال کر رہی ہیں تاکہ یہ حالات بنیں اور مشرف دنیا کو، امریکہ کو یہ دکھا سکے کہ دیکھو یہ یہاں پہ بھی fundamentalists موجود ہیں، یہ اس طرح کے مدارس ہیں مجھے مشکل میں ڈال رہے ہیں، تم مجھے سپورٹ کرو، میری مدد کرو ورنہ تو ابھی اٹھنے والے ہیں یہ لوگ۔ یعنی اب یہ ایک تیسری بات۔ یعنی ایک القاعدہ، ایک سی آئی اے اور ایک یہ۔ تو اس طرح یعنی یہ کوئی مذاق نہیں ہے کہ اس کو اس طرح کا مذاق بنا دیا جائے۔ ہمیں بڑا سوچ سمجھ کے، ایک تو یہ کہ ہمیں سسٹم کو سمجھنا چاہیے کہ سسٹم کیا ہے...... (باقی صفحہ نمبر 39 پر)

تحریک لال مسجد کیا تھی اور آج اِسے کیا ہونا چاہیے؟

تحریکِ لال مسجد کی خدمت میں چند گزارشات

ابو عمر عبد الرحمٰن

لال مسجد تحریک سے ہمیں محبت ہے، اس کی محبت و عقیدت ہر مجاہد کے دل و روح میں بستی ہے۔ عظیم کرداروں کے عظیم ایمانی مواقف اور ان مواقف کی خاطر پیش کی گئی اُن کی عظیم قربانیوں کا صرف تصور ہی ہمارے ایمانی جذبات کو جِلا بخشتا ہے۔ یہ تحریک وقت کی ضرورت تھی؛ یہ شریعت کے تقاضے پر کھڑی، شریعت ہی کی حاکمیت قائم کرنے کی ایک مؤثر پکار تھی۔ مسلمانانِ پاکستان کو اٹھانے، انہیں حقیقت و سراب کے درمیان تمیز کرانے اور بالخصوص اہل دین کو خوابِ غفلت سے جھنجوڑ کر بیدار کرنے کے لیے ضروری تھا کہ ایسی ایک تحریک اٹھے جو صدق و وفا کی پیکر ہو، جو گفتار ہی نہیں اپنے کردار اور خون تک سے بھی راہِ حق کے حق ہونے کی گواہی دے اور ساتھ یہ بھی واضح کردے کہ ہمارا یہ پاکستان اسلام کا قلعہ ابھی نہیں بنا، بلکہ اس وطنِ عزیز کے تمام تر وسائل الٹا اسلام اور اہل اسلام ہی کے خلاف استعمال کیے جا رہے ہیں۔ اس تحریک نے ایک ایسے وقت میں منکر کو ببانگ دہل منکر کہا، اس کے خلاف 'نہی عن المنکر' کا فریضہ انجام دیا اور اس کے خلاف عزیمت و قربانی کی داستان بن کر کھڑی ہوئی جب منکر اور معروف میں فرق مٹتا جا رہا تھا، اور تو اور خود اہل دین کی طرف سے بھی بدترین منکر، یعنی غیر اللہ کی حاکمیت پر قائم نظام کے ساتھ مفاہمت اور معاونت کا رشتہ قائم ہو رہا تھا۔ جب خود داعیانِ دین کے ہاں بھی حمایت و مخالفت کی کسوٹی دین نہیں بلکہ محض دین داروں کا مفاد بن رہا تھا اور جب اسلام کے خلاف یہاں بپا جنگ اہل دین کے اٹھنے اور اٹھانے پر کسی بھی طور پر منتج نہیں ہو رہی تھی؛ عین اِس ماحول میں شہید عبد الرشید غازی رحمہ اللہ اپنے نیک سیرت طلبا اور پاک دامن طالبات کے ساتھ کھڑے ہوئے، انہوں نے اسلام کے حق میں اس قاتل خاموشی کو 'شریعت یا شہادت' کے نعروں سے توڑا اور دینِ اسلام کی مصلحت پر دیگر تمام مصالح کو قربان کرنے کا درس دیا۔ یہ ایسا وقت تھا کہ جب دین داروں کو اسمبلیوں میں نشستیں دلا کر 'مصروف' کر دیا گیا تھا، اہلِ مدارس کے حقوق کی حفاظت کے لیے جاری ان کی تحریک کو بھی اطمینان دلایا گیا تھا کہ مدارس نہیں چھیڑے جائیں گے[1]، دوسری طرف ساتھ ہی دینِ اسلام اور ملتِ پاکستان پر وہ عظیم ڈاکہ ڈالا جا رہا تھا کہ جس کی نظیر گزشتہ تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ داخلی اور خارجی تمام تر دین دشمن طاقتیں متحد اور متفق ہو کر وطن عزیز کو اسلام اور اہل اسلام کے خلاف جنگ کا مرکز بنا رہی تھیں اور اُن تمام اقدار و روایات کو جڑوں سے اکھاڑا جا رہا تھا جو مسلمانانِ پاکستان کو بطورِ قوم عزت و عظمت اور فوز و فلاح جیسی نعمتیں دلا سکتی تھیں۔ ایک طرف تو ریاستی سرپرستی میں یہ ساری جنگ بڑے دھڑلے کے ساتھ جاری تھی تو دوسری طرف اہل دین کی طرف سے دین کے تحفظ اور شریعت کی پاسداری کے لیے دور دور تک بھی کوئی حرکت و تحریک دکھائی نہیں دیتی تھی۔ نتیجتاً دین دشمن نشے میں مست و مدہوش ہو کر اسلام کے خلاف جنگ میں بے خطر آگے بڑھ رہے تھے۔ جہاں تک عوام کا معاملہ ہے تو انہیں بھی خاموش کرایا گیا تھا۔ ان کے دل سے بھی اس احساس کو مٹایا جا رہا تھا کہ ایک مسلمان کے لیے قیمتی ترین شے اور اول و آخر اس کا دین ہے، یہ دین اگر محفوظ ہو، معاشرے میں اگر یہ غالب ہو تو اُسے پر سکون ہونا چاہیے، اس لیے کہ اس سے اس کی دنیا و آخرت کی کامیابی ممکن ہو جاتی ہے، لیکن اگر یہ دین مغلوب ہو، شریعت کی قدم قدم پر پامالی ہو رہی ہو اور معاشرے سے عزت و عفت کے ہر نشان کو مٹایا جا رہا ہو تو پھر ایک مومن کبھی بھی چین سے نہیں بیٹھ سکتا، بلکہ طوفانِ باطل کے سامنے دیوار بن کر کھڑا ہونا ہی پھر وہ زندگی کا مقصد اول سمجھتا ہے۔

---

[1] مدارس کا تحفظ مطلوب ہے لیکن ظاہر ہے یہ تحفظ اسلام کے تحفظ کا ذریعہ ہے نہ کہ یہ خود مقصود بالذات ہے۔ اب اگر اربابِ اقتدار تحفظِ مدارس کی قیمت پر اہل مدارس کو اپنے باطل کی تائید میں کھڑا کر رہے ہوں اور ان سے ان کا فریضۂ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھین رہے ہوں تو ایسے میں یہ مدارس کا تحفظ کیوں کر ہو سکتا ہے؟ مدارس کا تو کام ہی علوم دینیہ کا احیا و غلبہ ہے، لیکن مدارس کو 'نہ چھیڑنے' کا عندیہ اگر مشروط کیا جا رہا ہو کہ الاسلام یَعلو ولا یُعلٰی (اسلام غالب ہو گا مغلوب نہیں!) کا درس نہیں دیا جائے گا، اسلام دشمن نظام کی حمایت و تائید اور اسی کی ہی اطاعت و خدمت ہو گی، جبکہ جہاد و مجاہدین کی مذمت ہو گی تو یہ درحقیقت مدارس کا (محض) وجود قائم چھوڑ کر انہیں ان کی اصل روح سے محروم کرنا ہے۔ یہ فی الاصل اسلام اور مدارس دونوں کو مغلوب و محکوم رکھنے کا ایسا سودا ہو گا جو بالآخر مدارس ہی کی ویرانی پر منتج ہو گا۔ مصر کے اندر اسلام اور اہل اسلام کی شوکت توڑنے اور وہاں یہود نواز طبقات کو غالب کرنے کے لیے جو اقدامات اٹھائے گئے تھے ان میں سے ایک اہم قدم جامعہ ازہر کو کفر و اسلام کی جنگ میں اسلام ہی کے خلاف استعمال کرنے کا منصوبہ تھا۔ جامعہ ازہر جب اس سازش کا مقابلہ نہیں کر سکی تو دنیا نے دیکھ لیا کہ آج اس کا وجود تو ہے مگر یہ بے روح ہے، اور اس کی وہ قیادت و سیادت مکمل طور پر ختم ہو کر رہ گئی ہے جو اس کی پہچان تھی۔ برِّ صغیر کے پہلے باقاعدہ مدرسے 'دار العلوم دیوبند' کا مقصدِ تاسیس بھی حفاظت و حمایتِ اسلام تھا۔ یہ بات شرعاً، عقلاً، تاریخاً معلوم و ظاہر ہے کہ حفاظتِ اسلام جہاد فی سبیل اللہ کے بدون ممکن نہیں اسی لیے دار العلوم دیوبند کے اولین طالبِ علم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے فرمایا 'مدرسہ میرے سامنے قائم ہوا، جہاں تک میں جانتا ہوں ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کی ناکامی کے بعد (جب شریعت نافذ نہ رہی) یہ ارادہ کیا گیا کہ کوئی ایسا مرکز قائم کیا جائے، جس کے زیرِ اثر لوگوں کو تیار کیا جائے تا کہ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی تلافی کی جا سکے!' (احاطۂ دار العلوم دیوبند میں بِیتے ہوئے دن، از مولانا مناظر احسن گیلانی، ص ۱۷۰)۔ نیز مولانا سیّد ابو الحسن علی ندوی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ 'دار العلوم دیوبند دراصل ایک چھاؤنی تھی'۔ پس مدارس کا دفاع ہم اپنی جانوں سے بھی زیادہ مقدم سمجھتے ہیں لیکن ساتھ ہی اس کے برابر اہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ یہ اپنے اصل مقام و مقصد سے بھی محروم نہ ہوں، کیونکہ خدانخواستہ اگر ایسا نہ ہوا تو ہمیں اس میں کوئی شبہہ نہیں ہونا چاہیے کہ مدارس بھی محفوظ نہیں رہیں گے۔

شہید عبد الرشید غازی رحمہ اللہ نے حق و باطل کا یہ گڈ مڈ ہونا اور اس کے نتیجے میں باطل و ظلم کا وطن عزیز پر غلبہ پانا برداشت نہیں کیا۔ آپ نے اپنا جسم کٹوا کر باطل کے غلیظ چہرے پر چڑھا نقاب اتار دیا اور یہ ثابت کر دیا کہ جس فوج کو اسلامی کہا جاتا ہے، وہی اسلام و شریعت کی باغی، عوام کی دشمن اور دشمنانِ دین کی زر خرید غلام ہے۔ غازی شہیدؒ کے پاکیزہ خون نے بتا دیا کہ اس فوج کی تربیت ہی کچھ ایسی ہوئی ہے کہ یہ تنخواہ، پلاٹ اور ترقی ہی کو بس اپنا خدا سمجھتی ہے اور اس کی پرستش میں ہر گھٹیا کام کرنا قابل فخر گردانتی ہے۔ پاکستان کہ جس کو 'اسلامی ریاست' اور اس کے حکمرانوں کو 'شرعی اولوالامر' ثابت کیا جاتا تھا، شہدائے لال مسجد کے فاسفورس سے جلے جسموں اور قرآن کے پھٹے اوراق نے ثابت کیا کہ یہ سب جھوٹ کا پلندہ ہے، اس کا نظام مکمل طور پر دجل و نفاق پر کھڑا ہے اور اس میں شریعت کا محض مطالبہ بھی ایسا جرم عظیم ہے کہ جس کی سزا میں مسجد و مدرسہ اور ماؤں بہنوں تک کی حرمت بھی باقی نہیں رہتی۔

غازی شہید رحمہ اللہ کے ساتھ طلبا و طالبات چونکہ نہتے تھے، اس لیے آخری حد تک آپ نے ٹکراؤ سے گریز کیا، مگر جب نظر آیا کہ فوج طاقت و کبر کے نشے میں مست ہے اور دین دشمنی ان کے انگ انگ سے ظاہر ہو رہی ہے تو آپ ڈٹ گئے اور آپ کا یہ ڈٹنا بے مقصد نہیں تھا، ایک عظیم خواب اور اعلیٰ مقصد کو آپ نے اپنی آنکھوں میں سجایا۔

وہ مقصد کیا تھا کہ جس کی خاطر آپ اور آپ کے ساتھیوں نے نہتے ہو کر بھی فوج کے مقابل کھڑا ہونا قبول کیا؟ کیا آپ رحمہ اللہ کو فتح یاب ہونے کا گمان تھا کہ اس طرح چند سو یا چند ہزار نہتے طلبا و طالبات کے ساتھ جب وہ کھڑے ہوں گے تو لاکھوں کی مسلح فوج پر غلبہ پالیں گے؟ کیا آپ کا یہ خیال تھا کہ اس طرح کے احتجاج سے وہ پاکستان میں شریعت نافذ کر دیں گے؟ یا انہیں یہ خوش گمانی تھی کہ فوجی حکمران ان کے مطالبات قبول کر لے گا اور یہ خائن جرنیل امت کے حق میں اپنے تمام تر جرائم سے توبہ تائب ہو جائیں گے؟ نہیں! ایسا بالکل نہیں تھا۔ نہ انہیں کمزور اور نہتے چھوٹے سے لشکر کے ساتھ فوج کو شکست دینے کی خوش فہمی تھی اور نہ ہی اس فوج کے متعلق انہیں یہ گمان تھا کہ یہ ان کے شرعی مطالبات تسلیم کر لے گی۔ جہاں تک شریعت کے نفاذ کا تعلق ہے، تو یہ ان پر بھی واضح تھا کہ دریں حالات ایسا ہونا ناممکن ہے......

پھر آپ رحمہ اللہ کے سامنے ٹکراؤ کا مقصد کیا تھا؟ حاصل کیا کرنا تھا؟ کس امید کی خاطر آپ نے اپنی اور سیکڑوں ساتھیوں کی قربانی دے دی؟ جواب واضح ہے۔ آپؒ کو امید تھی کہ قربانی دے کر یہاں اربابِ اقتدار کی یہ دین دشمنی واضح ہو جائے گی، جس نظام کو اسلامی دکھانے کی آج تک کوشش ہوتی رہی، اس کے کفر، ظلم اور دجل پر مبنی ہونے میں پھر کوئی شک و شبہہ باقی نہیں رہے گا۔ جب مسلط طبقات کا یہ قبیح اور منحوس چہرہ عام عوام کے سامنے بھی کھلے گا تو داعیانِ دین و علمائے کرام کے لیے اس باطل کے خلاف تحریک اٹھانا سہل ہو جائے گا، عوام کو سمجھانا اور انہیں نصرت دین کے لیے شاملِ قافلہ کرنا مشکل نہیں رہے گا اور بالآخر وہ وقت بھی آجائے گا کہ جب کفر و ظلم کے ایوانوں کے چراغ گُل ہو جائیں گے اور جہادی ضربوں سے یہ نظامِ ظلم زمین بوس ہو جائے گا۔

غازی رشید رحمہ اللہ کا مقصد قربانی دے کر حق و باطل کے درمیان تمیز کی لکیر کھینچنا تھا، عدل و ظلم، خیر و شر اور دوست و دشمن قوتوں کے بیچ فرق دکھانا آپ کا ہدف تھا؛ اور تمیز کی یہ لکیر کھنچ گئی، حق و باطل میں تفریق قائم ہوگئی اور غازی شہیدؒ کا ہدف الحمد للہ حاصل ہو گیا۔ تحریکِ دعوت و جہاد کو غازی شہید رحمہ اللہ کی قربانی کی صورت میں ایسی واضح دلیل ہاتھ آگئی کہ جو ہر عام و خاص کو یکساں طور پر سمجھ آرہی تھی اور یہ ایسا واقعہ بن گیا کہ جس کے مقابل نظام کا دجل و فریب سب بے کار ثابت ہوا۔ اس کے بعد کوئی ایک بھی ایسا انصاف پسند فرد نہیں رہا کہ جس نے نظامِ پاکستان کے کفریہ ہونے اور اس کی فوج کے دشمنانِ دین و ملت کا آلۂ کار ہونے کی تصدیق نہ کی ہو۔

غازی شہید رحمہ اللہ ایک مرحلہ سر کر چکے ہیں، اس مرحلے میں یقیناً آپ نہتے تھے، آپ کے ساتھ شہسوار بھی ایسے نہیں تھے کہ جن سے میدان جنگ میں جنگیں لڑی جاتی ہیں، طالبات بہنیں جس آزمائش سے گزریں، اس آزمائش سے انہیں گزارنا غازی شہید رحمہ اللہ کی بھی خواہش نہیں تھی، ایسی آزمائشوں سے ماؤں بہنوں کو بچانا ہی دعوت و جہاد کا مقصد ہوا کرتا ہے؛ مگر ظالم جرنیلوں کی بے رحمی اور دین دشمنی تھی کہ یہ سفاک مناظر بھی امت کو دیکھنے پڑے۔ اس سانحے سے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے جو خیر برآمد کرنی تھی، وہ الحمد للہ برآمد ہوئی اور پوری دنیا میں واضح ہوا کہ کون حق پہ ہے اور کون باطل پر۔

اس کے بعد پھر دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ یہ مرحلہ سر کرنا اب یہاں کے علمائے کرام اور تحریکِ دعوت و جہاد کے داعیانِ کرام اور مجاہدین کے ذمے تھا۔ یہ مرحلہ اس کفریہ نظام کے مقابل مطالبات و احتجاجات کا نہیں، بلکہ اس کو ختم کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ اہل ایمان کو متحد کرنے اور شریکِ قافلہ کرنے کا مرحلہ ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ تحریکِ جہاد کی دعوت اور اس کے مبادی کو لوگوں کے دلوں میں اتارا جائے اور انہیں نظامِ باطل کے خلاف ایک منظم تحریک کی صورت میں صف آرا کیا جائے۔

نظامِ مملکت کا کفر و ظلم واضح کرنا ایک ہدف ہے اور اس نظام کو گرانے کے لیے تحریکِ جہاد کھڑی کرنا دوسرا ہدف ہے۔ ایک مقصد کے حصول کے لیے بعض ایسے طریقے بھی استعمال ہو جاتے ہیں جن کا بار بار استعمال مفید نہیں رہتا اور جو دوسرے مقصد یعنی نظامِ کفر گرانے اور شرعی نظام کھڑا کرنے کی مہم کے لیے اگر استعمال ہوں تو اس سے الٹا نقصان ہوتا ہے۔ نہتے طلبا و طالبات کے ساتھ اٹھ کر شریعت کا مطالبہ کرنا اور اس کے بدلے میں دشمن کی طرف سے جب خلافِ توقع طاقت کا استعمال ہوا تو صبر و استقامت کے پہاڑ بن کر کھڑا ہو جانا ایسا اقدام تھا کہ جس سے نظام، فوج اور حکمرانوں کا دین دشمن ہونا ثابت ہوا اور غازی شہید رحمہ اللہ کے موقف کو تقویت ملی۔ مگر اب خاص اسی طریقۂ کار پر دوام اختیار کرنا اور اسے نظامِ باطل کے محافظین کو شکست دینے کے لیے بھی استعمال کرنا کسی بھی طور مناسب نہیں ہے۔ بہنوں کی پہلی

قربانی سے جتنا فائدہ تحریکِ جہاد کی دعوت کو ملنا تھا وہ مل گیا، اب ایک دفعہ پھر نہتا اور کمزور بن کر اجتماعی طور پر قربانی دے دینا اور وہ بھی ماؤں بہنوں کی قربانی...... دعوتِ جہاد کے لیے کسی بھی طور پر مثبت نہیں ہو گا اور خدشہ ہے کہ اس سے دعوتِ جہاد کو الٹا نقصان ہو گا۔

پھر لال مسجد سانحہ کے بعد کا عرصہ/مرحلہ چونکہ اس سے پہلے جیسا نہیں، اس لیے اس میں شریعت کے خلاف جنگ لڑنے والوں سے نفاذِ شریعت کا مطالبہ کرنا بھی بالکل بے جا ہے۔ ظاہر ہے **جن مجرمین کو قوت واقتدار سے جدا کرنے کے لیے شریعت جہاد و قتال کو فرض قرار دیتی ہے، ایسوں سے نفاذِ شریعت کا مطالبہ کرنا خود اپنے اس مطالبے ہی کی تضحیک ہے۔ لہٰذا آج کے اس مرحلے کا تقاضا ہے کہ ان حکمرانوں/جرنیلوں سے نفاذِ شریعت کا مطالبہ نہ کیا جائے، بلکہ اس کے برعکس عوام میں اتر کر دعوت و جہاد کی ایسی تحریک شروع کی جائے جو نظامِ باطل کے خلاف قوت و تعداد جمع کرے، جس کی قیادت علما و مجاہدین اور صلحا و مخلصین کے ہاتھوں میں ہو اور جو نفاذِ شریعت کی منزل تک پہنچنے کے لیے اِتباعِ شریعت ہی کو اپنا واحد راستہ قرار دیتی ہو۔**

ایسی تحریک کا مقصد چونکہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر، اعداد و تیاری اور جہاد و قتال کے ذریعے غلبۂ دین اور نفاذِ شریعت ہوتا ہے، اس لیے یہ ایک مدلل دعوت، سوز و حکمت، نظم وضبط اور صبر واستقامت کا تقاضا بھی کرتی ہے۔ پھر یہ تحریک تب ہی اٹھ سکتی ہے جب نہتا اور کمزور ہونے کی صورت میں خود سے ہر ایسے ٹکراؤ سے اجتناب ہو کہ جس کے سبب عوام و خواص کو اس تحریک کی حکمتِ عملی اور فہمِ دین و جہاد پر انگلی اٹھانے کا موقع ملے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض بھی یہ نبھائے مگر اس کے لیے ضروری ہو کہ اس عبادت کے اصول و آداب کا دھیان رکھا جائے اور اس کے طریقِ کار میں دعوتِ دین وجہاد کے مصالح و مفاسد کا بھی بھرپور خیال کیا جائے۔ کل اگر نہتے ہونے کے باوجود دشمن کی طرف سے ٹکراؤ کو قبول کیا گیا اور ہمارے بھائی بہنوں نے قربانی دے کر نظام کے ظلم وکفر کا پردہ چاک کر دیا تو آج ضروری ہے کہ اس نظام کے خلاف دعوت وجہاد کی تحریک کھڑی کی جائے، نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنے کا فریضہ بھی نبھایا جائے، مگر ساتھ ہی اس کا بھی بھرپور اہتمام ہو کہ ایسے ہر طرح کے ٹکراؤ سے خود سے بچا جائے کہ جس کے سبب دشمن کو بہنوں کے خلاف جارحیت کا موقع ملے اور خدانخواستہ وہ ٹکراؤ کل دعوتِ جہاد کو فائدہ دینے کی بجائے نقصان کا باعث ہو۔ ۲۰۰۷ء میں ہمارے بھائی بہنوں کو شہید کر کے دشمن نے مادی فتح کا جھنڈا تو لہرا دیا تھا مگر دلیل اور اخلاق کے میدان میں اس نے بہت بری طرح منہ کی کھائی تھی، عوامی رائے اور جذبات شہدائے لال مسجد کے حق میں رہے، ان کا موقف اور اخلاص قابلِ تقلید سمجھا گیا، نتیجتاً فوج کے ہاتھوں بہایا گیا وہ پاکیزہ خون فوج ہی کے لیے بہت مہنگا ثابت ہوا۔ آج بھی تحریک لال مسجد جاری ہے، مگر کل کی نسبت آج دشمن کی حکمتِ عملی مختلف ہے۔ آپ فوج اور حکومتی اہلکاروں کے بیانات دیکھیے؛ میڈیا اور سوشل میڈیا میں لال مسجد کے حق میں اور خلاف پراپیگنڈا دیکھیے، اپنے آپ کو غیر جانب دار دکھانے والے صحافیوں کی اس موضوع پر دستاویزی فلمیں بھی ملاحظہ ہوں، خود لال مسجد سے جاری شدہ بیانات کو کس اسلوب اور پیرائے میں پیش کیا جاتا ہے...... یہ ساری مہم واضح کرتی ہے کہ اب کی بار لال مسجد تحریک کو دلیل واخلاق کے میدان میں گرانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ آج اس تحریک کو دلیل وحجت اور بصیرت و فراست سے عاری دکھانے کی ایسی سعی ہو رہی ہے کہ جس سے اس کا حق بہ جانب ہونا مبہم ٹھہرے اور اخلاق کے میدان میں اِس کی برتری بالکل ختم ہو جائے۔ کوشش ہے کہ علم و فہم کے ہتھیار سے یہ تحریک مسلح نظر نہ آئے بلکہ نری جذباتیت اور عجلت پسندی اس کے اوپر غالب دکھادی جائے، اس طرح ایسی خطائیں اس سے کروائی جائیں کہ جس کے نتیجے میں عوام و اہلِ دین کی تائید سے یہ بالکل محروم ہو جائے۔ قرائن سے نظر یہی آرہا ہے کہ پہلے اس تحریک کو عبث اور غیر معاملہ فہم ثابت کرنے کی کوشش ہو رہی ہے اور اس کے بعد پھر (خاکم بدہن، اللہ نہ کرے) ان پر ہاتھ ڈالا جائے گا۔ ایسا اگر خدانخواستہ ہونے دیا گیا اور ابھی سے ہم نے اپنے کمزور پہلوؤں پر توجہ نہیں دی تو یہ ایک درجے میں ماضی کے حاصل کردہ ثمرات کو بھی ضائع کرنے کے مترادف ہو گا۔ کل عسکری طور پر مغلوبیت کا سامنا ہوا، سب شہید ہو گئے مگر اس کے باوجود ہمارا موقف حق بہ جانب نظر آیا، اور یہی وہ وجہ تھی کہ جس سے دشمن کا نقصان اور تحریکِ جہاد کا فائدہ ہوا، مگر آج دشمن کی تمام تر کوشش کا ہدف لال مسجد کے ہمارے ان پیاروں کو دوسرے انداز میں زیر کرنا ہے اور ایسا ہونا زیادہ خطرناک ہے۔ لہٰذا تمام تر جدوجہد و قربانی کے بعد بھی اگر ہم دلیل اور بہتر حکمتِ عملی سے مسلح نظر نہیں آئے تو خدشہ ہے کہ جس جدوجہد سے تحریکِ دعوت و جہاد کو تقویت دینا مطلوب تھا، اُس سے الٹا نقصان ہو جائے گا اور یوں اچھی نیت اور قربانی کے باوجود بھی نظامِ باطل کو نقصان کی جگہ (خدانخواستہ) فائدہ ملے گا۔

یہاں ایک وضاحت اور تنبیہ کرنا بھی ضروری ہے؛ لال مسجد کی آج کی یہ تحریک بھی بالاصل امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور دعوت الی الجہاد کی تحریک ہے۔ یہ شر کے مقابل خیر اور ظلم کے خلاف عدل کی دعوت والی ہے۔ دین دشمنوں کی آنکھوں میں کھٹکتی یہ تحریک اہلِ دین اور ہم مجاہدین کے سروں کی تاج اور امیدوں کا ایک محور ہے، لہٰذا حکمتِ عملی میں اختلاف واتفاق کی بحث کو ایک طرف رکھتے ہوئے اس حقیقت کا اعلان بھی ضروری ہے کہ ہم مجاہدین بہر صورت اپنے ان احباب، مشائخ اور بھائی بہنوں کی تائید کرتے ہیں۔ کل بھی ہم اس تحریک کے ساتھ تھے، آج بھی ہیں اور آئندہ اگر خدانخوستہ پھر ہمارے بھائی بہنوں پر ہاتھ ڈالا گیا تو ہم پھر سے سروں پر کفن باندھ کر، جسموں کے ساتھ بم باندھ کر بہنوں اور بھائیوں کے انتقام میں شریعت کی دشمن اس فوج کے ساتھ ٹکرانے نکلیں گے۔ لہٰذا ہماری ان سطور کے سبب کسی غلط فہمی کا کوئی شکار نہ ہو، ہماری حمایت و تائید اور مخالفت وعداوت کا قاعدہ ہمیں اللہ کی شریعت سمجھاتی ہے اور اس قاعدے کے تحت کسی تحریک سے حکمتِ عملی کے میدان میں لاکھ خطائیں سرزد ہوں، وہ واضح خطاؤں کی بھی اگر مرتکب ہو، لیکن اگر بالاصل وہ غلبۂ دین کی تحریک ہو تو دشمنانِ دین کے خلاف اس کی حمایت ودفاع ہم اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔ لہٰذا تحریک لال مسجد کی تائید و دفاع اور اس کی تقویت کے لیے سعی و فکر ہمارے جہاد کا حصہ ہے۔ اس تحریک کے

ساتھ ایمانی رشتہ ہی ہے کہ یہ ہمارے دلوں میں بستی ہے اور جو کچھ اس تحریر میں ہم عرض کر رہے ہیں، اس کا سبب بھی اس تحریک کی خیر خواہی و محبت ہے۔ ہماری خواہش و دعا ہے کہ اللہ اس تحریک کے قائدین اور طلبا و طالبات کی مدد و نصرت فرمائے، اللہ مولانا عبد العزیز غازی صاحب (حفظہ اللہ) کو دنیا و آخرت کی عزت دے، ان کی عزت و مقبولیت میں اضافہ فرمائے اور اللہ رب العزت ان کے سوز، دعوت اور درد کو سات آسمانوں میں محبوبیت عطا کرے۔ مولانا ہمارے والد کی جگہ ہیں، ہم اپنے آپ کو ان کے قدموں کی خاک کے برابر سمجھتے ہیں، وہ ہمارے محبوب ہیں، لہٰذا ان سطور کے لکھنے کا مقصد بھی اپنے والد کی تائید و نصرت، ان کی مشکلات کو آسان کرنا اور ان کی مبارک تحریک کو مزید مؤثر بنانا ہے، نہ کہ ان کی قدر و منزلت پر خدانخواستہ کوئی حرف لانا ہے۔

اللہ ہم سب کی خیر و صلاح کی طرف رہنمائی فرمائے، ضروری نہیں ہے کہ ہم ہی مکمل طور پر حق بہ جانب ہوں مگر جو امور اپنی اس مبارک تحریک (لال مسجد) کی تقویت کے لیے ہم مجاہدین مفید اور ضروری سمجھتے ہیں، انہیں تحریک کے تمام احباب تک پہنچانا ہمارے اوپر قرض ہے۔ لہٰذا ذیل میں چند مختصر نکات کی صورت میں اپنی گزارشات اپنے بزرگوں، بھائیوں اور بہنوں کی خدمت میں یہاں عرض کرتے ہیں:

1. پاکستان میں رائج نظام باطل اور نفاذِ شریعت دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں؛ یہی وجہ ہے کہ اس نظام کے اندر رہتے ہوئے حکمرانوں سے نفاذِ شریعت کا مطالبہ خود ہماری دعوت کو بھی ناقابل فہم بناتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ یہاں مسلط طبقات کے آگے احتجاج کرنے یا نفاذِ شریعت کا مطالبہ رکھنے کی بجائے عام عوام میں اترا جائے اور ان کے اندر دعوت و جہاد کی تحریک کھڑی کرنے کی سعی ہو۔
2. وطنِ عزیز میں شرعی نظام صرف وہ تحریک ہی قائم کر سکتی ہے جس کے افراد مخلصین و صالحین اور شریعت کے تابع مجاہدین ہوں۔ ایسے افراد کی معاشرے میں تلاش ہو اور ان کی تیاری پر ہی توجہ کا بڑا حصہ مبذول ہو۔ اس مقصد کے لیے خفیہ اور علانیہ انداز میں دعوتی نظام وضع ہو اور پھر ساتھ ہی ایسے افراد کے لیے یہاں تزکیہ و تربیت اور اعداد و تیاری کا بھی مؤثر نظام قائم ہو۔
3. دعوت و تربیت کے لیے باکردار اور باصلاحیت داعیانِ کرام اور مربی حضرات کو تیار کرنا انتہائی ضروری ہے۔ ایسے اصحابِ علم کی تیاری اولین ترجیح ہونی چاہیے اور ملک بھر میں ایسے تربیت یافتہ افراد کا جال بچھانے سے ہی دعوت و تحریک کو وسعت و تقویت ملے گی۔
4. دنیا سے محبت، نفس پرستی، جمہوریت، سیکولرازم، عالمی کفریہ نظام، وطن پرستی اور گروہی و جماعتی تعصبات...... نصرتِ دین کے راستے کی بڑی رکاوٹیں ہیں؛ مذکورہ بالا داعیانِ کرام کو ان موضوعات پر مدلل اور مؤثر انداز میں مرتب شدہ مواد دینا چاہیے۔ اسی طرح فکرِ آخرت، للّٰہیت و خوف خدا، تمام معاملات میں شریعت کی پیروی، جذبۂ جہاد، دوستی و دشمنی کا شرعی معیار، نظام کفر کے خلاف شرعی جدوجہد (یعنی دعوت، اعداد اور پھر قتال) کی اہمیت و ضرورت جیسے نکات کو یہ مدرسین حضرات اپنے دوراتِ شرعیہ کے مستقل موضوعات رکھیں۔
5. نظام کفر کے ہر ہر پہلو اور جاہلیتِ جدیدہ کی ہر ہر صورت پر علمائے امت اور قائدین جہاد کی رہنمائی میں کتب و بیانات کا ایک بڑا ذخیرہ الحمدللہ تیار ہو چکا ہے، دعوت و تربیت میں اس ذخیرے سے استفادہ کیا جائے اور اسے زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی سعی ہو۔
6. نظام باطل کے ساتھ تعامل کا موضوع ہم اہل دین کے ہاں بھی افراط و تفریط کا شکار رہا ہے، ایک طرف ایسی سوچ ہے جو دین دشمن حکمرانوں کو شرعی اولوالامر ثابت کرتی ہے اور جہاد تک کو ان طواغیت کی اجازت کا پابند کرتی ہے تو دوسری انتہا پر جہاد سے اپنے آپ کو منسوب کرنے والی ایسی فکر بھی ہے جو نظام کے خلاف تو قتال کی داعی ہے مگر ساتھ ہی یہ خونِ مسلم اور تکفیر و تفسیق کے معاملے میں ایسے خود ساختہ مبنی بر ھویٰ اصول رکھتی ہے کہ جن کے سبب جہاد اور دعوتِ جہاد ہی کا ہمیشہ نقصان ہوا ہے۔ غرض یہ حساس موضوع ہے اور ضروری ہے کہ اس میں صرف ایسے اہل علم کی پیروی ہو جو تقویٰ و فہمِ سلیم کے حامل اور اُصولِ اہل السنۃ والجماعۃ کے پابند ہوں اور جن کے علم و فہم پر تحریکِ جہاد میں اعتماد کیا جا رہا ہو۔
7. جہاں تک خواتین و طالبات کا معاملہ ہے تو انہیں دعوتِ دین و جہاد کی خدمت میں شریک کرنا چاہیے، ان کی ضرورت ہے، مگر ہماری درخواست ہے کہ انہیں کسی بھی احتجاجی اور جارحانہ عمل میں شامل نہ کیا جائے، ایسا کرنے سے دشمن کو بہنوں کے خلاف کارروائی کا موقع ملتا ہے[1]۔ خواتین کا اصل میدانِ کار ان کے گھر اور خواتین کا داخلی حلقہ ہے، یہاں یہ خواتین میں دینی بیداری پیدا کریں اور ایسی نسلیں پروان چڑھائیں کہ جن کے اندر تک نظام باطل کی نفرت اور اس کے خلاف جدوجہد کی خُورَچی بسی ہوئی ہو۔
8. اپنے کارکنان کو دشمن کی نظروں سے محفوظ کرنے کی سعی ہو تا کہ وہ دعوت و تحریک میں فعال کردار ادا کر سکیں۔ نہتے اور کمزور ہونے کی صورت میں دشمن ہمیں ختم کرنے

---

[1] مقصد یہ نہیں کہ اس غرض کے لیے اپنی دعوت و تحریک میں ایسی تبدیلی بھی لائی جائے جو شرعاً جائز نہ ہو، مدعا یہ ہے کہ دعوت و جہاد کے بنیادی اصولوں پر کاربند رہا جائے مگر عملی میدان میں بہنوں کی طرف سے ایسی جارحانہ سرگرمیاں بالکل نہ ہوں کہ جو دین دشمنوں کو بہنوں پر ہاتھ ڈالنے کا موقع فراہم کر رہی ہوں، باقی اس اہتمام کے باوجود بھی خدانخواستہ آزمائش آتی ہے تو یہ اللہ کی طرف سے ہوگی اور اس میں پھر ثابت قدم رہنے سے ہی ان شاء اللہ اپنی نجات اور تحریک کا فائدہ ہوگا۔

کی کوشش کر رہا ہے، لہٰذا ایسے حال میں ہماری سعی ہو کہ اپنے ساتھیوں کو ان کے شر سے بچائیں اور عمل و مزاحمت کے میدانوں کے لیے انہیں محفوظ کر لیں۔

9. منکرات روکنے کی کوشش ہو مگر اس سے متعلق پہلی گزارش یہ ہے کہ نہی عن المنکر کے اصول و آداب کا بھرپور خیال ہو اور دوسرا یہ کہ اس میں ایسا اسلوب اور طریقہ استعمال نہ ہو جو الٹا ہمارا حق بہ جانب ہونا عام عوام کی نظر میں مبہم بنا دے اور ان کے لیے ہماری دعوت و موقف ناقابل فہم ہو جائے۔

10. ہماری دعوت و تحریک حق پر مبنی ہے اور اس کا یہ حق ہونا کسی اندھے جذبے کے تحت ہم نہیں کہہ رہے ہیں، بلکہ صدقِ دل، عقل و فہم اور بصیرت کے ساتھ ہمیں اپنی دعوت کے حق ہونے اور نظام باطل کے مبنی بر فساد ہونے کا یقین ہے؛ پس ہماری دعوت و تحریک میں بھی ہمارا یہ مبنی بر حق ہونا نظر آنا چاہیے اور ہر ایسی بات و اسلوب سے ہمیں گریز کرنا چاہیے کہ جس سے ہماری تحریک دلیل سے عاری اور نری جذباتیت سے مغلوب نظر آئے۔

11. جمہوری سیاست میں شامل اہل دین کو مباہلہ کی دعوت دینا ہماری دعوت و تحریک کو کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ اسی طرح ان حضرات سے خطاب میں تکفیر یا طعن و تشنیع کی زبان بھی خود ہمارے لیے اور ہماری دعوت کے لیے مضر ہے۔ دعوت کا نبوی اصول نرمی ہے، اس لیے حکمت، وعظ اور دل کو موہ لینے والے مجادلہ کے ذریعہ انہیں ان کی خامیوں کی نشاندہی ہو۔ اگر ان جماعتوں پر نقد میں دعوت کے شرعی اسلوب کا خیال رکھا جائے تو ایک تو یہ ہمارے لیے باعثِ اجر ہو گا اور دوسرا یہ کہ ان سمیت دیگر سننے دیکھنے والوں پر مثبت اثر ہو گا۔

12. ہر ہر موضوع پر اہل دین کے ساتھ اختلاف سے ہم گریز کریں اور صرف نظام کفر اور دعوتِ جہاد سے متعلق امور کو ہی ہم زیر بحث لائیں۔

13. مین سٹریم میڈیا میں زیادہ تر افراد نظام باطل کے نظریاتی سپاہی ہیں یا دوسری صورت میں اس ظالم نظام کے اجرتی نوکر ہیں۔ یہ افراد اہل دین کو بلاتے ہی اس لیے ہیں کہ ان کی دعوت و موقف کو کمزور اور کھوکھلا دکھا دیں۔ اکثر اوقات داعیٔ دین کو بات کرنے کا موقع ہی نہیں دیتے اور ایسے سوالات میں اُسے پھنساتے ہیں کہ جس سے الٹا داعی کا موقف مبہم اور کمزور ثابت ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس میڈیا کے ذریعے دعوتِ دین کو بہت کم ہی کبھی فائدہ ہوا ہے۔ پس گزارش ہے کہ اس میڈیا میں آنے سے گریز ہو اور دعوت کے لیے بس اپنے ہی ذرائع اور وسائل پر انحصار ہو۔

14. کسی میڈیا چینل یا صحافی کا سامنا اگر کرنا ہو تو اس کے لیے بھرپور تیاری ہو، اور بہتر ہو گا کہ یہ خدمت صرف وہ حضرات ہی انجام دیں جنہیں مخالف موقف پر رد کرنے کا ملکہ ہو۔

15. آپ کی طرف سے ہم مجاہدین کے ہر ہر قدم اور ہر ہر قول و موقف کا دفاع نہ ہو۔ جائز و ناجائز اور دعوت کے لیے مفید و مضر ہی وہ کسوٹی ہے جس سے اہل جہاد سے منسوب تمام اقدامات کا پہلے جائزہ ہو اور اس کے بعد ہی پھر حمایت یا مخالفت ہو۔ جہاد و مجاہدین کی اگر عمومی حمایت و تائید ہو جبکہ ساتھ ہی جہاد سے منسوب خطاؤں پر آپ کی طرف سے تنقید بھی ہو، تو اس سے خود آپ کی دعوت نقصان سے بچے گی اور تحریکِ جہاد کا بھی ان شاء اللہ فائدہ ہو گا۔

16. ہمارے پڑوس کشمیر میں ہندوستان کے خلاف جہاد مسلمانانِ پاکستان پر فرض ہے۔ افسوس کہ پاکستانی جرنیلوں نے پہلے اس جہاد کو یرغمال بنایا، پھر اس کی مدد و تعاون روک کر اس کی پیٹھ میں چھرا گھونپا اور آخر میں آج اس کے دروازے پوری امت مسلمہ پر بند کر دیئے ہیں اور مسلمانانِ کشمیر کو مشرکین کے رحم و کرم پر چھوڑا ہے۔ دعوت میں اس عظیم خیانت کو واضح کرنا چاہیے اور کشمیر و برصغیر میں موجود ایسے مجاہدین کی نصرت پر عوام کو ابھارنا چاہیے کہ جو خالص غلبۂ دین اور مظلوموں کی نصرت کے لیے جہاد کے داعی ہوں اور جو ظالم مشرکین کے خلاف غزوۂ ہند کو بپا کرنا اپنا ہدف سمجھتے ہوں۔

یہ وہ چند گزارشات ہیں جنہیں تحریک لال مسجد کے اپنے محبوبین کی خدمت میں پیش کرنا ہم نے ضروری سمجھا۔ ہمارے نزدیک یہی ایسی حکمت عملی ہے کہ جس سے لال مسجد کی تحریک نفاذِ شریعت کی اس جدوجہد میں بہترین انداز میں اپنا حصہ ڈال سکتی ہے۔ یہاں اپنی یہ گزارشات اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ اللہ لال مسجد کی تحریک کو ہمیشہ کی طرح مومنین و مجاہدین کے دلوں کی ٹھنڈک رکھے، اس کے قائدین و کارکنان سے دین متین کی نصرت کی عظیم خدمت لے اور اللہ رب العزت قدم قدم پر انہیں اپنی رہنمائی سے نوازے اور ان کی حفاظت فرمائے، آمین یا ربّ العالمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

بقیہ: غازی صاحب تقریر

سسٹم کیسے کام کرتا ہے۔ ہم نے سمجھا ہوا ہے کہ یہ سسٹم بس ایسے ہی چل رہا ہے۔ یہ سسٹم ہے باقاعدہ ایک چیز چل رہی ہے اور اس کے اندر ایک ترتیب ہے، ایسے ہی کوئی ایجنسیوں کا اگر ہونے لگے تو سارے کے سارے جو ہیں وہ ایجنسیوں کے ہیں، ہم تو ایک ایجنسی کے ہیں وہ اللہ کی ایجنسی جو ہے ناں اس کے ہیں ہم سارے کے سارے۔ تو یہ چند باتیں تھیں......

(وما علینا الا البلاغ!)

وانا آپریشن کے بارے میں پاکستان کے علما کا متفقہ فتویٰ

یہ وہ تاریخی فتویٰ ہے جو کئی فوجیوں کو ایمان کی طرف لانے کا باعث بنا اور یہ فتویٰ آج بھی پاک فوج، خفیہ اداروں اور پولیس و دیگر سیکیورٹی اداروں سے وابستہ اہلکاروں کے لیے 'ہدایت' اور 'ایمان' کا سامان رکھتا ہے......یہ فتویٰ راہِ فکر و عمل ہے ان کلمہ گو سیکیورٹی اہلکاروں کے لیے جو دل سے اپنی زندگی کا مقصد 'ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ' کو سمجھتے ہیں......ایک 'لا الٰہ الا اللہ' پڑھنے والے اور 'محمد رسول اللہ' کے عشق کا دم بھرنے والے سپاہی کے لیے پہلا آرڈر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا آرڈر ہے اور پہلا حلف نامہ 'شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم' کا اقرار ہے۔ پس خوش نصیب ہیں وہ سیکیورٹی اہلکار......اور دنیا و آخرت کی کامیابیاں ہیں ان افسروں اور جوانوں کے لیے جنھوں نے وطن کی حفاظت کی تو ایمان و اسلام کے لیے اور جنھوں نے سرحدوں پر پہرے دے کر اپنے آپ کو تھکایا تو ایمان و اسلام کے لیے! (ادارہ)

سوال

''کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امریکہ کے شدید دباؤ کی وجہ سے پاکستان کے فوجی وانا میں مجاہدین اور دیگر عوام کے خلاف دہشت گردی ختم کرنے کے نام پر آپریشن کر رہے ہیں اور مزاحمت کرنے والے معصوم مسلمانوں کو گرفتار اور قتل کر رہے ہیں۔ دریں حالات علمائے کرام درج ذیل سوالات کے جوابات قرآن وسنت کی روشنی میں عنایت فرمائیں:

سوال نمبر ۱:

یہ کہ پاکستانی افواج کا اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف کارروائی کر کے ان کو گرفتار کرنا یا ان کو قتل کرنا یا کرانا جائز ہے یا نہیں؟

سوال نمبر ۲:

کیا حاکمِ وقت اگر کسی بے گناہ کے قتل یا گرفتار کرنے کا حکم اپنی رعایا یا اپنی فوج کو دے تو کیا اس حکم کی تعمیل ضروری ہے یا نہیں؟ کیا ایسی صورت میں پاکستانی فوج کے لیے اس قسم کی کارروائیوں میں شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟

سوال نمبر ۳:

مذکورہ صورت میں جو فوجی آپریشن میں شریک ہیں تو ان کی موت کیسی موت ہے؟ آیا شہید ہیں یا حرام موت مارے جائیں گے؟ ایسی موت کی صورت میں ان کی نمازِ جنازہ پڑھانا یا اس میں شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟

سوال نمبر ۴:

ان مجاہدین اور دیگر معصوم مسلمانوں، جن پر جنگ زبردستی مسلط کی گئی ہے ان کے مارے جانے کا کیا حکم ہے؟''

کرنل (ریٹائرڈ) محمود الحسن

جواب

الجواب باسم ملهم الصواب

جواب نمبر ۱:

موجودہ حالات میں پاکستانی فوج کا وانا (وزیرستان) میں مجاہدین اور ان کے حامی مسلمانوں کے خلاف دہشت گردی ختم کرنے کے نام پر کارروائی کر کے ان کو گرفتار کرنا یا ان کو قتل کرنا، کرانا قرآن و سنت کی صریح نصوص کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناجائز و حرام اور سخت گناہ ہے، خواہ یہ کارروائی امریکہ کے شدید دباؤ کی وجہ سے ہو یا بغیر دباؤ کے ہو، دونوں صورتوں میں کافروں کو خوش کرنے کے لیے مسلمانوں کے خلاف کسی قسم کی کارروائی، خواہ وہ ان کو شہید کرنے کی صورت میں ہو یا ان کو گرفتار کر کے کسی کافر کے حوالے کرنے کی صورت میں، متعدد آیات و احادیثِ مبارکہ اور عباراتِ فقہا کی روشنی میں ناجائز اور حرام ہے۔ ان صریح آیات کی پیش نظر شریعت نے کسی مسلمان کے لیے کسی دوسرے مسلمان کے خلاف کارروائی کو ناجائز قرار دیا ہے۔ نیز اگر مسلمانوں کو یہ اندیشہ بھی ہو کہ اگر ہم نے غیر مسلموں کا یہ مطالبہ نہیں مانا تو غیر مسلم خود ہمیں قتل کر ڈالیں گے یا کسی شدید نقصان میں مبتلا کر دیں گے تب بھی ان کا یہ مطالبہ ماننا مسلمانوں کے لیے جائز نہیں۔

جواب نمبر ۲:

حاکمِ وقت کے کسی ایسے حکم کو ماننا اور اس کی اطاعت کرنا جو شریعت کے خلاف ہو، ہرگز جائز نہیں، حرام ہے۔ لہٰذا حاکمِ وقت اگر کسی بے گناہ کے قتل یا گرفتار کرنے کا اپنی رعایا یا اپنی فوج کو حکم دے تو اس حکم کی تعمیل ہرگز جائز نہیں۔ وانا میں مسلمانوں کے خلاف حکومتی کارروائی چونکہ شریعت کے خلاف ہے اس لیے فوج کے لیے اس کارروائی میں شریک ہونا جائز نہیں۔ لہٰذا مسلمان فوجیوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف اس قسم کی کسی بھی کارروائی میں شریک ہونے سے انکار کر دیں ورنہ وہ بھی اس جرم میں برابر کے شریک ہوں گے۔

جواب نمبر ۳:

مذکورہ صورت میں حاکمِ وقت یا کمانڈر کے خلافِ شرع حکم پر عمل کرتے ہوئے جو فوجی اس کارروائی میں شریک ہوگا تو وہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوگا اور اگر اس کی موت واقع ہو جائے تو وہ ہر گز شہید نہیں کہلائے گا۔ جہاں تک ایسے لوگوں کی موت واقع ہونے کی صورت میں نمازِ جنازہ پڑھانے اور اس میں لوگوں کے شریک ہونے کا تعلق ہے تو ایک مسلمان کی غیرت، حمیت اور دینی جذبے کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی نمازِ جنازہ میں بھی کوئی شریک نہ ہو اور نہ ان کی نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے کوئی آگے ہو۔

جواب نمبر ۴:

ایسے تمام افراد جو ان ظالمانہ فوجی کارروائیوں میں مارے جائیں چونکہ شرعاً وہ معصوم اور بے گناہ ہیں لہٰذا شرعاً وہ شہید ہوں گے۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

أ. وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا○(سورۃ النساء:۹۳)

"رہا وہ شخص جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لیے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے۔"

ب. يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ (سورۃ الممتحنہ:۱)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان کے ساتھ دوستی کی طرح ڈالتے ہو، حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس کو ماننے سے وہ انکار کر چکے ہیں۔"

ج. بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا○الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا○ (سورۃ النساء:۱۳۹،۱۳۸)

"اور جو منافق اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق بناتے ہیں انہیں یہ مژدہ سنا دو کہ ان کے لیے دردناک سزا تیار ہے۔ کیا یہ لوگ عزت کی طلب میں ان کے پاس جاتے ہیں؟ حالانکہ عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہے۔"

د. وفی الحدیث عن البراءؓ بن عازب ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: لزوال الدنیا وما فیھا اھون عند اللّٰہ تعالیٰ من قتل مؤمن ولو ان اھل السمٰوٰت واھل الارض اشترکوا فی دم مؤمن لادخلھم اللّٰہ تعالیٰ النار (روح المعانی، جلد:۳، ص:۱۱۶)

"حدیث میں حضرت براءؓ بن عازب سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: دنیا و مافیہا کا تباہ ہونا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مومن کے قتل کیے جانے سے زیادہ ہلکی بات ہے۔ اگر آسمانوں اور زمین والے ایک مومن کے قتل میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو جہنم میں پھینک دے گا۔"

ہ. عن ابن عمرؓ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یسلمہ (الی عدوہ)...... (متفق علیہ، ریاض الصالحین:۱۰۸)

"حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ وہ اسے اس کے دشمن کے حوالے کرتا ہے...... الخ"

و. وفی احکام القرآن للجصاص(۴۰۶/۲) وھذا یدل علی انہ غیر جائز للمومنین الاستنصار بالکفار علی غیرھم من الکفار اذ کانوا متی غلبوا کان حکم الکفر ھو الغالب

"احکام القرآن للجصاص میں درج ہے کہ: یہ بات دلالت کرتی ہے کہ مومنوں کے لیے کافر دشمنوں کے مقابلے میں دیگر کافروں کی مدد طلب کرنا ایسی حالت میں جائز نہیں جب (یہ معلوم ہو کہ) فتح یاب ہونے کی صورت میں کافروں کی حکومت غالب آجائے گی۔"

ز. عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: السمع والطاعۃ علی المرء المسلم فیما احب وکرہ حق مالم یؤمر بمعصیۃ فان امر بمعصیۃ فلا سمع و لا طاعۃ (بخاری، جلد:اص:۴۱۵)

"حضرت ابنِ عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کے لیے امیر کی بات سننا اور ماننا ضروری ہے خواہ اس کی بات اسے پسند ہو یا ناپسند ہو، بشرطیکہ وہ کسی نافرمانی کا حکم نہ دے۔ پس اگر وہ معصیت کا حکم دے تو نہ بات سنی جائے، نہ مانی جائے۔"

ح. وفی شرح السیر جلد:۳، ص:۲۴۲: وان قالوا لھم قاتلوا معنا المسلمین والا قتلناکم لم یسعھم القتال مع المسلمین لان ذلک حرام لعینہ فلا یجوز الاقدام علیہ بسبب تحدید بالقتل کما لو قال لہ اقتل ھذا المسلم والا اقتلتک۔

"شرح السیر میں عبارت اس طرح ہے: جب کفار کہیں کہ 'ہمارے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑو ورنہ ہم تمہیں قتل کر دیں گے'، تو مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ کفار سے مل کر مسلمانوں کو قتل کریں اس لیے کہ یہ حرام لعینہٖ (بالذات حرام) ہے، چنانچہ قتل کی دھمکی کے باوجود اس قسم کا اقدام حرام ہے...... بالکل اسی طرح جیسے یہ جائز نہیں کہ اگر کسی مسلمان فرد کو دھمکی دی جائے کہ 'فلاں مسلمان کو قتل کرو ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا' اور وہ عملاً ایسا کر گزرے۔"

ط. وكذلک من ...عدا علی قوم ظلما فقتلوه لا یکون شهیدا لانه ظلم نفسه۔(بدائع، جلد:۲ ص:۶۶)

"اسی طرح.....وہ شخص جس نے کسی گروہ کے خلاف ظالمانہ طور پر چڑھائی کی اور ان لوگوں نے اس(حملہ آور) شخص کو قتل کر ڈالا تو وہ (مقتول) شہید نہیں کہلائے گا کیونکہ وہ اپنی جان پر ظلم کرتے ہوئے مرا۔"

ي. ومن قتل مدافعا عن نفسه او ماله او عن المسلمين او اهل الذمة بایّ آلة قتل، بحدید او حجر او خشب فهو شهید، کذا فی محیط السرخسی (ہندیه، جلد:۱، ص:۱۶۸)

"جو شخص اپنی جان، مال، مسلمانوں یا اہلِ ذمہ کا دفاع کرتے ہوئے قتل ہو جائے تو وہ شہید ہے، خواہ وہ کسی بھی آلۂ قتل.....لوہے پتھر، لکڑی وغیرہ...سے قتل ہوا ہو۔"

واللہ اعلم بالصواب

عبدالدیان عفااللہ عنہ

دارالافتاء، مرکزی جامع لال مسجد (اسلام آباد)

اس فتوے پر پاکستان بھر کے مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے ۵۰۰ سے زائد مفتیانِ عظّام، علمائے کرام اور شیوخ الحدیث کے دستخط ثبت ہیں۔ جگہ کی کمی کی وجہ سے صرف چند علما کے نام و دستخط ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں:

(۱)مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ، شیخ الحدیث جامعہ بنوریؒ ٹاؤن، کراچی۔

(۲)مولانا ظہور الحق صاحب، مدیر دارالعلوم معارف القرآن، مدنی مسجد، حسن ابدال۔

(۳)مولانا عبدالسلام صاحب، شیخ الحدیث اشاعت القرآن، حضرو، اٹک۔

(۴) قاری چن محمد، مدرس اشاعت القرآن، حضرو۔

(۵)مفتی سیف اللہ حقانی صاحب، رئیس دارالافتاء، دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، نوشہرہ۔

(۶)مولانا عبدالرحیم صاحب، خطیب جامع مسجد ۳۳، جنوبی سرگودھا۔

(۷)فتح محمد صاحب، مدیر جامعہ صدیقیہ، واہ کینٹ۔

(۸)مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب، مہتمم جامعہ بنوریؒ ٹاؤن، کراچی۔

(۹)مفتی حمید اللہ جانؒ صاحب، جامعہ اشرفیہ، لاہور۔

(۱۰)مفتی شیر محمد صاحب۔

(۱۱)مفتی زکریا صاحب، دارالافتاء جامعہ اشرفیہ، لاہور۔

(۱۲)مولانا محمد اسحاق صاحب، مہتمم مدرسہ تدریس القرآن وخطیب مرکزی جامع لالہ رخ، واہ کینٹ۔

(۱۳)مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب، مہتمم جامعہ ابوہریرہؓ زرّہ میانہ، نوشہرہ۔

(۱۴)مفتی حبیب اللہ صاحب۔ دارالافتاء والارشاد ناظم آباد، کراچی۔

(۱۵)مولانا محمد صدیق صاحب، مہتمم جامعہ تعلیم القرآن مدنی مسجد، لائق علی چوک، واہ کینٹ

(۱۶)مولانا عبدالمعبود صاحب، جامع مسجد پھولوں والی، رحمن پورہ، راولپنڈی۔

(۱۷) قاری سعید الرحمٰن صاحب، مدیر جامعہ اسلامیہ صدر، راولپنڈی۔

(۱۸) قاضی عبدالرشید صاحب، مہتمم دارالعلوم جامعہ فاروقیہ، دھمیال کیمپ، راولپنڈی۔

(۱۹)مولانا محمد صدیق اخونزادہ صاحب۔

(۲۰)مفتی ریاض احمد صاحب، دارالافتاء دارالعلوم تعلیم القرآن، راجہ بازار، راولپنڈی

(۲۱)مولانا محمد عبدالکریم صاحب، مدیر جامعہ قاسمیہ، ایف سیون فور، اسلام آباد۔

(۲۲)مفتی محمد اسماعیل طوروصاحب، دارالافتاء جامعہ اسلامیہ، صدر، راولپنڈی۔

(۲۳)مولانا محمد شریف ہزاروی صاحب، خطیب جامع مسجد دارالاسلام، جی سکس ٹو، اسلام آباد

(۲۴)مولانا فیض الرحمٰن عثمانی صاحب، رئیس ادارۂ علوم اسلامیہ، سترہ میل، بہارہ کہو، اسلام آباد

(۲۵)مولانا عبداللہ حقانی صاحب، شیخ الحدیث مدرسہ وجامعہ خدیجۃ الکبریٰؓ، اسلام آباد۔

(۲۶)مولانا محمود الحسن طیب صاحب، مفتی مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ۔

(۲۷)مولانا محمد بشیر سیالکوٹیؒ صاحب، مدیر معهد اللغة العربية ومدیر بیت العلم، اسلام آباد

(۲۸)مولانا وحید قاسمی صاحب، جنرل سیکرٹری عالمی مجلس ختم نبوت و مدیر مدرسہ فاروقیہ، اسلام آباد

(۲۹)مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحبؒ، شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، نوشہرہ۔

(۳۰)مولانا مفتی پیر سیّد مختار الدین شاہ صاحب، کربوغہ شریف، خلیفۂ مجاز شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ۔

(۳۱)مولانا فضل محمد صاحب، استاذ الحدیث جامعہ بنوریؒ ٹاؤن، کراچی۔

(۳۲)مولانا سعید اللہ شاہ صاحب۔ استاذ الحدیث۔

(۳۳)مولانا سبحانُ اللہ صاحب، مفتی جامعہ امداد العلوم، صدر، پشاور۔

(۳۴)مولانا محمد قاسم ابن مولانا محمد امیر بجلی گھر، پشاور۔

(۳۵)مفتی غلام الرحمٰن صاحب، رئیس دارالافتاء جامعہ عثمانیہ، صدر، پشاور۔

(۳۶)مولانا مفتی سید قمر صاحب، دارالافتاء دارالعلوم سرحد، دارالعلوم آسیا گیٹ، پشاور۔

(۳۷)مولانا محمد امین اورکزئی شہیدؒ، شاھو وام، ہنگو۔

(۳۸)مولانا شیخ الحدیث محمد عبداللہ صاحب۔

(۳۹)مفتی دین اظہر صاحب۔

(۴۰)مولانا مفتی عبدالحمید دین پوری۔

(۴۱)مفتی ابوبکر سعید الرحمن صاحب۔

(۴۲)مفتی محمد شفیق عارف صاحب۔

(باقی صفحہ نمبر 45پر)

اللہ کے لشکر!

شیخ عبد اللہ محیسنی حفظہ اللہ

عالَم عرب کے معروف عالمِ دین و مجاہد داعیٔ دین شیخ عبد اللہ محیسنی کے سلسلہ بیان 'جنود اللہ' کا اردو استفادہ

الحمد للہ والصلاۃ والسلام علیٰ رسول اللہ، امابعد!

بلا شبہ آج پوری دنیا اللہ کے ایک چھوٹے سے سپاہی کے سبب معطل ہو چکی ہے۔ معاصر تاریخ میں پہلی بار پوری دنیا بغیر کسی وارننگ اور ڈیڈ لائن کے مفلوج ہو کر رہ گئی۔ ملکوں کے دروازے بند ہو گئے، جہازوں کی پروازیں معطل ہو گئی ہیں، دفاتر بند ہو گئے ہیں...... الغرض دنیا کے تمام معاملات رک گئے ہیں۔

شراب خانے، بدکاری کے اڈے، کلبز (clubs)، عالمی سٹاک ایکسچینج کی منڈیاں......سب بند ہو گئے۔ سڑکوں پر سوائے ایمبولینس اور پولیس کے کوئی نظر نہیں آتا۔ سیکولرازم کی علامتیں اور لبرل ازم کے نشانات سمٹ گئے۔ 'انسانیت' کی دعوے دار حکومتیں لٹیروں میں بدل گئیں...... حتیٰ کہ ایک ملک نے ادویات اور دیگر سامان سے لدا ایک بحری جہاز اغوا کر لیا۔

وہ لوگ جو اپنے آپ کو لبرل کہتے ہیں، دین کو دنیا سے الگ گردانتے ہیں...... جو کہتے تھے دین کو دنیا کے تمام معاملات میں نہ لاؤ، دین کو صرف مسجد کی حد تک رکھو اور ہمیں ہر معاملے میں 'اللہ' کہنے پر مجبور نہ کرو...، انہی ممالک کے سربراہ جو اذان سے روکتے تھے، جو تکبیر کی آواز بلند ہونے سے روکتے تھے، آج کہہ رہے ہیں "کنیسے میں جاؤ اور اذان دو"۔

اٹلی کا وزیرِ اعظم کہتا ہے: اے لوگو! دنیا کے پاس تمام حل ختم ہو چکے اور اب ہم آسمان سے حل کا انتظار کر رہے ہیں، سبحان اللہ!

یہ کس نے ان کے متکبر سروں کو جھکا دیا؟ جو کہتے تھے کہ دنیا چاند پر پہنچ گئی ہے اور تم ابھی تک وضو کی باتیں کر رہے ہو! دنیا نے ایٹم بم بنا دیے اور تم ابھی تک نمازوں میں لگے ہوئے ہو!...... آج یہی لوگ وضو کے احکام سیکھ رہے ہیں۔ کیا یہ سب صرف ایک وائرس کی وجہ سے ہے جسے تم اپنی ظاہری آنکھ سے دیکھ بھی نہیں سکتے؟ یہ تو اللہ کی مخلوق میں سے ایک چھوٹی سے مخلوق ہے، اللہ کے سپاہیوں میں سے ایک چھوٹا سا سپاہی، جس نے تمہیں اتنی مشکل میں ڈال دیا...... جس نے تمہیں اتنا ڈرا دیا، تمہارے دل جس کی وجہ سے سہم گئے!! اے دنیا والو! کیا تم اتنے چھوٹے سے وائرس "کورونا" سے گھبرا گئے؟ پس اپنے ضعف کا اقرار کر لو۔ اپنی شکست کا اقرار کر لو جو کہ اللہ کے لشکروں میں سے ایک چھوٹے سے لشکر کے ہاتھوں تمہیں ہوئی ہے۔

پس خدارا مجھے بتاؤ! تم آخر کیا کرو گے، دنیا کیا کرے گی، یہ بڑی بڑی حکومتیں بھلا کیا کریں گی، اگر اللہ تعالیٰ انسانوں پر پتھروں کی بارش برسائے یا اگر اللہ تعالیٰ سمندروں کو پھاڑ دے یا زمین سے پانی پھوٹنے لگے اور سیلابوں کی صورت اختیار کر لے......؟ اے دنیا والو! تم کیا کرو گے اگر اللہ تعالیٰ آسمان کا کوئی ٹکڑا زمین پر گرا دیں، یا زمین پر زلزلہ برپا ہو جائے، یا زمین پھٹ جائے یا اللہ سورج کو زمین کے قریب لے آئے اور لوگ اس کی تپش سے جلنے لگیں؟

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَن يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّن فَوْقِكُمْ أَوْ مِن تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُم بَأْسَ بَعْضٍ...... (سورۃ الانعام:۶۵)

"کہہ دو! وہی اس پر قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیج دے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے، یا تمہیں مختلف گروہ بنا کر گتھم گتھا کر دے اور تمہیں ایک دوسرے کی لڑائی (کا مزہ) چکھائے۔"

اور رہے ہم مسلمان! تو واللہ ہم متعجب نہیں ہوئے، ہمیں حیرت نہیں ہوئی بلکہ ہم تو بندوں کی نافرمانیوں پر اللہ کے رحمت اور حلم کے معاملہ پر تعجب کرتے ہیں۔ خدارا مجھے بتائیں! دنیا نے کون سی نافرمانی نہیں کی؟ دنیا نے کون سا ایسا کام نہیں کیا جو اللہ کے ساتھ جنگ کے مترادف ہے؟ تم نے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کا کون سا طریقہ چھوڑا ہے؟! تم نے اللہ کے اولیا سے جنگ کی، تم نے اصلاح کے خواہاں لوگوں کو قتل کیا، تم نے مصلحین کو قید و بند کی صعوبتوں میں ڈالا، تم نے کمزوروں پر ظلم کیا، تم نے مسلمانوں کی تحریکوں کو کچلنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، تم نے مسلمانوں کے خلاف ہر جگہ جنگ کی، ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے...۔ برما چیخ رہا ہے، ایغور (مشرقی ترکستان) رو رہا ہے، تم نے سود کھایا، جوا عام کیا۔ تمہارے گھر بلکہ مسلمانوں کے گھر فحاشی و عریانی سے بھر گئے۔ زنا عام ہو گیا، بے ہودگی پھیل گئی، بدکار عورتوں کو پھیلایا گیا۔

اے بے چارے انسان! کیا تم اس کا انتظار کر رہے ہو کہ تم پر غم چھا جائیں اور پریشانیاں تمہیں گھیر لیں، اور تم موت کو دیکھ لو اور موقع ضائع ہو جائے تو تم اپنے اللہ کو پکارو گے؟ اے مسکین آدمی! کیا تم اللہ سے نہیں شرمائے؟ تم اسے تب ہی یاد کر رہے ہو جب تم پر بلائیں اتر آئیں، اور تمہاری بیماری سنگین و سخت ہو گئی!...... جان لو! وہ اللہ اس کے بعد بھی اور پہلے بھی تمہارے قریب ہے اور تمہاری پکار کا جواب دینے والا، اپنے بندوں پر مشفق ہے۔

اللہ کا ایک "سپاہی" جو اللہ کا سب سے عظیم سپاہی ہے اور سب سے زیادہ قوی سپاہی ہے، اس کی قوت سے عقلیں حیران رہ جاتی ہیں، اس کی قوت کا سامنا نہ کوئی قوت کر سکتی ہے نہ کوئی طاقت؛ لشکروں کو شکست دینے والے...... یہ اللہ کے حکم سے چلتے ہیں۔ انہیں نہ شکست کا ڈر ہے نہ کسی کے غلبے کا۔ نبیٔ امین صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو اس سے خوف زدہ ہو گئے۔ اللہ نے اس

کا ذکر قرآن میں کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی آنکھ سے دیکھا۔ آج تک انسانوں نے اس جیسی قوت نہیں دیکھی۔ اللہ کے یہ سپاہی "جبریل علیہ السلام" ہیں۔ کیا انسانوں کے پاس کوئی اس جیسی قوت ہے؟ جو اپنی فوجوں، قوت و اسلحے سے ڈراتے ہیں، کیا وہ اس کی قوت کا مقابلہ کرسکتے ہیں.....؟

وہ جبریلِ امینؑ جن کے بارے میں قرآنِ مجید نے فرمایا کہ:

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ○ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ○مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ○(سورۃ التکویر: ۱۹-۲۱)

"یہ (قرآن) یقینی طور پر ایک معزز فرشتے کا لایا ہوا کلام ہے۔ جو قوت والا ہے، جس کا عرش والے کے پاس بڑا رتبہ ہے۔ وہاں اس کی بات مانی جاتی ہے۔ وہ امانت دار ہے۔"

پھر آگے فرمایا:

وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ○(سورۃ التکویر: ۲۳)

"اور یہ بالکل سچی بات ہے کہ انہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس فرشتے کو کھلے ہوئے افق پر دیکھا ہے۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جبریلِ امین کو دیکھا تو آپ علیہ السلام پر ان کی دہشت کی وجہ سے غشی طاری ہوگئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آسمانوں اور زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ ان کے چھ سو (۶۰۰) پر تھے جنہوں نے افق کو ڈھانپ لیا تھا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو طائف والوں نے تکلیف پہنچائی تو جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آئے اور فرمایا: "اگر آپ اجازت دیں تو میں ان کو ان دو پہاڑوں کے درمیان کچل دوں؟"

جبریل نے قومِ لوط کو پہاڑوں، گھروں اور ہر چیز کے ساتھ اٹھایا اور آسمانوں کی بلندی پر لے جا کر زمین پر دے مارا۔ پس کون سی قوت ہے جو اس قوت کے برابر ہے؟ کہاں یہ اور کہاں نیٹو کی طاقت! کہاں سلامتی کونسل کی قوت! کہاں سوویتی اتحاد! کہاں دنیا کی ساری قوتیں اور کہاں یہ اللہ کا ایک سپاہی، سبحان اللہ!

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ اور تمہارے رب کے لشکروں کو صرف وہی جانتا ہے۔

جس اللہ نے داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم کر دیا، سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا، جو ان کے حکم سے چلتی تھی، سمندر کو موسیٰ علیہ السلام کی نجات کا ذریعہ بنایا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآن کے ذریعے مدد کی، چاند کو ان کے لیے دو ٹکڑے کر دیا، قومِ عاد کو ہلاک کیا، ان پر تیز ہوا بھیجی اور ہود علیہ السلام کو نجات دی، آگ کو ابراہیم علیہ السلام کے لیے ٹھنڈا اور سلامتی والا بنا دیا، فرعون اور اس کی قوم کو غرق کر دیا، جس نے ٹڈیوں، جوؤں اور مینڈکوں کو قومِ فرعون پر بطور نشانی بھیجا...... اس کی قوت گواہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے، آسمانوں کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہے، زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ اگر اس کو نہ تھامے تو یہ تھر تھرانے لگے۔ پس اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ اگر تم فرشتوں کو دیکھ لو جب وہ اللہ کے دشمنوں کو جنگ میں مار رہے ہوتے ہیں، اگر تم قومِ لوط کو دیکھ لیتے جب وہ انہیں آسمانوں کی بلندی سے گرا رہا تھا تو عقل بے کار ہو جائے اور حواس باختہ ہو جائیں۔ یہ اللہ کی قدرت ہے، وہ اللہ جو نعمتوں کو نافرمانوں کی تباہی کا ذریعہ بنا دیتا ہے۔

جبریل علیہ السلام فرشتوں میں معزز ترین ہیں، جن کا مقابلہ کوئی انسانی قوت نہیں کر سکتی۔ جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اور اسے غصہ دلاتا ہے پھر اللہ انہیں اس پر مسلط کر دیتا ہے۔ پس ہے کوئی جو نصیحت حاصل کرے؟!

ع سکونِ جہاں تم کہاں ڈھونڈتے ہو؟

تم کس جگہ نجات کے متلاشی ہو؟ یہ نجات تو وہاں ہے جہاں اللہ کے بندے اللہ کے سامنے سجدے کرتے ہیں۔ نجات تو وہاں اس کے پاس ہے جس کے سوا سب کچھ ختم ہو جانے والا ہے۔

نجات اور جاں خلاصی وہاں ہے جہاں پکارنے والے پکار رہے ہوتے ہیں کہ اے اللہ! ہم تیرے دروازے پر جھک گئے ہیں، اور تیرے سامنے ذلیل ہو گئے ہیں۔ یہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اندھیری راتوں میں نجات دیتا ہے۔

مجھ سے ایک دوست نے اپنا واقعہ بیان کیا۔ کہتا ہے کہ ہم ایک بار ایک ویران صحرا میں گئے جس میں دور دور تک زندگی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ ہم اپنے ساتھ کھانے کا سامان اور مختلف تفریحی چیزیں لے گئے۔ وہاں ہم نے دو ہفتے گزارے اور خوب تفریح کی۔ دو ہفتوں کے بعد ہم واپس لوٹے۔ ہمارے ساتھ ایک رہبر تھا جو گاڑی چلا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ بالکل خاموش ہو گیا، اور گاڑی چلاتا رہا۔ ہم سمجھے شاید یہ کسی وجہ سے پریشان ہے۔ ہم نے اس سے پوچھا کہ کیا مشکل ہے؟ تو کہنے لگا: میں راستہ بھول چکا ہوں۔ اس کا بتانا تھا کہ ہم انتہائی پریشان ہو گئے۔ بس یہ بالکل 'تیہ' کی حالت تھی جو اللہ نے بنی اسرائیل پر مسلط کی۔ خیر کوئی چار گھنٹوں بعد ان کو ایک آدمی مل گیا جس نے ان کی ضیافت کی اور ان کو اس علاقہ سے نکلنے کا راستہ بتایا۔ پس یہ 'تیہ' ہے جو اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے جو اللہ تعالیٰ اپنی نافرمانی کرنے والوں پر مسلط کر دیتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اللہ کا عذاب صرف کافروں پر ہی اترتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ بنی اسرائیل اس وقت اللہ کے چہیتے تھے، وہ موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کرنے والے تھے بلکہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مل کر اللہ کی راہ میں جہاد بھی کرتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام انہیں لے کر ارضِ مقدس کی طرف گئے اور اپنے لشکر کا ایک دستہ ارضِ مقدس میں بھیجا۔ انہوں نے وہاں بڑی بڑی عمارتیں دیکھیں، اپنے سے زیادہ مضبوط اور طاقت ور لوگ دیکھے اور ان کا موازنہ اپنے لشکر سے کرنے لگے (جیسے آج مجاہدین اور کفار کے لشکروں میں موازنہ کر کے اس کو جہاد سے پیچھے رہنے کے لیے حیلہ و حجت بنایا جاتا ہے)، تو یہ لوگ واپس موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور کہنے لگے:

قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ○(سورۃ المائدۃ:۲۲)

"وہ بولے کہ اس میں تو بڑے زور آور لوگ ہیں اور ہم اس میں نہیں داخل ہونے والے جب تک کہ وہ وہاں سے نکل نہ جائیں۔ اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم داخل ہو جائیں گے۔"

بنی اسرائیل نے جب ان لوگوں سے ان کی طاقت کا حال سنا تو قتال سے رک گئے اور کہنے لگے:

قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ○(سورۃ المائدۃ:۲۴)

"وہ بولے کہ اے موسیٰ! ہم اس میں ہر گز داخل نہیں ہوں گے، جب تک وہ اس میں موجود ہیں۔ تو تم اور تمہارا خدا جا کر لڑو، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے اسی کے سبب ان پر ذلت اور 'تیہ' اتاری (جو قوم اللہ کی راہ میں جہاد سے بیٹھ رہتی ہے اس کا یہی انجام ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر ذلت مسلط کر دیتے ہیں)۔ یہ لوگ چالیس سال تک صحرا میں بھٹکتے پھرتے رہے جہاں نہ کوئی سایہ تھا اور نہ ہی کوئی کھانے پینے کی چیز[1]۔ آخر چالیس سال کے بعد انہوں نے اللہ کی طرف رجوع کیا، توبہ کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فلسطین میں ان کو فتح یاب فرمادیا، اور وہ دوبارہ اپنی نعمتوں والی زندگی کی طرف لوٹے۔

'تیہ'، جو اللہ نے بنی اسرائیل کی نافرمانی کے باعث ان پر اتاری تھی آج ہمیں بھی اسی کا سامنا ہے۔ لیکن ہم پر یہ کسی صحرا میں نہیں اتری بلکہ آج ہم شبہات، اور فروعی مسائل میں 'تیہ' کا شکار ہیں۔ آج ہم سیکولر ازم، لبرل ازم اور جدید تہذیب کی صورت میں تیہ کا شکار ہیں۔ ہم مغرب اور پہلی گمراہ قوموں کی اتباع اور دین کے مفاہیم کو بدلنے میں تیہ کا شکار ہیں۔ ہم درباری علما اور مسلمانوں کے درمیان اختلافات کی صورت میں تیہ کا شکار ہیں۔ یہ تیہ ہے جو اللہ کی نافرمان قوموں پر اترتی ہے۔

پس اے قوم مسلم! اللہ کی طرف لوٹ آؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت سے نوازے گا اور تمہیں اس تیہ سے نکلنے کا راستہ دکھائے گا۔ یہ ایک آفاقی حقیقت ہے کہ اللہ کے راستے کے علاوہ سارے راستے مزید گمراہی ہیں اور تقویٰ کے بغیر ہر امن خوف ہے۔ اور اللہ کی ہر نافرمانی 'تیہ' ہے۔ پس حقیقی امن، کامیابی اور سعادت یہ ہے کہ بندہ اللہ کی عظمت سمجھے اور اس کی اطاعت کرے، اللہ سے ڈرے اور اس کی نافرمانی نہ کرے، اور اپنا محور اللہ کی اطاعت کو بنادے۔ پس دوڑو اپنے اللہ کی طرف!

و آخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین!

بقیہ: وانا فتویٰ

(۴۳) مفتی انعام الحق صاحب۔

(۴۴) مفتی عبد القادر، جامعہ بنوریؒ ٹاؤن، کراچی۔

(۴۵) مولانا سید سلیمان بنوری صاحب، نائب مہتمم جامعہ بنوریؒ ٹاؤن، کراچی۔

(۴۶) مفتی جمال احمد صاحب، دار العلوم فیصل آباد۔

(۴۷) مولانا محمد زاہد صاحب، جامعہ امدادیہ، فیصل آباد۔

(۴۸) پیر سیف اللہ خالد صاحب، مدیر جامعہ المنظور الاسلامیہ، لاہور۔

(۴۹) مولانا عزیز الرحمٰن صاحب، مفتی جامعہ المنظور الاسلامیہ، لاہور۔

(۵۰) مولانا احمد علی صاحب مدرسہ الحسنین، گرین ایریا، فیصل آباد۔

(۵۱) مفتی محمد عیسیٰ صاحب، دار العلوم اسلامیہ، کامران بلاک، لاہور۔

(۵۲) مولانا رشید احمد علوی صاحب، مدیر دار العلوم اسلامیہ۔

(۵۳) قاضی حمید اللہ صاحب، مرکزی جامع مسجد شیر اں والا باغ، گوجرانوالہ۔

(۵۴) مولانا فخر الدین صاحب، جامعہ اشرف العلوم، گوجرانوالہ۔

(۵۵) مفتی عبد الدیان صاحب، مفتی مرکزی جامع مسجد، اسلام آباد۔

(۵۶) مفتی محمد فاروق صاحب، رئیس دار الافتاء جامعہ فریدیہ، اسلام آباد۔

(۵۷) مولانا محمد عبد العزیز صاحب، خطیب مرکزی جامع مسجد، اسلام آباد۔

(۵۸) مفتی سیف الدین صاحب، جامعہ محمدیہ، ایف سکس فور، اسلام آباد۔

مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ کا فتویٰ:

اگر کسی فوجی کو "ایک مسلمان کے قتل" اور "پھانسی یا کورٹ مارشل" کے درمیان (کسی ایک چیز کے اختیار کرنے کا) فیصلہ کرنا پڑ جائے تو اللہ تعالیٰ کے قانون میں اس کے لیے اخروی لحاظ سے آسان، سہولت دہ اور جائز یہی ہے کہ وہ اپنے لیے "کورٹ مارشل" اور "تختۂ دار" کا راستہ اختیار کر لے۔

کوہاٹ کے مفتیان کا فتویٰ:

"شریعت کی رو سے مسلمانوں کے خلاف لڑنے والے فوجی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے باغی ہیں اور ان کا مرنا حرام موت ہے اور ان کا حکم "قطّاع الطریق" یعنی راہزن اور ڈاکو کا ہے۔ نمازِ جنازہ کے لیے جو حکم راہزن اور ڈاکو کا ہے وہی ان کا ہے۔"

دار العلوم اکوڑہ خٹک کے مفتیانِ کرام کا فتویٰ:

"فقہ کی معتبر اور مشہور کتب در مختار و رد مختار میں ہے کہ عصبی (جو وطن یا قوم کی عصبیت میں لڑتا ہوا مارا جائے) پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھائی جائے گی۔"

★★★★★

[1] یہی حالت "تیہ" کہلاتی ہے۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں!

﴿حصۂ دوم﴾

استاد اسامہ محمود حفظہ اللہ

یہ تحاریر بنیادی طور پر شیخ ابو قتادہ فلسطینی حفظہ اللہ کے کتابچے "درك الهدىٰ في اتباع سبيل الفتى" (نوجوان کے نقشِ قدم پر حصولِ ہدایت کا سفر) کو سامنے رکھ کر مرتب کی گئی ہیں، کتابچے میں شیخ نے اصحاب الاخدود والی حدیث کی شرح کی ہے اور اس میں موجود حکمت کے ان موتیوں کو سمیٹا ہے جو دعوت و جہاد کے راہیوں کے لیے انتہائی اہم اور قیمتی ہیں۔ شیخ ابو قتادہ کی اس تالیف میں بعض اہم نکات کی تشریح اور ان کے ذیل میں بہت سے دیگر اہم مفاہیم و مبادی کو استاد اسامہ محمود نے بیان کر کے اسے مزید نافع بنا دیا ہے۔ اللہ یہ اسباق سمجھنے اور ان پر عمل کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے، آمین۔ (ادارہ)

اصحاب الاخدود کی حدیث میں نوجوان کی کرامت سے بات آگے بڑھی تھی، کرامت و معجزے پر اور یہ کہ قرآن رسول اللہ ﷺ کا عظیم معجزہ ہے، آج بھی بہت سے بھٹکے ہوؤں کو راہ نجات دکھاتا ہے، پر تفصیل سے بات ہوئی تھی۔ اب یہ حلقہ اللہ کی کتاب عظیم الشان قرآن مجید ہی سے متعلق ہے جو گزشتہ ماہ کے حلقے کا ان شاء اللہ تکملہ ہو گا۔

کتاب اللہ ہماری دائمی ضرورت

منزل تک جانے والے راستے کی پہچان ہی صرف کافی نہیں ہوتی ہے، راستے پر قدم رکھنے اور آگے بڑھنے کی توفیق بھی چاہیے ہوتی ہے، پھر راہ چلتے ہوئے بھی لحہ بہ لحہ انسان کئی چیزوں کا محتاج رہتا ہے۔ مسافر راستہ جانتا ہو اور اس پر بڑھ بھی رہا ہو تو دورانِ سفر دیگر چند امور کا اس کے قلب و ذہن میں ہونا ضروری ہوتا ہے۔ کس وقت چلنا ہے اور کب پڑاؤ ڈالنا ہے، کہاں کھائی پر سے گزرہے اور کس جگہ ڈاکوؤں کا خطر ہے؟ کہاں سے تیز گزرنا ہے اور کہاں آہستہ، دن کے وقت کیا طریق ہو اور رات کو کیا احتیاط ہو، پھر یہ سب اعمال بھی صرف اس وقت ممکن ہوتے ہیں جب راستے سے ہٹ جانے کا خوف اور منزل تک پہنچ جانے کا شوق مسافر پر غالب ہو، ضروری ہے کہ مسافر راستے کے ارد گرد آنے والے 'حسین مناظر' میں مگن نہ ہو جائے، ہر لحہ اسے یہ احساس و یقین ہو کہ اس کی کامیابی خاص اس منزل ہی کی طرف بڑھتے جانے میں ہے اور خدانخواستہ اپنی کسی غلطی سے منزل اگر تبدیل ہو گئی تو انجام اچھا نہیں ہو گا۔ ایک بندے کے لیے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی رضا اور اس کی جنتوں کو پانے کا یہ سفر بھی اس سے مختلف نہیں، یہ سفر حد درجہ یقین و اعتقاد کا بھی تقاضا کرتا ہے اور خوف، محبت اور امید کا ہونا بھی اس میں ضروری ہے۔ یہاں کوئی ایک دفعہ اگر صراطِ مستقیم پا لیتا ہے تو وہ ہدایت سے مستغنی نہیں ہو جاتا، منزل تک پہنچنے کے لیے اسے ہر ہر لحہ اور ہر ہر قدم پر ہدایت درکار ہوتی ہے۔ قلب کا تو معنی ہی الٹ پلٹ ہے، یہ الٹتا پلٹتا ہے، اس لیے بندے کو ہر ہر گھڑی معرفت اور توفیق کی ضرورت رہتی ہے، اسے مستقل وہ بصیرت چاہیے ہوتی ہے کہ جس سے سراب و حقیقت اور حق و باطل میں فرق ہو سکتا ہو اور ساتھ ہی اُس روحانی غذا اور قلبی حرارت کا ہونا بھی ضروری ہوتا ہے کہ جس کے بغیر جانبِ منزل قدم لینا ناممکن ہو، اس سب کا منبع و ماخذ، انسان کی ہدایت کا ایک اہم ذریعہ و وسیلہ اللہ رب العزت نے اپنی کتابِ عظیم کو قرار دیا ہے۔

تعلق مع القرآن کی ضرورت

کتاب اللہ پر ایمان رکھنا، اس کی عظمت و محبت کو دل میں اتارنا، اس کے الفاظ و معانی کو سیکھنا اور دوسروں کو سکھانا، اس کی تلاوت کرتے رہنا، اسے سننا اور حفظ کرنا، اس کے معانی و مضامین میں غور و فکر کرنا، اس کے احکامات، فیصلوں اور ہدایات پر راضی رہنا اور انہیں عمل میں ڈھالنے کے لیے بھرپور سعی کرنا، نیز اس کی دعوت و پیغام دوسروں تک پہنچانا اور اللہ کی زمین پر اللہ کی اس کتاب کو حاکم کرنے کے لیے تحریک و جہاد بپا کرنا یہ سارے اعمالِ خیر قرآن کے ساتھ تعلق کے زمرے میں آتے ہیں۔ یہ تعلق جتنا قوی ہو اور اس کی جڑیں جس قدر دل کے اندر تک پیوست ہوں، اُسی قدر بندے کا اللہ کی رضا پا لینے کا سفر کامیاب ہو گا۔ آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

"فَإِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ سَبَبٌ طَرَفُهُ بِيَدِ اللهِ وَطَرَفُهُ بِأَيْدِيكُمْ فَتَمَسَّكُوا بِهِ، فَإِنَّكُمْ لَنْ تَضِلُّوا وَلَنْ تَهْلِكُوا بَعْدَهُ أَبَدًا."

"بے شک یہ قرآن ایسا ذریعہ (رسی) ہے کہ جس کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا تمہارے ہاتھ میں، پس اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑے رکھو، (اگر اسے مضبوطی سے پکڑے رکھا) تو نہ کبھی تم گمراہ ہو گے اور نہ ہلاک۔"

مضبوطی سے پکڑے رکھنے کا مطلب اس پر قوی ایمان، اس کی اچھی تلاوت اور اس پر احسن انداز میں عمل ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ قرآن کی تلاوت کرنے اور اس پر عمل کرنے والے کے لیے اللہ نے ضمانت دی ہے کہ وہ نہ دنیا میں گمراہ ہو گا اور نہ آخرت میں نامراد، یہ فرما کر پھر آپؓ یہ آیت بطورِ دلیل تلاوت کرتے کہ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ[1]، "پھر اگر تمہیں میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جو میری ہدایت پر چلے گا تو نہ گمراہ ہو گا اور نہ تکلیف اٹھائے گا"۔ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو نصیحت کی، فرمایا:

"جتنا تم سے ہو سکے اللہ کے قریب ہو جاؤ اور جان لو کہ تم اللہ کی قربت اللہ کی کتاب کے علاوہ کسی اور چیز سے حاصل نہیں کر سکتے ہو (اس لیے کہ یہ کتاب ہی) اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے"...[2]

[1] سورۃ طٰہ: ۱۲۳

[2] جامع العلوم والحکم

تلاوتِ قرآن یا تدبرِ قرآن؟

تلاوت قرآن اور تدبر فی القرآن دو اعمال ہیں اور یہ دونوں اپنی جگہ مطلوب ہیں۔ تلاوتِ آیات پر بہت زیادہ اجر ہے، حدیث کے مطابق ایک حرف پر دس نیکیاں ہیں جبکہ تدبر فی القرآن بھی قرآن کا مطالبہ ہے، اس کے ذریعہ ایمان ویقین میں اضافہ ہوتا ہے، قلب میں نور بھرتا ہے اور اعمال صالحہ کی مزید توفیق ملتی ہے، لہٰذا دونوں اعمال ضروری ہیں۔ نہ تو تدبر فی القرآن کی اہمیت وضرورت کی بدولت تلاوتِ قرآن کی جو فضیلت ہے، اس کی نفی کرنا ٹھیک ہے اور نہ ہی تلاوتِ قرآن پر قانع ہو کر بس اسی کو ہی کافی وشافی سمجھنا درست ہے۔ دونوں کا اپنا اپنا مقام اور اپنی اپنی ضرورت وافادیت ہے۔ اللہ رب العزت نے رسول اللہ ﷺ کے جو فرائض منصبی بیان کیے ہیں، ان میں تلاوتِ کتاب اور تعلیم کتاب دونوں کا الگ الگ ذکر ہے رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ [1]۔ مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

"اس آیت میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے فرائض منصبی میں تعلیم کتاب سے علیحدہ، تلاوت آیات کو جداگانہ فرض قرار دے کر اس کی طرف اشارہ کر دیا کہ قرآن کریم میں جس طرح اس کے معانی مقصود ہیں اسی طرح اس کے الفاظ بھی مقصود ہیں کیونکہ تلاوت الفاظ کی ہوتی ہے معانی کی نہیں؛ اسی لیے جس طرح رسول کے فرائض میں معانی کی تعلیم داخل ہے اسی طرح الفاظ کی تلاوت اور حفاظت بھی ایک مستقل فرض ہے۔ اس میں شبہہ نہیں کہ قرآنِ کریم کے نزول کا اصل مقصد اس کے بتائے ہوئے نظام زندگی پر عمل کرنا اور اس کی تعلیمات کو سمجھنا اور سمجھانا ہے، محض اس کے الفاظ رٹ لینے پر قناعت کر کے بیٹھ جانا قرآن کریم کی حقیقت سے بے خبری اور اس کی ناقدری ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ کہنا کسی طرح صحیح نہیں کہ جب تک قرآن کریم کے الفاظ کے معانی نہ سمجھے طوطے کی طرح اس کے الفاظ پڑھنا فضول ہے۔ یہ اس لیے واضح کر رہا ہوں کہ آج کل بہت سے حضرات قرآن کریم کو دوسری کتابوں پر قیاس کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک کسی کتاب کے معنی نہ سمجھیں تو اس کے الفاظ کا پڑھنا پڑھانا وقت ضائع کرنا ہے مگر قرآن کریم میں ان کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن الفاظ و معنی دونوں کا نام ہے جس طرح ان کے معانی کا سمجھنا اور اس کے دیے ہوئے احکام پر عمل کرنا فرض اور اعلیٰ عبادت ہے اسی طرح اس کے الفاظ کی تلاوت بھی ایک مستقل عبادت اور ثواب عظیم ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور صحابہ کرام جو معانئ قرآنی کو سب سے زیادہ جاننے والے اور سمجھنے والے تھے انہوں نے محض معنی سمجھ لینے اور عمل کر لینے کو کافی نہ سمجھا، سمجھنے اور عمل کرنے کے لیے تو ایک مرتبہ پڑھ لینا کافی ہوتا، انہوں نے ساری عمر تلاوت قرآن کو حرز جان بنائے رکھا...... مقصد یہ ہے کہ جو مسلمان فی الحال معانی قرآن کو نہیں سمجھتے وہ اس بد نصیبی میں مبتلا نہ ہو جائیں کہ الفاظ کو فضول سمجھ کر اس سے بھی محروم ہو جائیں، کوشش کرتے رہنا ضروری ہے کہ وہ قرآن کے معانی کو سمجھیں تا کہ قرآن کریم کے حقیقی انوار و برکات کا مشاہدہ کریں اور نزول قرآن کا اصلی مقصد پورا ہو۔"[2]

حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ تدبر کے ساتھ تلاوت زیادہ وقت لیتی ہے اور اس طرح تلاوت بھی کم ہوتی ہے جبکہ بغیر تدبر کے تلاوت زیادہ ہو جاتی ہے، کیا کروں؟ تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ:

"دونوں طرز کی تلاوت کے لیے علیحدہ علیحدہ وقت مقرر کر لو۔ ایک وقت میں زیادہ تلاوت کرو چاہے اس میں زیادہ تدبر نہ کر سکو، اس سے تلاوت کا اجر ملے گا اور دوسرے وقت میں تدبر کے ساتھ تلاوت کرو، اس سے غور و فکر کا نفع وا جر ملے گا۔"[3]

تدبر فی القرآن کے اثرات وثمرات

صاحبِ تفسیر معارف القرآن آیت أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ کے تحت فرماتے ہیں:

"قرآن کا مطالبہ ہے کہ ہر انسان اس کے مطالب میں غور کرے لہٰذا یہ سمجھنا کہ قرآن میں تدبر کرنا صرف اماموں اور مجتہدوں ہی کے لیے ہے صحیح نہیں ہے، البتہ تدبر اور تفکر کے درجات علم و فہم کے درجات کی طرح مختلف ہوں گے ...... عوام اگر قرآن کا ترجمہ اور تفسیر اپنی زبان میں پڑھ کر تدبر کریں تو اس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبت اور آخرت کی فکر پیدا ہو گی جو کلیدِ کامیابی ہے۔ البتہ عوام کے لیے غلط فہمی اور مغالطوں سے بچنے کے لیے بہتر یہ ہے کہ کسی عالم سے قرآن کو سبقاً سبقاً پڑھیں، یہ نہ ہو سکے تو کسی مستند و معتبر تفسیر کا مطالعہ کریں اور جہاں کوئی شبہہ پیش آئے وہاں اپنی رائے سے فیصلہ نہ کریں اور ماہر علماء سے رجوع کریں۔"

---

[1] سورۃ البقرۃ:۱۲۹؛ ترجمہ: "اور ہمارے پروردگار! ان میں ایک ایسا رسول بھی بھیجنا جو انہی میں سے ہو، جو ان کے سامنے تیری آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، اور ان کو پاکیزہ بنائے۔ بے شک تیری اور صرف تیری ذات وہ ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل۔"

[2] تفسیر معارف القرآن از مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ

[3] ملفوظاتِ حکیم الامت؛ جلد ۲۶۔ صفحہ ۴۶

قرآنی آیات اور اس کے مضامین میں غور و فکر سے ایمان بڑھتا ہے اور اس سے اللہ کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ انسان تقویٰ کے زیور سے آراستہ ہو کر اگر اللہ کی آیات پر غور و خوض کرے تو جتنا وہ قرآن پڑھے گا، اُتنا اس کے اسرار و رموز اس پر کھلیں گے۔ اس بیکراں میں غوطہ زن ہو کر ہر دفعہ اس کے قلب و روح کو تازگی ملے گی اور قرآن کے ساتھ قلبی تعلق بھی مزید بڑھے گا۔ حضرت عثمان رضی اللہ کا فرمان ہے:

"لَوْ طَهُرَتْ قُلُوبُكُمْ مَا شَبِعَتْ مِنْ كَلَامِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ."

"اگر تمہارے دل پاک ہو جائیں تو یہ اللہ کے کلام سے کبھی سیر نہیں ہوں گے۔"

مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ االلہ فرماتے ہیں:

"قرآن مجید کے سلسلہ میں آتا ہے کہ اس کا نیا پن، تازگی پرانی نہیں ہوگی اور اس کے عجائب کی کوئی انتہا نہیں، تو اگر آپ کو عمر نوحؑ بھی ملے اور وہ قرآن مجید کے تدبر میں صرف ہو تو ہر روز نئے نئے معانی کھلنے لگیں۔"

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"(قرآن کا معاملہ کچھ ایسا ہے کہ) انسان نے ایک سورت بہت دفعہ پڑھی ہوگی، مثلاً سورۂ فاتحہ (کہ جس کو ہر روز ہر نماز میں ہر رکعت میں ہم پڑھتے ہیں) مگر بعض اوقات اس کے ایسے معانی اللہ تعالیٰ دل میں ڈال دیتے ہیں کہ جن کا انسان نے پہلے تصور بھی نہیں کیا ہوتا ہے؛ اسے ایسا محسوس ہوتا ہے گویا یہ آیت بس ابھی نازل ہوئی ہے۔ وہ اس کے اُس معانی پر بھی ایمان لاتا ہے اور یوں اس کے علم و عمل میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ پھر جب وہ اس حکم الٰہی اور اس کے معانی کا استحضار کر کے عمل کرتا ہے تو اسے وہ قلبی تصدیق مل جاتی ہے جس سے پہلے یہ منکر تو نہیں تھا مگر غافل ضرور تھا۔ یہ نعمت صرف اس فرد کو ہی نصیب ہو سکتی ہے جو قرآن کو تدبر و تفکر کے ساتھ پڑھتا ہو اور اس سے وہ محروم رہتا ہے جو تلاوت تو کرتا ہو مگر اس کا دل اس کے معانی سے غافل ہو۔"[1]

قرآن کے ساتھ تعلق کی چند مثالیں

کتاب اللہ کے ساتھ صحابہ کرام اور سلف صالحین کا تعلق تو مثالی تھا ہی، بعد کے ادوار بھی عشاق قرآن سے کبھی خالی نہیں رہے۔ اللہ کی کتاب ہی ایسی ہے کہ یہ تا قیامت ایسے طاہر قلوب کو پیدا کرتی رہے گی جو اس کی تلاوت کا بھی حق ادا کریں گے اور اس پر عمل کے میدان میں بھی پیچھے نہیں رہیں گے۔ ایسے خوش نصیب لوگوں کے لیے ایک طرح کی دعوت ہوتے ہیں۔ آج کے اس پر فتن دور میں بھی الحمدللہ ایسے خوش نصیب موجود ہیں اور موجود رہے ہیں کہ جن کا قرآن کے ساتھ تعلق مثالی تھا اور جن کو دیکھ کر ہم جیسوں کو اس نعمتِ عظیم کے حوالے سے اپنی کم مائیگی کا احساس ہوتا ہے۔ کتاب اللہ کی تلاوت میں انہیں لطف و راحت ملتی تھی اور ان کی انتہا درجہ کی مصروفیات بھی تلاوتِ قرآن میں کبھی مانع نہیں ہوتی تھیں۔ شہید صدیق (قاسم ہاشمی) رحمہ اللہ کا قرآن کے ساتھ تعلق کچھ ایسا ہی تھا۔ ان کے دن کا بھی زیادہ حصہ تلاوت قرآن میں گزرتا اور رات میں بھی آپ طویل قیام کے عادی تھے۔ ان کی شہادت کے کچھ عرصہ بعد ہمارے ایک انصار نے مجھ سے پوچھا کہ کیا بات ہے آپ کا وہ ساتھی نظر نہیں آرہا جو یہاں درخت کے نیچے بیٹھ کر تلاوت کرتا تھا؟ سبحان اللہ! قرآن کی تلاوت ہی ان کی پہچان بن گئی تھی۔ کسی ساتھی کے ساتھ کہیں راہ چلتے، ساتھی کو اگر راستے میں کسی کام کے لیے ٹھہرنا ہوتا تو آپ تھوڑا انتظار کرتے، وقت زیادہ گزرنے لگتا تو آپ راستے پر ہی کنارے بیٹھ کر قرآن پاک کا جیبی نسخہ کھول لیتے اور تلاوت شروع کر دیتے۔ مصعب (جواد عارف) شہید رحمہ اللہ نے جہاد ہی میں بہت کم عرصے کے اندر قرآن حفظ کر لیا تھا اور نوافل میں اکثر دہرائی کرتے تھے۔ عجیب یہ کہ آپ اپنے اس حفظ کو چھپاتے تھے اور بہت کم لوگوں کو اس کا علم تھا۔ ہمارے (استاد احمد) فاروق بھائی رحمہ اللہ کا بھی قرآن کے ساتھ تعلق بہت عجیب تھا۔ بڑی سے بڑی مصروفیت بھی آپ کو تلاوتِ قرآن سے غافل نہیں کرتی تھی۔ دورانِ تلاوت آپ کے چہرے پر ایک خاص قسم کی خشیت رہتی تھی۔ ساتھیوں کے ساتھ کبھی گپ شپ اگر ہو رہی ہوتی اور اس کا دورانیہ طویل ہو جاتا تو آپ اکثر اوقات بیچ گپ شپ کے ہی جلوت میں خلوت اختیار کر لیتے، قرآن کھول لیتے اور تلاوت شروع کر دیتے۔ تلاوت خوش الحانی سے کرتے اور بیچ میں ٹھہر کر تدبر و تفکر بھی کرتے۔ دوران تلاوت آب دیدہ ہو جانا اور رونا تو بہت عام تھا۔ ایک دفعہ آپ نے شیخ احسن عزیز رحمہ اللہ کی موجودگی میں ہمیں پورے رمضان کی تراویح پڑھائی۔ شہید ابو سیف بھائی رحمہ اللہ نے مجھ سے کہا کہ فاروق بھائی کے پیچھے تراویح پڑھنے کا ایسا مزہ ہے جو کسی اور جگہ کم ہی کبھی ملا ہے۔ سبحان اللہ! معانی کے ساتھ ساتھ آواز میں اتار چڑھاؤ آتا اور بعض آیات کو تو انتہائی دل سوزی اور رندھی ہوئی آواز میں بار بار پڑھتے۔ بعض اوقات دوران قرأت آپ کی ہچکی بندھ جاتی یہاں تک کہ تلاوت جاری رکھنا محال ہو جاتا اور پھر کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد دوبارہ سے شروع کرتے۔ اللہ ہمیں بھی تلاوت قرآن کا یہ ذوق عطا فرمائے اور اسے ہمارے قلب و روح کی راحت کا ذریعہ بنادے۔

میری کتاب جو میرا ہی ذکر کرتی ہے!

اللہ کی یہ کتاب ہمیں ہی مخاطب ہے اور یہ ہمارا ہی ذکر کرتی ہے، یہ ہمیں ہمارے آج کے متعلق بھی بتاتی ہے اور ہمارا آئندہ کل بھی ہمیں دکھاتی ہے۔ یہ میری ذاتی کتاب ہے، میرا ذاتی ہدایت نامہ، جو میری ہی کمزوریاں بیان کرتی ہے، مجھے میری تباہی کے اسباب سے بھی باخبر کرتی ہے اور وہ طریق بھی بتاتی ہے کہ جس سے میں اپنے امراض کی اصلاح کر سکوں اور دنیا و آخرت کی

---

[1] مجموع الفتاوى

کامیابی پاسکوں۔ اللہ رب العزت کا فرمان مبارک ہے؛ لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ[1]۔ قرآن مجید میں ہم اپنے آپ کو تلاش کریں، یہ یقین رکھیں کہ یہ مجھے ہی مخاطب ہے اور اس کا موضوع میری ہی ذلت و عزت، میری ہی تنگی و وسعت اور میرا ہی خسران و فلاح ہے اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب ہم اسے زندہ کتاب سمجھیں اور خاص اپنی اصلاح کے لیے اسے پڑھیں، دوسروں کی اصلاح بعد میں ہو گی، اول واہم کام اپنی اصلاح اور اپنی ہدایت ہے، اس نیت سے ہم اسے کھولیں گے اور اس جذبہ کے ساتھ ہم اسے پڑھیں گے تو یہ ہماری زندگی کے ہر ہر قدم پر ہمیں انگلی پکڑ کر چلائے گی۔ اس کی آیات اور اس کے مضامین نظروں میں ہوں تو یہ انسان کی زندگی کے ہر ہر مسئلہ، ہر ہر مشکل اور ہر ہر الجھن میں رہنمائی بھی کرتی ہے اور بندے کو تھامتی بھی ہے آگے بڑھنے کے لیے حوصلہ بھی دلاتی ہے۔

پھر جہاں تک حق و باطل کے بیچ معرکے کا موضوع ہے اور اس تحریک اور جہاد میں ایک مومن کو کن کن چیلنجز کا سامنا ہوتا ہے، ان کا نقشہ ایسے واضح انداز میں اس کے اندر بیان کیا گیا ہے کہ بعض اوقات لگتا ایسا ہے کہ یہ آیات ہماری ہی رہنمائی کے لیے خاص ہمیں درپیش مسائل ہی پر نازل ہوئیں۔ کئی دفعہ ہوا ہے کہ بندہ کسی اہم مسئلے سے دوچار ہوتا ہے، پریشانی کا اسے سامنا ہوتا ہے اور قرآن کھولتا ہے تو ایسی آیت پر نظر ٹھہر جاتی ہے جو خاص اس آزمائش میں اس کی رہنمائی کرتی ہے اور یوں اس کا دل ایمان و سکینت سے بھر جاتا ہے۔

۲۰۱۵ میں جب وزیرستان آپریشن جاری تھا، امریکی بمباریوں سے ساتھیوں کی شہادتیں روز کا معمول تھا اور ہمیں سر چھپانے کی کوئی جگہ میسر نہیں تھی، ایسے وقت میں ہم دو تین ساتھی میرے شیخ اور استاذ، مولانا عبد القدیر اخوندزادہ کے ساتھ پاکستانی قبائل میں ایک انصار کے گھر گئے۔ یہاں ایک کام کے سلسلے میں ہم نے چند دن رکنا تھا۔ انصار کے گھر ابھی ایک رات بھی نہیں گزری تھی کہ گھر پر ڈرون طیاروں کی پروازیں شروع ہوئیں اور ہم مجبوراً وہ علاقہ چھوڑ کر بہت دور پہاڑوں میں ایک اور انصار کی طرف چلے گئے۔ وہاں بھی ابھی صرف ایک دن ہی گزرا تھا کہ طیارے پہنچ گئے اور حالت اس قدر خراب ہو گئی کہ انصار نے ہماری ہی حفاظت کی خاطر ہم سے علاقہ چھوڑنے کی درخواست کر دی۔ وہاں سے بھی نکلنا پڑا۔ محض چند دن ٹھہرنے کے لیے بھی ہمیں کوئی جگہ نہیں مل رہی تھی۔ اس عالم میں ہم نے بارڈر پار کرنے اور ایسی جگہ جانے کا ارادہ کیا جس کی ترتیب چند دن پہلے ہی ساتھیوں نے بنائی تھی۔ ڈرون طیارے ہمارے سروں پر تھے۔ ابھی ہم چلے ہی تھے کہ مخابرے (وائرلس سیٹ) پر اطلاع ملی کہ جہاں ہم نے جانا ہے وہاں ابھی شدید بمباری ہو رہی ہے اور کئی ساتھیوں کی شہادت بھی ہوئی ہے۔ ہم رک گئے۔ اصولاً آگے کی بجائے ہمیں پیچھے کی طرف واپس جانا چاہیے تھا مگر پیچھے کہاں جایا جائے؟ کوئی جگہ نہیں! یہاں دور دشت میں خانہ بدوشوں کے چند خیمے نظر آئے۔ ہم نے خیموں میں ہی رات گزارنا مناسب سمجھا اور ان خیموں میں سے ایک کے قریب جا کر ہم نے آواز دی۔ کوچی (خانہ بدوش چرواہے) مجاہدین کی نصرت میں مشہور ہیں مگر اس دفعہ یہاں ڈرون کی پروازوں اور ان بمباریوں کے سبب ایسا عجیب منظر ہمارا منتظر تھا کہ ایسا نہ پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ ہی الحمدللہ اس کے بعد دیکھنا پڑا۔ خیموں کی طرف جاتے ہوئے تین چار مرد ہمیں نظر آئے مگر قریب جا کر وہ حضرات ہماری پکار سنتے ہی (ہماری نظروں سے اوجھل ہونے کے لیے) زمین پر لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی اور پھر خیموں کے اندر سے خواتین نے ہی ہمیں مخاطب کر کے کہا کہ ہمارے مرد یہاں نہیں ہیں، اس لیے آپ یہاں مت رکیں۔ ہماری حالت عجیب ہو گئی۔ پیچھے قبائل میں ایک گھر، ایک کمرہ بھی ایسا نہیں بچا جو ہمیں پناہ دے، آگے بمباری ہے اور یہاں خانہ بدوش اپنے خیموں تک میں بھی ہمیں جگہ دینے کے لیے تیار نہیں؛ زمین اپنی وسعت کے باوجود بالکل تنگ محسوس ہوئی۔ ساتھیوں نے حسبنا اللہ و نعم الوکیل پڑھنا شروع کیا۔ ہر ساتھی دل ہی دل میں اللہ کے سامنے اپنے اس ضعف پر مخاطب تھا۔ ہم کھڑے رہے، سوچ رہے تھے کہ کہاں جائیں؟ مگر جانا کہاں تھا؟ سمجھ ہی نہیں آرہا تھا۔ اس تردّد میں ابھی چند منٹ ہی گزرے تھے کہ دور ایک اور خیمے سے ایک خانہ بدوش ہماری طرف دوڑتا ہوا دکھائی دیا۔ اس کے چہرے پر داڑھی نہیں تھی۔ یعنی ظاہری حلیے سے وہ دین دار نہیں لگ رہا تھا، مگر اس نے آتے ہی ایک ہاتھ سے شیخ کا ہاتھ تھاما اور دوسرے سے میرا ہاتھ پکڑا، ایسی محبت سے وہ ہمیں اپنی طرف کھینچ رہا تھا کہ اگر اُس کے بس میں ہوتا تو سب ساتھیوں کو اپنے گود میں اٹھالیتا۔ انتہائی پیار اور جذبے سے وہ ہمیں اپنے خیمے کی طرف کھینچ کر لے گئے۔ ہم ان کے خیمے کے سامنے ایک چبوترے پر بیٹھ گئے اسی اثنا میں ایک ساتھی نے قرآن کھولا اور قدرے اونچی آواز میں تلاوت شروع کر دی۔ یہ اُن کی معمول کی تلاوت تھی مگر تلاوت سن کر ہم سب کے کان کھڑے ہو گئے۔ آیات ہی عجیب تھیں! اللہ کی کتاب ہمیں سے مخاطب تھی!!

يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ○ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ○ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ○الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ○[2]

سبحان اللہ! یا رحمٰن یا رحیم! یا رب! ہر آیت دل کے اندر اتر رہی تھی اور زخموں پر مرہم ثابت ہو رہی تھی۔ لگ رہا تھا جیسے یہ آیات ابھی اسی وقت نازل ہوئی ہیں اور خاص ہمیں سے مخاطب

[1] سورۃ الانبیاء: ۱۰؛ ترجمہ: ”(اب) ہم نے تمہارے پاس ایک ایسی کتاب اتاری ہے جس میں تمہارے لیے نصیحت ہے۔ کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے؟“

[2] سورۃ العنکبوت: ۵۶ تا ۵۹؛ ترجمہ: ”اے میرے بندو جو ایمان لا چکے ہو! یقین جانو میری زمین بہت وسیع ہے، لہٰذا خالص میری عبادت کرو۔ ہر متنفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے، پھر ہماری ہی طرف تم سب کو واپس لایا جائے گا۔ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں، ان کو ہم ضرور جنت کے ایسے بالاخانوں میں آباد کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بہترین اجر ہے ان عمل کرنے والوں کا۔ جنہوں نے صبر سے کام لیا، اور جو اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں“۔

ہیں۔ شیخ کی آنکھیں بھر آئیں۔ سب نے ساتھی سے یہ آیات بار بار سنانے کی درخواست کی۔ سبحان اللہ! ہمیں شکایت تھی کہ زمین تنگ ہوئی، اللہ نے فرمایا: يَاعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا! اے میرے ایمان والے بندو! إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ، میری زمین تنگ نہیں، بہت وسیع ہے! فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ، پس بندگی صرف میری ہی کرو۔ ان طواغیت کی اطاعت نہیں کرنا، ان کی طاقت کے آگے نہیں جھکنا، صرف میری ہی غلامی کرو۔ باقی یہ تمہیں موت سے ڈراتے ہیں تو سن لو! انہوں نے بھی بچنا نہیں، كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ، ہر ایک نے مرنا ہے، ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ، پھر تم سب میری طرف ہی لوٹائے جاؤ گے... پھر حساب ہو گا، سزا و جزا کا میدان لگے گا، ان سے ان کے کفر و ظلم کا پوچھا جائے گا اور اہلِ ایمان... تو جو ایمان کے بعد عمل صالح پر ڈٹ گئے، جس نے جہاد پر صبر واستقامت دکھادی، ان کی کوئی محرومی محرومی نہیں رہے گی، ان کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے انعامات ہوں گے۔ یہ آیات ہمارے لیے عجیب سکینت اور فرحت کا باعث بنیں۔ شیخ کے آنسو رواں تھے۔ ساتھی سر جھکائے ان آیات کے معانی میں کھوئے ہوئے تھے اور اللہ کا شکر ادا کر رہے تھے۔ میزبان خانہ بدوش قریب ہی بڑے خلوص کے ساتھ، ہماری مہمان نوازی میں اپنا ایک مرغا ذبح کر رہا تھا جبکہ اس کے بیٹے ساتھیوں کے لیے گاؤ تکیے رکھ رہے تھے۔ اس پورے منظر سے دلوں کی ایسی کیفیت ہوئی کہ بیان سے باہر ہے؛ اللہ اکبر وللہ الحمد۔ اس 'تنگی' پر ہم دل سے اللہ کے شکر گزار ہوئے اور زبان حال و قال سے جیسے ہر ایک گویا ہوا کہ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ۔[1]

جنگ جو آج بھی جاری ہے!

برطانوی وزیر اعظم گلیڈسٹون (Gladstone) کا ایک بیان ۱۸۸۶ء میں اخبارات کے اندر چھپا۔ یہ بیان اس نے برطانوی پارلیمنٹ میں کھڑے ہو کر دیا تھا، کہا تھا:

> "جب تک مسلمانوں کے پاس قرآن ہو گا ہم انہیں مغلوب نہیں کر سکتے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمیشہ کے لیے ان پر غلبہ پائیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ ان سے قرآن چھینا جائے یا ان کے دلوں سے اس قرآن کی محبت کم از کم ختم کی جائے۔"[2]

قرآن کے ساتھ کفار کی یہ دشمنی روزِ اول سے واضح ہے۔ مشرکین مکہ نے بھی کہا تھا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَذَا أَوْ بَدِّلْهُ[3] "کوئی دوسرا قرآن لے آؤ یا اس میں تبدیلی کرو!"... وہ بھی اپنی جاہلیت کی بقا پیامِ قرآن روکنے میں دیکھتے تھے، لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ[4] "اس قرآن کو مت سنو اور (جب یہ سنایا جارہا ہو تو) شور کرو تاکہ تم غالب رہو"۔

دشمن نے قرآن پاک کا وجود سرے سے مٹانے کے لیے بھی ہر کوشش کی مگر اس غلیظ مقصد میں نہ پہلے انہیں کامیابی ملی اور نہ آئندہ ملے گی اس لیے کہ اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے لے رکھا ہے إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ[5]۔ لہٰذا یہ بغیر کسی لفظی تحریف کے، ایک ہی صورت میں تا قیامت موجود رہے گا۔ مگر اس کے وجود کے ساتھ دشمنانِ دین کا غیظ و غضب بھی ختم نہیں ہو گا اور اس کتاب عظیم کے خلاف ان کی جنگ بھی کبھی ٹھنڈی نہیں ہو گی۔ یہ ایک حقیقت ہے، مگر سوال یہ ہے کہ اس کتاب عظیم کی وہ کیا خاص بات ہے کہ جس سے کفارِ عالم کو خطرہ ہے؟ اس کا وہ پیغام کیا ہے کہ جس کی موجودگی میں دشمنانِ دین کا امت مسلمہ پر غلبہ ناممکن ہے؟ یہ اہم بات اور اس کا خاص پیغام اگر ہماری نظروں میں ہو تو قرآن کے خلاف جنگ کے خد و خال سمجھنا بھی ہمارے لیے مشکل نہیں رہے گا۔

پیغامِ قرآن جو عالمِ ظلم کے لیے موت ہے!

قرآن انسان کو غیر اللہ کی تمام تر اطاعتوں سے کاٹ کر خاص اللہ کی اطاعت کا پابند کرتا ہے۔ اس کا پیغام ہے کہ اللہ کی عظمت، اس کی اطاعت اور اس کی بندگی ہی حق ہے اور اس کے مقابل دیگر سب اطاعتیں، ساری عظمتیں اور سب بندگیاں بالکل باطل ہیں۔ یہ کتابِ عظیم عدل و ظلم کی حقیقت بتاتی ہے اور ساتھ ہی پھر یہ اپنے ماننے والوں کو ظلم کے خلاف صف آرا ہونے اور دنیا بھر میں قیامِ عدل کی ذمہ داری بھی عطا کرتی ہے۔ یہ کتاب باطل کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کی اجازت نہیں دیتی، بلکہ یہ اس کے مقابل اعلانِ جنگ کرتی ہے اور یہ حکم دیتی ہے کہ اس جنگ کا انجام کوئی دوسرا نہیں بلکہ حق ہی کا غلبہ ہونا ضروری ہے۔ یہ کتاب حق اور باطل کے بیچ مصالحت، اسلام و کفر کے مابین مفاہمت اور عدل و ظلم کے بیچ 'کچھ دو کچھ لو' کے دروازے بند کر دیتی ہے اور یہ اعلان کرتی ہے کہ یہ کتاب محکوم نہیں حاکم، اور مغلوب نہیں غالب بننے کے لیے آئی ہے۔ یہ قرآن کا پیغام ہے اور یہ پیغام کسی نظری یا تصوراتی دنیا سے بات نہیں کرتا، بلکہ یہ میدانِ عمل میں اپنے اوپر ایمان لانے والوں کو اٹھاتا ہے اور انہیں دنیا بھر کے انسان دشمنوں کے خلاف دعوت و جہاد کے لیے تیار کرتا ہے۔ اس کتاب کے پیغام پر آغاز میں جن انسانوں نے لبیک کہا، جنہوں نے آپ ﷺ کی اقتدا میں بعد میں آنے والوں کے لیے نمونۂ عمل پیش کیا، انہوں نے اس دین کو عمل کے میدان میں قائم کر کے دکھایا، وقت کے تمام ادیان پر اسے غالب کیا اور بعد میں آنے والوں کے لیے کتاب اللہ کے اس پیغام پر اپنے کردار سے مہرِ تصدیق ثبت کر دی۔ کتاب اللہ کے یہی وہ معانی و مفاہیم ہیں کہ جن کے سبب یہ ہمیشہ جاہلیت کے علم برداروں کے سینوں پر مونگ دلتی رہی۔ اس کتاب عظیم میں ہر قسم کے ظالمانہ

---

[1] سورۃ الاعراف: ۴۳؛ ترجمہ: "تمام تر شکر اللہ کا ہے، جس نے ہمیں اس منزل تک پہنچایا، اگر اللہ ہمیں نہ پہنچاتا تو ہم کبھی منزل تک نہ پہنچتے"۔

[2] وکی پیڈیا، طریق الدعوۃ از سید قطب

[3] سورۃ یونس: ۱۵

[4] سورۃ فصلت: ۲۶

[5] سورۃ الحجر: ۹؛ ترجمہ: "حقیقت یہ ہے کہ یہ ذکر (یعنی قرآن) ہم نے ہی اتارا ہے، اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں"۔

نظام کو ختم کرنے کی جو طاقت اور صلاحیت ہے، اس کا ادراک ہی ہے کہ وقت کا ہر ظالم اس کے اندر اپنے ظلم و کفر کی موت دیکھتا رہا ہے۔

جنگ وہی بس اسلوب مختلف ہے!

جنگ آج بھی جاری ہے مگر اس کا اسلوب مختلف ہے۔ آج ہدف قرآن کے معانی و مفاہیم میں تحریف ہے۔ قرآن کے الفاظ کے خلاف جنگ میں چونکہ سب ناکام ہو گئے ہیں، اس مقصد میں انہیں بہت پہلے مایوسی ہو چکی ہے، اس لیے الفاظ کی جگہ اب مفہوم تبدیل کرنے کی سعی ہو رہی ہے۔ آج انہیں ہمارے ہی معاشروں میں ایسے 'بے' دانش ہاتھ آئے ہیں کہ جو دین کے نام پر وہ کچھ رائج کر رہے ہیں کہ جس کا نتیجہ بے دینی ہے۔ یہ مذہبی 'سکالرز' قرآن کی وہ تفسیر کرتے ہیں کہ جو کفارِ عالم کے لیے قابل قبول ہو۔ یہ قرآنی آیات سے ہی استدلال کرتے ہیں مگر ان کی ایسی تعبیر بیان کی جاتی ہے کہ جس کے مطابق حق حق نہیں رہتا اور باطل باطل نہیں رہتا۔ قرآن کی ہر وہ تعبیر کہ جو اہل باطل کے ہاں قابل اعتراض ہو سکتی تھی، وہ یہاں تبدیل ملے گی اور اس کی جگہ ایسی گھڑی ہوئی تشریح ہو گی کہ جو آج کے اس دورِ فتن سے پہلے پوری تاریخ میں امت کے لیے بالکل غیر معروف تھی۔ ان تجدّد پسندوں کے ہاں طاغوت سے انکار، معروف و منکر کی حقیقت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، دوستی و دشمنی کے معیار، محبت و نفرت کے طور طریق اور جہاد و قتال جیسے موضوعات پر بحثیں ملیں گی، ان بحثوں پر یہ قرآنی آیات بھی بطور دلیل لاتے ہیں مگر ان کا معنی و مفہوم وہ نہیں ہوتا جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سمجھا اور جو تسلسل کے ساتھ ائمہ امت اور علمائے کرام کے ذریعے ہم تک پہنچا۔ آج کی یہ جنگ کل سے مختلف نہیں، یہ وہی.....ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ کی کڑی ہے، بس طریقۂ واردات مختلف ہے۔ کل الفاظ سے دشمنی تھی جبکہ آج ظاہر میں الفاظ کی تعظیم ہے، اس کی تلاوت کی ترغیب ہے مگر معنی و مفہوم کی مخالفت و تحریف ہے۔ کل بھی مقصد اسلام کو مغلوب کرنا تھا اور آج بھی اس مہم جوئی کا ہدف اسلام کو کفارِ عالم کا نعوذ باللہ خادم بنانا اور اسے بطورِ دین (نظام زندگی) مفلوج کرنا ہے۔

ہماری انفرادی و اجتماعی ذمہ داری

ایک فرد کا انفرادی دائرہ ہو یا بطورِ گروہ و جماعت اجتماعی میدان کار، ہر دائرے میں قرآن کے ہمارے اوپر کچھ حقوق ہیں اور بطورِ مومن ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم ان حقوق کو ادا کریں۔ انفرادی طور پر لازم ہے کہ ہم قرآن کے ساتھ جڑ جائیں۔ تلاوت، تدبر اور اس پر عمل کی صورت میں اپنا تعلق اس کے ساتھ قوی سے قوی تر کر لیں اور یہ تعلق ایسا زندہ ہو کہ اس کا اثر ہمارے قلب و روح پر بھی محسوس ہو، فکر و خیال پر بھی اور گفتار و کردار پر بھی۔ اپنے ہر ہر معاملے میں ہم قرآن کو اپنا قائد و قاضی رکھیں اور اس کی رہنمائی میں ہی ہماری زندگی ڈھلی ہوئی ہو۔ یہی حال ہماری تحریک و جماعت اور اجتماعی جدوجہد کا بھی ہو۔ ویسے تو ہم سب ہی کہتے ہیں کہ ہمارے تمام مسائل کا حل قرآن کی بالادستی اور شریعت کے نفاذ میں ہے.....اسی طرح کتاب اللہ کی حاکمیت قائم کرنا ہمارا مقصد ہے، اسی طرح جیسی باتیں ہماری بعض دینی تحریکات کے قائدین و داعیان کرام بھی کرتے ہیں، یقیناً یہ کہنا مطلوب ہے اور قرآن کی حاکمیت قائم کرنا ہی ہمارا اجتماعی ہدف ہونا چاہیے مگر قرآن اس منزل تک پہنچنے کے لیے جو راستہ بتاتا ہے، ضروری ہے کہ ہم اپنی دعوت و تحریک میں خاص اُسی راستہ پر قدم رکھیں اور کسی ایسی جدوجہد کا حصہ نہ بنیں کہ جس میں قرآنی احکامات کی نافرمانی ہو رہی ہو۔ ضروری ہے کہ اقامتِ دین کے سفر میں صرف وہی راستہ اپنایا جائے کہ جس کا ہمیں قرآن و سنت حکم دیتا ہے اور ہر اُس عمل یا وسیلے سے ہم بچیں کہ جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ ساتھ ہی ساتھ پھر اس سارے عمل میں مفاہیم و تشریحات کے میدان میں بس خاص اُن مراجع کے ساتھ ہم جڑے رہیں کہ جن کی جڑیں خیر القرون میں موجود ہیں اور فقہائے امت اور علمائے حق جس کے ہر دور میں امین رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری یہ دعوت و تحریک اور جہاد و قتال صرف اسی صورت اللہ کے ہاں مقبول ہو سکتے ہیں کہ جب مقصد و ہدف کے لحاظ سے بھی یہ عین مطلوبِ قرآن ہوں اور طریق کار و ذرائع کے استعمال میں بھی یہ قرآن اور سیرتِ رسول ﷺ کے موافق ہوں۔ یہی بطورِ فرد اور بطورِ گروہ و تحریک ہماری ذمہ داری ہے۔ ایسا ہو گا تو اللہ کے اذن سے ہماری یہ جدوجہد انفرادی طور پر بھی ہمارے لیے نجات و فلاح کا سبب ہو گی اور اجتماعی لحاظ سے امت مسلمہ کے لیے بھی یہ باعث برکت و نفع ثابت ہو گی۔ اللہ ہماری رہنمائی فرمائے اور اپنی رضا و نصرت والے راستے پر چلنے کی ہمیں توفیق دے۔

کتاب اللہ، قرآنِ عظیم الشان سے متعلق 'سلسلہ چراغ راہ' کا یہ حلقہ اس دعا پر ختم کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت ہم میں سے ہر ایک کو اپنی کتاب کا حق ادا کرنے والا بنائے، اس کی تلاوت، اس پر تدبر اور اس پر عمل کرنے کی ہمیں توفیق دے، اللہ قرآن کو ہمارے دلوں کا چین اور آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے، ہمیں اس قابل بنا دے کہ اس کے نور سے ہم اپنے دل و ذہن کی دنیا منور کریں، گفتار و کردار کو مزین کریں اور پھر ساتھ ہی اس نور کو اپنے ارد گرد پھیلانے والے بھی بن جائیں۔ اللہ رب العزت ہمیں آخرت میں ان خوش نصیبوں میں شامل فرما دیں کہ جن کی شفاعت قرآن کرے گا اور جنہیں قرآن سے محبت و تعلق کے انعام میں اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اپنی محبت کا پروانہ اور رسول اللہ ﷺ کی قربت والا مقام عظیم عطا کریں گے، آمین یا رب العالمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

نظریاتی جنگیں

مولانا محمد اسماعیل ریحان

مولانا محمد اسماعیل ریحان صاحب (زید مجدہ) کی تالیف 'أصول الغزو الفكرى' یعنی 'نظریاتی جنگ کے اصول'، نذرِ قارئین ہے۔ اس وقت مسلمانوں کو اہلِ باطل کی جانب سے ایک ہمہ گیر اور نہایت تند و تیز فکری و نظریاتی یلغار کا سامنا ہے۔ اس یلغار کے مقابلے کے لیے 'الغزو الفکری' کو دینی و عصری درس گاہوں کے نصاب میں شامل کرنا از حد ضروری ہو چکا ہے۔ دینی و عصری درس گاہوں میں اس مضمون کو شامل کرنے کے ساتھ ساتھ 'الغزو الفکری' یعنی نظریاتی جنگ کے مضمون و عنوان کو معاشرے کے فعال طبقات خصوصاً اہلِ قلم، اسلامی ادیبوں اور شاعروں، اہلِ دانش، صحافیوں، پیشہ ور (پروفیشنل) حضرات نیز معاشرے کہ ہر مؤثر طبقے میں بھی عام کرنا از حد ضروری ہے۔ اس مقصد کے لیے 'اصول الغزو الفکری' کے عنوان سے اس علم کے اہم مباحث کو مختصر طور پر مولانا موصوف نے پیش کیا ہے۔ مولانا موصوف ہی کے الفاظ میں 'در حقیقت یہ اس موضوع پر تحریر کردہ درجنوں تصانیف کا خلاصہ ہے جس میں پاک و ہند کے پس منظر کا نسبتاً زیادہ خیال رکھا گیا ہے'۔ یہ تحریر اصلاً نصابی انداز میں لکھی گئی ہے، لیکن اس کے باوجود خشکی سے پاک ہے اور متوسط درجۂ فہم والے کے لیے بھی سمجھنا آسان ہے۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ ہم مسلمانوں کو نظریاتی و عسکری محاذوں کو سمجھنے، ان محاذوں کے لیے اعداد و تیاری کرنے اور پھر ہر محاذ پر اہلِ باطل کے خلاف ڈٹنے کی توفیق ملے۔ اللہ پاک مولانا محمد اسماعیل ریحان صاحب کو جزائے خیر سے نوازیں کہ انہوں نے ایسے اہم موضوع کے متعلق قلم اٹھایا، اللہ پاک انہیں اور ہم سب اہلِ ایمان کو حق پر ثبات اور دین کا صحیح فہم عطا فرمائیں، آمین یا ربّ العالمین! (ادارہ)

حصہ اول

فکری و نظریاتی جنگ کے محاذ

ساحات الغزو الفكرى

Fields of Ideological Wars

فکری و نظریاتی جنگ کے اہم ترین محاذ درج ذیل ہیں:

1. الاستشراق
2. الاستعمار
3. العولمیۃ/ عالمگیریت/ گلوبلائزیشن
4. الردۃ/ التنصیر

الساحۃ الاولیٰ-الاستشراق/ Orientalism

لغوی معنی: استشراق "شرق" سے نکلا ہے، شرق یا Orient سے وہ علاقے مراد لیے جاتے ہیں جہاں سورج طلوع ہوتا ہے۔ اس سے مشرقی علاقوں کے علم و ادب کی جستجو ہی مراد لی جاتی ہے۔

اہلِ یورپ کے ہاں مشرق دو معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ پہلے معنی کے لحاظ سے مشرق وہ تمام علاقے ہیں جو یورپ سے مشرق کی سمت ہیں۔ اس طرح اس مفہوم میں ایشیا کے تمام ممالک داخل ہوں گے۔

دوسرے معنی کے لحاظ سے بحیرۂ روم کے پار کی دنیا مشرق کہلاتی ہے، گویا ایشیا کے علاوہ یورپ کے جنوب میں واقع افریقہ بھی اس مفہوم میں شامل ہو جائے گا۔

استشراق کا اصطلاحی معنی یا تعریف

علمائے عرب استشراق کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

"دِراسةُ الغَربِيِينَ للشَّرقِ الاسلامی حَضارتَه و ادیانَه وآدابَه و لغاتَه و تاریخَه و ثقافتَه و عاداتِهِ."

"اہلِ مغرب کا مشرقی اسلامی دنیا کی تہذیب، مذاہب، ادب، لغت، تاریخ، ثقافت اور عادات و اطوار کی تعلیم حاصل کرنا۔"

المستشرقون/ Orientalists

جو لوگ استشراق کا کام کرتے ہیں انھیں مستشرق (Orientalist) کہا جاتا ہے۔

مستشرق وہ مغربی دانشور ہیں جو مذہبی تعصب کی بنا پر علومِ اسلامیہ کا مطالعہ کرتے ہیں تاکہ اسلام کے مصادر میں آمیزش کی جائے، اسلام کی روح کو متاثر کیا جائے اور اس کی شکل و صورت کو بگاڑ کر اس کی عظمتوں کو داغ دار کیا جائے۔

تاریخِ استشراق/ History of Orientalism

استشراق کی تاریخ کو ہم چار ادوار میں تقسیم کر کے دیکھ سکتے ہیں۔

پہلا دور: ۱ھ تا ۷۰۰ھ

یہ دور حضور نبی اکرم ﷺ کی ہجرتِ مدینہ سے شروع ہو کر صلیبی جنگوں پر ختم ہوتا ہے۔ دورِ خلافتِ راشدہ اور اموی دور میں یہودی علما اور عیسائی پادریوں کی جانب سے دھیمے دھیمے انداز میں اسلام پر اعتراضات کا سلسلہ جاری رہا، مگر اس کوشش سے مسلمان قطعاً متاثر نہ ہوئے۔ اس دور میں غیر مسلموں نے طب، کیمیا، ریاضی، زراعت اور ادب جیسے علوم میں مسلمانوں کی شاگردی اختیار کی۔ یورپ میں عالمِ اسلام کی بیسیوں منتخب کتب کے تراجم کیے گئے۔ بو علی سینا، جابر بن حیان، الفارابی اور ابن رشد کی کتب کو مقامی زبانوں میں ڈھالا گیا۔ اس دور میں پہلی بار فرانس، برطانیہ، اٹلی اور اسپین میں یونیورسٹیوں کا آغاز ہوا جن میں مسیحی مذہب کے علاوہ قانون، طب، اور آرٹ سمیت کئی علوم و فنون کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی۔

دوسرا دور: ۱۳۰۰ء تا ۱۸۰۰ء

لوئی نہم کی سوچ سے یورپ میں بیداری کا آغاز ہوا تو اہلِ علم اور اربابِ حل و عقد علوم و فنون پر لگی گرہوں کو کھولنے کے لیے بے چین ہوئے۔

صلیبی جنگوں کے بعد ۱۳۱۲ء میں یورپ کے اہل علم نے ایک کانفرنس میں یہ طے کیا کہ مشرقی علوم کو اپنے تعلیمی اداروں کے نصاب میں شامل کیا جائے۔ اس فیصلے کے تحت پانچ یورپی جامعات میں عربی و اسلامی علوم کی تعلیم شروع کر دی گئی۔ پندرہویں اور سولہویں صدی عیسوی میں استشراق کا دائرۂ کار تمام یورپ میں پھیل گیا۔ سترہویں صدی عیسوی میں شاہِ فرانس لوئی چہاردہم نے مستشرقین سے عربی کتب کے تراجم کرائے اور عربوں کی تاریخ پر نئی کتابیں لکھوائیں جن میں عرب قومیت پرستی کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

اس دور کے بعض مستشرقین نے سابقہ مستشرقین کے کام پر تنقید بھی کی اور اسلام پر ان کے بعض شبہات کو کمزور قرار دیا مگر اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے خود اسلام پر کچھ نئے اعتراضات جڑ دیے۔

تیسرا دور: ۱۸۰۱ء تا ۱۹۲۴ء

استشراق کا تیسرا دور وہ تھا جب یورپ کے لشکر اسلامی ممالک کو محکوم بنا رہے تھے اس لیے مستشرقین نے یورپی سیاست دانوں کو محکوم قوموں کے علوم، تاریخ، جغرافیہ، شعر و ادب اور تہذیب و ثقافت سے آگاہ کیا تاکہ ان قوموں کو زیر کیا جاسکے۔ انھوں نے تاریخِ اسلام کی جگہ تاریخِ عرب کو متعارف کرایا۔ غیر عربوں، خصوصاً ترکوں کی کردار کشی کی، استعمار کے خلاف لڑنے والے مجاہدین کی تحقیر کی، احادیث اور رُواۃِ حدیث پر حملے کیے۔ عالمِ اسلام کے مختلف فرقوں کے درمیان پائی جانے والی منافرت کو تیز تر کیا۔ اس کے علاوہ ہزاروں اسلامی کتب کو یورپ کی تمام مشہور زبانوں میں منتقل کیا گیا۔

مستشرقین نے ایسے موضوعات پر بھی کام کیا جن کی مسلمان اہلِ علم نے تعریف کی ہے۔ نایاب اسلامی متون تلاش کر کے تصحیح کے ساتھ انھیں از سرِ نو طبع کرایا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ اَن گنت نسخے اسلامی دنیا، خصوصاً عرب ممالک کے عوام سے خرید کر، لوٹ کر یا کتب خانوں سے چوری کر کے یورپی دنیا میں بھیجے گئے۔

چوتھا دور: ۱۹۲۵ء تا ۱۹۷۲ء

چوتھے دور میں مستشرقین اسلام پر اعتراضات کر کے اسے کمزور اور بے اصل ثابت کرنے کی بجائے ایک نئے اسلام کی اساس رکھنے کے لیے کوشاں ہوگئے تاکہ اسلام کی من پسند تشریحات کر کے ایک ایسا نیا اسلام وجود میں لایا جائے جو مغرب کے نزدیک قابلِ قبول ہو۔ استشراق کے انداز میں اس بڑی تبدیلی کا ایک اہم سبب کمیونزم کا ظہور بھی تھا جس کی وجہ سے یورپی مستشرقین کے اہداف وقتی طور پر تبدیل ہوگئے۔

پانچواں دور: ۱۹۷۳ء تا حال

مغرب کے عالمگیر منصوبوں کے سامنے خود استشراق کا مفہوم محدود ہو گیا تھا اس لیے ۱۹۷۳ء میں پیرس میں منعقدہ ایک کانفرنس میں استشراق کی اصطلاح ترک کر دینے کا فیصلہ کر لیا گیا اور اس کی جگہ عالمگیریت (Globalization) کی اصطلاح کو متعارف کرایا جانے لگا۔

امریکی استشراق

اس وقت کا استشراق امریکی استشراق ہے اور اسی کی نگرانی میں چل رہا ہے۔ خصوصاً گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد استشراق کی باگیں مکمل طور پر امریکہ کے ہاتھ میں ہیں۔ مشنریوں سے لے کر فری میسنریوں تک، گمراہی کے ہر مظہر کو استشراق کا تعاون حاصل ہے۔

اسالیب الاستشراق

مستشرقین کی تحقیقات اور کارکردگی کے تین انداز ہیں:

اول۔ مرحلة الاستكشاف / انکشافات اور تحقیق

اس انداز میں دیے گئے مواد میں بظاہر تحقیق، انکشاف اور اشاعتِ علم مقصود نظر آتی ہے، مسلمانوں یا مشرق سے کسی بغض کا اظہار محسوس نہیں ہوتا، اس طرح قارئین کا دل ان تحقیقات کی طرف مائل ہوجاتا ہے۔

دوم۔ مرحلة المختلطة / ملاوٹ والا انداز

اس اسلوب کے تحت کی گئی تحقیقات اور تصانیف میں دھیمے پیرائے میں اسلامی مآخذ اور اسلامی شخصیات سے ان کی عقیدت کو مجروح کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

سوم۔ مرحلة العدوان الواضح / واضح دشمنی کا انداز

اس انداز کے مواد میں اسلام سے کھلی دشمنی کا اظہار ہوتا ہے۔ مستشرقین اسلامی عقائد اور شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام پر حملے کرتے ہیں۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم، اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم اور شعائرِ اسلام کا مذاق اڑانے سے گریز نہیں کرتے۔

محرکاتِ استشراق

مستشرقین کی جدوجہد کے بڑے محرکات پانچ ہیں:

1. صلیبی محرک
2. سیاسی واستعماری محرک
3. دفاعی محرک
4. تجارتی واقتصادی محرک
5. علمی محرک

1. صلیبی محرک

مستشرقین مذہبی تعصب اور دینی جوش و جذبے کی بنا پر استشراق کو اسلام کے خلاف ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہے ہیں اور نصرانیت کے غلبے کے لیے کوشاں ہیں۔

مندرجہ ذیل اہداف پر ان کا زیادہ زور دکھائی دیتا ہے:

اول: اسلام کو موجودہ یہودیت و نصرانیت سے ماخوذ قرار دینا۔

یعنی اسلام آخری و آفاقی مذہب نہیں بلکہ سابق مذاہب کی نقالی ہے۔ (نعوذ باللہ)

دوم: رسالت میں شک پیدا کرنا۔

مستشرقین حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں شکوک و شبہات پیدا کرتے آرہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک کامیاب مفکر اور قائد تو تھے مگر ان کا سچا پیغمبر ہونا یقینی نہیں۔

سوم: قرآن مجید میں شکوک پیدا کرنا۔

اس ضمن میں عموماً وہ یہ ثابت کرنے کے لیے زور لگاتے ہیں کہ قرآنِ پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف ہے، کوئی آسمانی کتاب نہیں۔

چہارم: حدیث میں شک پیدا کرنا۔

مستشرقین کا بڑا نشانہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس بارے میں ان کے پاس کچھ گنے چنے اعتراضات ہیں جن کے جوابات علمائے اسلام دے چکے ہیں۔

پنجم: گھڑی ہوئی اور ضعیف روایات کو پھیلانا۔

مستشرقین ایک طرف تو حدیث کے مستند مآخذ کو نشانہ بناتے ہیں، دوسری طرف وہ ضعیف و موضوع روایات کو اپنی تحقیقات میں دلائل کے طور پر استعمال کرکے ان کی اشاعت کرتے ہیں۔

ششم: فقہ اسلامی پر وار۔

فقہ اسلامی کو رومن لا سے ماخوذ قرار دیا جاتا ہے۔

ہفتم: التنصیر (عقیدۂ تثلیث کی اشاعت کرنا)۔

مستشرقین کی اکثریت عیسائی ہے اور دنیا کو عیسائی بنانا ایسے مستشرقین کا آخری ہدف ہے۔ اس لیے وہ عقیدۂ تثلیث کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

2. سیاسی و استعماری محرک

اکثر مستشرقین کی کوششوں کا محرک سیاسی اور استعماری ہے۔ ان کی بڑی تعداد استعماری قوتوں کے لیے کام کرتی ہے۔ ان کے اہداف یہ ہیں:

اول: اسلامی عادات و معاشرت کا مطالعہ کرنا۔

اسلامی معاشرے کی تہذیب و ثقافت اور ادب و آداب اور اقدار کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی جاتی ہے تاکہ زمینی حقائق کے مطابق اپنی حکومتوں کی رہنمائی کریں۔

دوم: اسلامی ممالک کی زبانیں سیکھنا۔

اسلامی ممالک میں رائج زبانیں سیکھ کر ان کو سیاست، سفارت، تجارت اور جاسوسی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

سوم: عربی زبان پر وار۔

مسلمانوں کو ان کے مذہب کے مآخذ سے دور کرنے کے لیے عربی سے ان کا رشتہ ختم کردینا چاہتے ہیں۔ عربی کی فصاحت پر اعتراضات کرنے اور اس میں یورپی الفاظ ٹھونس کر اس کی اصل شکل بگاڑ دینے کی کوشش کررہے ہیں۔

چہارم: عرب ممالک میں عربی کی بجائے وہاں کی قدیم متروکہ زبانیں پھیلانا۔

عرب دنیا کی اپنی پہچان ختم کرنے کے لیے قدیم اور متروک زبانوں کو زندہ کیا جارہا ہے۔

پنجم: غیر مسلموں کی زبانوں اور بازاری لہجوں کی حوصلہ افزائی کرنا۔

ہندوستان اور بنگلہ دیش میں مسلمانوں کی زبان اردو اور بنگلہ کے مقابلے میں ہندی زبان کو فروغ دینے کی کوششیں بہت کامیاب جارہی ہیں۔ پاکستان میں بھارتی میڈیا کے ذریعے سوقیانہ (بازاری) زبان کو فروغ دے دیا گیا ہے۔

ششم: عالمِ اسلام میں یورپین زبانوں کی اشاعت کرنا۔

مراکش میں ہسپانوی، الجزائر میں فرانسیسی، لیبیا میں اطالوی اور پاک وہند سمیت اکثر اسلامی دنیا میں انگریزی کو فروغ دیا جاتا رہا ہے جس کی وجہ سے عالم اسلام کی مقامی زبانیں شدید خطرے سے دوچار ہیں۔

ہفتم: مسلمانوں کے مختلف قبائل، ممالک، حکومتوں اور طبقات کے درمیان نفرت کی آگ بھڑکانا۔

عالمِ اسلام کے ایک طبقے کو دوسرے طبقے سے، ایک برادری کو دوسری برادری سے اور ایک ملک کو دوسرے ملک سے مستقل طور پر متنفر کردینے کے لیے تحقیقی کتب لکھی جارہی ہیں تاکہ مسلمان آپس کے اختلافات میں الجھے رہیں اور سیاسی طور پر کبھی متحد اور مضبوط نہ ہوسکیں۔

ہشتم: مغربی دنیا کو چمکا دمکا کر پیش کرنا اور اس کی عظمت کو ثابت کرنا۔

مستشرقین کی کتب پڑھ کر ایک عام مسلمان یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ انسانوں کے نہیں جانوروں کے بیچ آباد ہے اور انسان صرف یورپ میں پائے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو ترغیب دی جاتی ہے کہ دین داری اور دین داروں سے دور رہ کر مغرب کی اندھا دھند نقالی میں اپنی عزت سمجھیں۔

نہم: مسلمانوں کو کمزور اور جاہل قرار دینا۔

اکثر مستشرقین مسلمانوں سے ہمدردی کا پیرایہ اختیار کرکے ان میں جان بوجھ کر مایوسی پھیلاتے ہیں۔ یہ لٹریچر پڑھ کر ایک عام مسلمان یہ سمجھنے لگتا ہے کہ عالم اسلام کی دنیا میں کوئی حیثیت نہیں ہے، اور مسلمان بحیثیتِ قوم ناقابل اصلاح ہیں۔

دہم: جہاد کی غلط تاویلات کرنا۔

مغرب کو ہمیشہ مسلمانوں کے جذبۂ جہاد سے خوف لاحق رہا ہے اس لیے مستشرقین مسلمانوں کو جہاد سے دور رکھنے کے لیے طرح طرح کی تاویلات سکھاتے ہیں۔

3. دفاعی محرک

مستشرقین اسلام سے متنفر کرنے والا لٹریچر پھیلا کر اسلام کی دعوت کے راستے مسدود کرنے کی کوشش کررہے ہیں تاکہ اگر لوگ نصرانیت قبول نہ کریں تو کم از کم اسلام بھی نہ لائیں۔

4. تجارتی و اقتصادی محرک

مغربی ناشرین تجارتی نفع کے پیش نظر بھی مشرقی موضوعات پر تصنیفی و تحقیقی کاموں کی سرپرستی کرتے اور کتابیں چھاپ کر پوری دنیا میں فروخت کرتے ہیں، اس طرح انھیں بے تحاشا دولت حاصل ہوتی ہے۔

5. علمی محرک

بعض مستشرقین علمی ذوق سے مجبور ہو کر مشرقی موضوعات کو اپنی تحقیقات کا محور بناتے ہیں۔ ان کا تحقیقی معیار دیگر مستشرقین سے بہت بہتر ہوتا ہے۔ ان کی تصانیف کے فوائد اپنی جگہ ہیں مگر ان سے مسلم معاشرے میں مستشرقین کی ایسی کتب کے فروغ کی راہ بھی ہموار ہوجاتی ہے جو زہر آلود ہیں۔

مستشرقین کے دو اہم ترین اہداف

1. عقائد و شرائع اسلام کا خاتمہ۔

ان کا سب سے بنیادی نشانہ اسلامی عقائد اور شریعت اسلامیہ کو مٹادینا ہے۔

2. مغرب کو اسلام سے دور رکھنا۔

استشراق کے ذریعے مغربی دنیا کو اسلام سے دور رکھنے کی پوری کوشش کی جارہی ہے۔

وسائل الاستشراق/Resources of Orientalism

مستشرقین کے وسائل و ذرائع کو ہم دو قسموں میں تقسیم کرسکتے ہیں:

1. مباشرہ یعنی براہ راست ذرائع (Direct Resources)

2. غیر مباشرہ یعنی بالواسطہ ذرائع (Indirect Resources)

1. مباشرہ یا براہ راست ذرائع

اس کے ذیل میں درج ذیل ذرائع بہت اہم ہیں:

(۱) کتب (۲) تراجم (۳) رسائل، مجلات، اخبار و جرائد (۴) کانفرنسیں، سیمینار اور کونشن (۵) انسائیکلوپیڈیاز (۶) الیکٹرانک میڈیا (ریڈیو، سینما، ٹی وی اور انٹرنیٹ)۔

2. غیر مباشرہ یعنی بالواسطہ ذرائع

اس میں درج ذیل ذرائع قابلِ ذکر ہیں:

(۱) جامعاتِ مستشرقین (۲) مغربی جامعات کے اسلامی و مغربی شعبے (۳) تلامیذِ مستشرقین۔

مستشرقین کا طریقۂ واردات اور معیارِ بحث

- مستشرقین سب سے پہلے تحقیق کا ایک مقصد طے کرلیتے ہیں۔
- اس کے بعد اس مقصد کے لیے کسی مناسب موضوع کا انتخاب کیا جاتا ہے۔
- قرآن، حدیث اور فقہ سے لے کر تاریخی کتب بلکہ ادب، شاعری اور سفرناموں تک سے مواد لیا جاتا ہے جس سے مطلوبہ نظریے کی عمارت کا ڈھانچہ تیار کیا جاتا ہے۔
- ایک بے اصل بات کو ملمع کاری کے ذریعے ایسی آن بان کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے کہ پڑھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

مستشرقین کی کامیابیوں کی وجوہ

مستشرقین کی کامیابی کی وجوہ درج ذیل ہیں:

- مسلمانوں کی جہالت،
- انگریزی سے مرعوبیت،
- مسلمانوں کے علمی طبقے کا سکوت،
- بے سروسامانی اور حوصلہ شکنی،
- مستشرقین کے لیے سہولیات اور حکومتی سرپرستی۔

موضوعات الاستشراق

مستشرقین اپنی تصانیف، مقالوں اور تقریروں میں عموماً ان موضوعات کو زیرِ بحث لاتے ہیں:

(۱) ذاتِ باری تعالیٰ (۲) رسالتِ محمدیہؐ (۳) قرآن مجید (۴) مجموعۂ احادیث (۵) فقہ اسلامی (۶) لغۃ القرآن، عربی (۷) سیرت النبی ﷺ (۸) تاریخ اسلام (۹) الفرق الاسلامیہ (۱۰) الدول الاسلامیہ (۱۱) اسلامی تحریکیں۔

استشراق کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟

استشراق کا مقابلہ کرنے کے لیے دور حاضر کے مسلم دانشوروں نے جو سفارشات مرتب کی ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے:

- الغزو الفکری کو اسلامی دنیا کے نصاب کا باقاعدہ حصہ بنادیا جائے۔
- استشراق کے مقابلے کے لیے مستقل ادارے قائم کئے جائیں، یا کم از کم دینی و عصری تعلیمی اداروں میں اس کے لیے تخصیصی شعبہ جات کا انتظام کیا جائے۔
- مطلوبہ اہم موضوعات پر اتنا معیاری کام کیا جائے کہ مستشرقین کا کام ماند پڑ جائے۔
- تحقیقی کام کے ذریعے مستشرقین کی دسیسہ کاریوں، غلط فہمیوں اور جہالتوں کو ناقابل تردید دلائل کے ذریعے واضح کیا جائے۔

چند مشہور مستشرقین کا تعارف

ولیم میور (۱۹۰۵-۱۸۱۹ء):

یہ مشنری پادری تھا اس کی کتب ''حیاتِ محمد''اور ''القرآن تالیفہ و تعالیمہ''بہت مشہور ہیں۔ حیات محمد میں نبی اکرم ﷺ پر جابجا اعتراضات کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو مشکوک بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

اگناز گولڈزیہر (۱۹۲۱-۱۸۵۰ء):

یہ متعصب یہودی مستشرق تھا۔ استشراق کے مجددین میں شمار ہوتا ہے۔ اسلامی عقائد اور شریعت، قرآن مجید اور حدیث کے بارے میں کئی متعصبانہ کتب لکھیں جن میں ''تاریخ مذاہب التفسیر الاسلامی''اور ''العقیدۃ والشریعۃ''بہت مشہور ہیں۔

تھامس آرنلڈ (۱۹۳۰-۱۸۶۴ء):

اسے معتدل مستشرقین میں شمار کیا جاتا ہے، اس کی کتاب ''دعوتِ اسلام''بے حد مشہور ہے۔

اسٹینلے لین پول (۱۹۳۱-۱۸۵۴ء):

صلاح الدین ایوبی پر معتدل تاریخی کام کرنے کی وجہ سے دنیائے اسلام میں مشہور ہے۔

پرنس لیون کایتانی (۱۹۳۵-۱۸۶۹ء):

عربی و فارسی کا ماہر اطالوی مستشرق تھا۔ اس کی مشہور تصنیف ''حولیات الاسلام''جو دس جلدوں میں ہے، تاریخ اسلام میں اکثر مستشرقین کا ماخذ ہے۔

ہنری لامینس (۱۹۳۷-۱۸۶۳ء):

مسیحی کالج بیروت کا یہ پروردہ مستشرق مشنریوں کا سر کردہ رکن اور اسلام کے بارے میں شدید متعصب تھا۔ سیرتِ خلفائے راشدینؓ اور خلفائے بنو امیہ کو داغ دار کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

اے جے وینسک (۱۸۸۲-۱۹۳۹ء):

''المعجم المفہرس للحدیث النبویۃ''اور اس کی تلخیص ''مفتاح کنوز السنۃ''کو مرتب کر کے عالم اسلام کے اہل علم سے بڑی داد وصول کی مگر اس کی دیگر کتب میں اسلام سے تعصب اور حسد ظاہر ہوتا ہے۔

سموئیل زویمر (۱۸۶۷-۱۹۵۲ء):

اس امریکن پادری کی اسلام دشمنی ضرب المثل ہے۔ مشنریوں کو اسلام کے خلاف دلائل فراہم کرنے کے لیے درجنوں کتابیں لکھ ڈالیں۔

(باقی صفحہ نمبر 100 پر)

منہاجِ نبوتؐ پر قائم حکومتوں کی بنیاد: ہدایت!

''جو حکومتیں منہاج نبوت پر قائم ہوتی ہیں ان کی بنیاد تجارت کے بجائے ہدایت پر ہوتی ہے۔ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنے ایک عامل سے (جس نے ان کے طرز حکومت کی وجہ سے آمدنی کی تخفیف اور حکومت کے مالی نقصان کی شکایت کی تھی) فرمایا کہ 'محمد رسول اللہ ﷺ ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے تحصیلدار اور محصل بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے'، اس ایک مختصر سے جملہ میں دینی حکومت کا پورا اصول سیاست اور طرز حکمرانی آ گیا۔

دینی حکومت کی بڑی توجہ جمہور کے مذہب و اخلاق اور ان کے اخروی نفع و ضرر کی طرف ہوتی ہے۔ اس کا اصل کام خراج اور محاصل کی تحصیل وصولی اور آمدنی کا اضافہ نہیں ہے، یہ سب چیزیں بالکل ضمنی اور ثانوی ہیں اور محض اصلاحی و دینی مقاصد کی تکمیل اور انتظام حکومت کے آلۂ کار کے طور پر ہیں، وہ تمام سیاسی اور مالی امور ہیں دینی نقطہ نظر سے غور کرتی ہے، دینی اور اخلاقی اصول و مبادی کو فوائد و مصالح پر مقدم رکھتی ہے اس کے حدود و حکومت میں سود، جوا، شراب، زنا، فسق و فجور، بے حیائی کی قسمیں اور اس کے تمام مُحرکات و ترغیبات اور ایسے مالی معاملات جن سے انفرادی نفع اور اجتماعی مضرت ہو، ممنوع اور خلاف قانون ہوتے ہیں، اگرچہ اس کی وجہ سے عظیم الشان مالی خسارہ برداشت کرنا پڑے اور حکومت کو وسیع آمدنی سے محروم ہونا پڑے، وہ مختلف قسم کی اصلاحات نافذ کرتی ہے، اس کو صرف قوم کے افعال و اعمال ہی سے تعلق نہیں ہوتا بلکہ اس کے رجحانات اور ذہنیت پر بھی اس کی نگاہ ہوتی ہے، اس لیے کہ اخلاقی رجحانات ہی افعال و اعمال کو وجود میں لاتے ہیں، اگر اخلاقی رجحان درست نہ ہو تو اعمال و افعال کی اصلاح اور جرائم اور بداخلاقیوں کا سدّباب کسی طرح ممکن نہیں، اس لئے وہ ان تمام چیزوں پر پابندی عائد کرتی ہے جو قوم میں بداخلاقی قانون شکنی اور نفس پرستی اور عشرت پسندی کا رجحان پیدا کرتی ہیں، اور ان تمام اشخاص کو مجرم اور ملک کا دشمن گردانتی ہے، جو لوگوں میں بے حیائی اور معصیت پسندی پیدا کرتے ہیں، خواہ وہ اہل فن ہو یا تاجر یا اہل حرفہ، اس کو قیامِ امن و انتظامِ سلطنت کے ساتھ ساتھ اخلاقی نگرانی اور تہذیب نفس کا بھی پورا پورا اہتمام ہوتا ہے، اس لیے کہ اس کی حیثیت صرف پولیس اور چوکیدار کی نہیں ہوتی بلکہ ایک شفیق مُربّی اور اتالیق کی بھی ہوتی ہے۔''

(مفکرِ اسلام حضرت مولانا سیّد ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ)

جہاد ایمان و نفاق کو الگ کرتا ہے!

(خطوط از اَرضِ رِباط)

مولانا قاری عبد العزیز شہید رحمۃ اللہ علیہ

خطوط کا انسانی زندگی، زبان و ادب اور تاریخ پر گہرا اثر ہے۔ یہ سلسلہ ہائے خطوط اپنے انداز میں جدا اور نرالے ہیں۔ ان کو لکھنے والے القاعدہ برِّ صغیر کی لجنۂ مالیہ کے ایک رکن، عالم و مجاہد بزرگ مولانا قاری ابو حفصہ عبد الحلیم ہیں، جنہیں میادین جہاد 'قاری عبد العزیز' کے نام سے جانتے ہیں۔ قاری صاحب سفید داڑھی کے ساتھ کبر سنی میں مصروفِ جہاد رہے اور سنہ ۲۰۱۵ء میں ایک صلیبی امریکی چھاپے کے نتیجے میں، قندھار میں مقامِ شہادت پر فائز ہو گئے، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃ۔ قاری صاحب نے میدانِ جہاد سے وقتاً فوقتاً اپنے بہت سے محبین و متعلقین (بشمول اولاد و خاندان) کو خطوط لکھے اور آپ رحمہ اللہ نے خود ہی ان کو مرتب بھی فرمایا۔ ادارہ 'نوائے غزوۂ ہند' ان خطوط کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اللہ پاک ان خطوط کو لکھنے والے، پڑھنے والوں اور شائع کرنے والوں کے لیے توشۂ آخرت بنائے، آمین۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ و بعد

محترم بھائی......السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بعد از سلام! امید ہے کہ آپ ایمان و صحت کی بہترین حالت میں ہوں گے۔ ہم بھی بفضل اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی نیک دعاؤں سے خیر و عافیت میں ہیں۔ میں پچھلے سال کراچی آیا تھا، آپ کے قریب ترین عزیز اور میرے عزیز دوست کے ذریعے آپ سے فون پر سلام دعا ہوئی تھی۔ مجھے احساسِ ندامت ہوا کہ کراچی آکر بھی آپ جیسی ہستی سے ملاقات نہ کر سکا۔ کتنی بڑی سعادت سے میں محروم ہوا ہوں اس کا قلق آج تک مجھے ہے جس کو میں بھول نہ سکوں گا۔ خیر اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ وہ ہمیں ضرور جنت میں اکھٹا کرے گا۔

جب مجھے خبر ہوئی کہ ہماری ارضِ جہاد میں فلاں شہیدؒ کے برادرِ اکبر تشریف لائے ہیں، تو مجھے بے انتہا خوشی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک مرتبہ پھر موقع دیا کہ آپ سے خط کے ذریعے ملاقات کروں۔ پہلے تو میں آپ کو اس خط کے ذریعے مبارک باد پیش کرتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شہیدؒ کے والد ہونے کا شرف بخشا ہے۔ آپ کے شہید بیٹےؒ نے جس راستے کو چنا تھا یہی دین و دنیا کی کامیابی کا واحد راستہ ہے۔ امتِ مسلمہ کے عروج و زوال کا دار و مدار اسی راستے پر ہے۔ یہی راستہ ایمان و نفاق کو الگ کرتا ہے۔ ماضی بعید و قریب میں اسی راستے کا زینہ طے کر کے ہی امت نے عروج حاصل کیا تھا اور آئندہ بھی امت اسی راستے کا زینہ طے کر کے ہی عروج حاصل کرے گی۔ اس نے ماضی قریب میں اسی قتال کے ذریعہ روس کو شکستِ فاش دی اب امریکہ کی باری ہے۔ امریکہ اور اس کے اتحادی بھی اسی جہاد کی وجہ سے شکست کھا چکے ہیں اور بھاگ رہے ہیں۔ اس جہاد میں آپ کے شہید بیٹےؒ نے ہر اول دستے کا کام کیا اور بہت سے بھٹکے ہوئے نوجوانوں کو یہ راستہ دکھا کر اپنی مراد کو پا گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی شہادت کو قبول فرمائے اور اس کے ذریعے سے آپ اور آپ کے اہل خانہ کے درجات کو بلند فرمائے، آمین!

یقیناً آپ اس کی جدائی کا غم سہہ رہے ہوں گے اور اس پر صبر بھی کیا ہو گا اس پر اللہ رب العزت آخرت میں آپ کو ایسا بدلہ دے گا کہ آپ دنیا کے تمام غم بھول جائیں گے، ان شاء اللہ۔ تذکیر کے لیے قرآن پاک کی آیات کے ذریعے اس خط کا اختتام کرتا ہوں۔ ارشاد ہے:

فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ○ وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّ حَرِيْرًا ○ مُّتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ○ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ○ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا ○ قَوَارِيْرَاْ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ○ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ○ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ○ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ○ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ○ وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ○

(سورۃ الدہر: ۱۱ تا ۲۰)

"تو اللہ ان کو اس دن کی سختی سے بچا لے گا اور تازگی اور خوش دلی عنایت فرمائے گا۔ اور ان کے صبر کے بدلے ان کو جنت (کے باغات) اور ریشم (کے ملبوسات) عطا کرے گا۔ ان میں وہ تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے، وہاں نہ دھوپ (کی حدت) دیکھیں گے نہ سردی کی شدت۔ ان سے (پھل دار شاخیں اور) ان کے سائے قریب ہوں گے اور میووں کے گچھے جھکے ہوئے لٹک رہے ہوں گے۔ (خدام) چاندی کے برتن لیے ہوئے ان کے ارد گرد پھریں گے اور شیشے کے (نہایت شفاف) گلاس... اور شیشے بھی چاندی کے جو ٹھیک اندازے کے مطابق بنائے گئے ہیں۔ اور وہاں ان کو ایسی شراب (بھی) پلائی جائے گی جس میں سونٹھ کی آمیزش ہو گی۔ یہ جنت میں ایک چشمہ ہے جس کا نام سلسبیل ہے۔ اور ان کے پاس لڑکے آتے جاتے ہوں گے جو ہمیشہ (ایک ہی حالت پر) رہیں گے جب تم ان پر نگاہ ڈالو تو خیال کرو کہ بکھرے ہوئے موتی ہیں۔ اور جنت میں (جہاں) آنکھ اٹھائیں گے کثرت سے نعمت اور عظیم (الشان) سلطنت دیکھیں گے۔"

احباب کو سلام عرض ہے۔ دعاؤں کی درخواست ہے۔

والسلام

آپ کا دینی بھائی

امامِ برحق

شہیدِ اسلام، امام برحق حضرت مولانا عبد الرشید غازیؒ کی مختصر سوانحِ حیات

معین الدین شامی

خواہش و ارادہ

خواہش و ارادہ ہے کہ امامِ برحق، مجاہدِ کبیر، شہیدِ اسلام، حضرت مولانا عبد الرشید غازی رحمۃ اللہ علیہ کی مختصر سوانح لکھی جائے۔ یہ مختصر سوانح جو شاید چند صفحوں سے زیادہ نہ ہو کو لکھنے کا خیال کئی وجوہات کی بنا پر ذہن میں جگہ بنا گیا ہے۔

اولاً، تو راقم کی ایک زمانے سے خواہش ہے کہ پچھلے سو سال میں گزرے بعض مشاہیر اسلام جن سے مجھے ایک ذاتی تعلق بھی محسوس ہوتا ہے اور جن کے متعلق یا تو لکھا گیا ہی نہیں ہے یا پھر اردو زبان میں کم از کم ان کی کوئی مختصر سی سوانح بھی موجود نہیں کے متعلق لکھا جائے، اور غازی صاحب ان شخصیات میں سے ایک ہیں جن کی حیات و خدمات سے مجھے ذاتی لگاؤ ہے۔ بلکہ غازی صاحب ایسی شخصیت ہیں کہ جن سے مجھ جیسے کا ذاتی لگاؤ ایسا ہی ہے جیسے سردیوں میں سورج کی تپش کے متعلق کوئی کہے کہ یہ مجھے ذاتی طور پر پسند ہے۔

ثانیاً، غازی صاحب ایسی شخصیت ہیں کہ ان کی مختصر یا مفصل تحریری سوانح میری نظر سے نہیں گزری۔

ثالثاً، جس وقت میں مجھے یہ مختصر سوانح لکھنے کا موقع مل رہا ہے تو غازی صاحب کو شہید ہوئے تیرہ برس ہو چکے ہیں۔ لہٰذا وقت کا تقاضا بھی ہے کہ غازی صاحب اور ان کے مقصد و جد وجہد کو یاد رکھا جائے۔

رابعاً، میں یہ خدمت کر کے اسلامی مؤرخین، ادیبوں اور سوانح نگاروں کو یہ پیغام دینا چاہتا ہوں کہ وہ غازی صاحب جیسی شخصیات کے متعلق لکھیں۔ ان کی سوانحِ حیات کے ہر اس پہلو کا جائزہ لیں، جس جس پہلو کا جائزہ لے کر سیرت اور سوانح لکھی جاتی ہے۔

اعتراف

مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی باک نہیں کہ نہ تو میں کوئی ادیب ہوں، نہ پختہ قلم کار، نہ مؤرخ اور نہ ہی طالبِ علم۔ مجھے سیرت لکھنے کے لیے کسی کی زندگی کے خاص و عام گوشوں کو سمجھنے اور ان کا جائزہ لینے کا فن بھی نہیں آتا۔ پھر اس پر مستزاد کے مختصر انداز سے لوگوں کی سوانح لکھنے کا جو ارادہ میں کئی سال سے رکھتا ہوں اور سلسلے کا آغاز جس شخصیت کی مختصر سوانح سے کر رہا ہوں میں ان کو بھی (ان پہلوؤں سے جو پہلے بیان ہوئے) بہت زیادہ نہیں جانتا، البتہ ان سے محبت رکھتا ہوں اور اس محبت کو عام کرنے کا ارادہ بھی۔ ہاں چند مشاہیر اسلام کی سیر تیں پڑھنے کا موقع مجھے ملا ہے، سو سیرت نگاروں کے نقشِ پا پر اپنے قدم رکھتا ہوا یہ کام شروع کر رہا ہوں۔ سوانح اور سیرت، بڑے عنوان ہیں اور ان عنوانات کے تحت جن موضوعات اور جس مواد کو ڈھونڈا جاتا ہے، شاید وہ میری تحریر میں ناپید ہوں۔ لہٰذا پہلے کہی ہوئی بات پھر دہرا دیتا ہوں کہ جن اللہ کے اولیا و اتقیا سے مجھے محبت و نسبت ہے تو ان کی محبت کو عام کرنے کے لیے میں یہ چند سطریں لکھ رہا ہوں۔

تاریخی حوالہ جات

یہ سطور لکھتے ہوئے میرے پاس نہایت کم وسائل ہیں، جنہیں استعمال کرتے ہوئے میں غازی صاحب کے متعلق کچھ لکھ رہا ہوں۔ بعض تاریخی حوالے خاص واقعے یا قول کے ساتھ درج ہیں جب کہ اس تحریر کے آخر میں یہ تحریر لکھتے ہوئے جن جن جگہوں سے استفادہ کیا گیا ہے ان کا جملہ ذکر کر دیا گیا ہے۔ وسائل کی محدودیت کے سبب اگر کوئی حوالہ یا تاریخی بات غلط درج ہو گئی ہو تو حضرت غازی صاحب شہید کے اعزا و اقربا سے گزارش ہے کہ وہ تصحیح فرمائیں تا کہ اصلاح کی جا سکے۔

انتساب

میں اس تحریر کا انتساب اولاً اپنے مرشد جنابِ اسامہ ابراہیم غوری شہید رحمۃ اللہ علیہ کے نام کرتا ہوں۔ مرشد شہید کی تربیتِ خاص، توجہ، محنت اور سب سے بڑھ کر محبت نے مجھے چار لفظ جوڑنے کی ہمتِ تازہ دی۔ مرشد شہید نے ہمیشہ مجھے لکھنے کا حوصلہ دیا اور میری تحریر کی املا و انشا درست کی۔ پھر جس مختصر سلسلۂ سوانح کو لکھنے کا میرا ارادہ ہے اور خاص کر غازی صاحب کے متعلق لکھنے کا، تو اس میں بھی مرشد رحمہ اللہ کی ہدایت و خواہش شامل ہے۔

ثانیاً میں اس تحریر کا انتساب اپنے جدِ امجد جنابِ چودھری محمد ابراہیم کے نام کرتا ہوں، اللہ پاک ان کی مغفرت فرمائیں اور رحمت کی چادر سے ان کو ڈھانپ دیں، آمین۔

ولادت، خاندان اور آبائی علاقہ

جدِ امجد اور آبائی علاقہ

غازی صاحب کے والدِ گرامی کا نام محمد عبد اللہ غازی تھا اور مولانا محمد عبد اللہ صاحب کے والد کا نام 'غازی بلوچ' تھا۔ غازی بلوچ ایک دیہاتی کسان آدمی تھے اور معاشرے کی ایک متحرک شخصیت تھے۔ برِّصغیر پر انگریزی استعماری حکومت کے زمانے میں کسی مقدمے میں غازی بلوچ صاحب کو چودہ سال قید کی سزا ہوئی۔ جس جیل میں غازی بلوچ قید تھے، اسی جیل میں امیر شریعت حضرت مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری بھی انگریز کی مخالفت اور انگریز کے خلاف تحریک و جد وجہد کے 'جرم' میں قید کر کے ڈالے گئے۔ غازی بلوچ نے علومِ دینیہ کی تحصیل جیل

میں حضرت شاہ جی رحمہ اللہ سے ہی شروع کی اور چودہ سال بعد آپ جب جیل سے نکلے تو علومِ دینیہ کے فاضل کے طور پر رہا ہو کر، 'مولوی غازی بلوچ' بن کر نکلے۔[17]

مولوی غازی بلوچ نے پنجاب اور بلوچستان کے سرحدی علاقے راجن پور کی تحصیل 'روجھان' کے ایک گاؤں کو اپنی جائے سکونت بنایا اور یہیں مولانا عبد اللہ غازی کی ولادت ہوئی۔ مولانا عبد اللہ غازی کی پیدائش کے بعد اس گاؤں کا نام 'بستی عبد اللہ' مشہور ہو گیا۔

خاندان و قبیلہ

غازی صاحب کا تعلق مشہور بلوچ قبیلے 'مزاری' کی 'سدوانی' شاخ سے تھا۔ مزاری قبیلہ کئی صدیوں سے کوہِ سلیمان اور دریائے سندھ کے درمیان واقع علاقوں میں آباد ہے۔ یہ قبیلہ اپنی بہادری اور شجاعت جیسے اوصاف سے معروف ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کا نام بلوچی زبان کے لفظ 'مزار' سے اخذ شدہ ہے جس کا لفظی معنیٰ 'شیر' ہے۔ مزاری قبیلے نے رنجیت سنگھ کی پنجاب پر قابض سکھ حکومت کے خلاف بھی جنگیں لڑیں۔

والدِ گرامی—مولانا محمد عبد اللہ غازی—حیات و خدمات پر ایک طائرانہ نظر

مولانا محمد عبد اللہ غازی کی پیدائش یکم جون ۱۹۳۵ء بمطابق ۲۹ صفر ۱۳۵۴ھ کو بروز ہفتہ ہوئی۔ مولانا عبد اللہ غازی نے ابتدائی دینی تعلیم پنجاب کے ضلع رحیم یار خان کی تحصیل صادق آباد میں قائم مدرسہ 'خدام القرآن' سے حاصل کی اور بعد ازاں اپنے والد مولوی غازی بلوچ کی خواہش و حکم پر اعلیٰ دینی تعلیم کے لیے پاکستان کی ممتاز دینی درس گاہ 'جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن کراچی' کارخ کیا اور یہیں سے سندِ فراغت محدثِ عصر حضرت علامہ سیّد محمد یوسف بنوری (نوّر اللہ مرقدہٗ) کے زیرِ تلمذ حاصل کی۔

مولانا عبد اللہ غازی سنہ ۱۹۶۶ء میں اپنے آبائی علاقے 'راجن پور' کی تحصیل 'روجھان' سے پاکستان کے نو تعمیر شدہ دار الحکومت 'اسلام آباد' اپنے استاذ و شیخ علامہ سیّد محمد یوسُف بنوری کے انتخاب و ہدایت پر منتقل ہوئے۔ اسلام آباد میں آپ نے ۱۹۶۶ء سے لے کر تا شہادت یعنی ۱۹۹۸ء تک، مسلسل بتیس (۳۲) سال 'مرکزی جامع مسجد' میں امامت و خطابت کی خدمت سر انجام دی۔ یہی 'مرکزی جامع مسجد اسلام آباد'، بعد ازاں لال مسجد کے نام سے معروف ہوئی۔

مولانا محمد عبد اللہ غازی جرأت مند، تحریک پسند، نفاذِ اسلام کے داعی و حامی، ولا یخافون لومۃ لائم[18] کی تصویر، حق گو عالمِ دین اور مجاہد فی سبیل اللہ تھے۔

دار الحکومت اسلام آباد میں ابتداءً تعمیر کی گئی مساجد مولانا محمد عبد اللہ صاحب ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ خاص کر اسلام آباد کی مرکزی شاہراہ 'جناح ایونیو' اور اس کے ارد گرد واقع 'بلیو ایریا' میں جو مساجد تعمیر ہوئیں ان کا سراسر سہرا مولانا محمد عبد اللہ صاحب کے سر جاتا ہے۔

بستی عبد اللہ کے رہائشی مولانا عبد الرؤف ربّانی کے بقول:

> ''مولانا عبد اللہ صاحب شریف النفس آدمی تھے اور آج اسلام آباد میں جتنی مساجد موجود ہیں یہ انہی کی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔''[19]

مولانا محمد عبد اللہ صاحب نے انبیا علیہم السلام کی وراثت کا حق ادا کرتے ہوئے دین کے بنیادی فرائض میں سے اقامتِ دین کی محنت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو اپنا اولین فرض جانا اور اپنی استطاعت کے مطابق ساری زندگی نفاذِ شریعت کی کوشش، دعوت و جہاد کی سعی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر کاربند رہے۔

مولانا عبد الرشید غازی اپنے والد صاحب کے فریضۂ نہی عن المنکر کی ادائیگی کے متعلق کہتے ہیں:

> '' والد صاحب نے کبھی حکومت کے ساتھ (کسی غیر اسلامی معاملے پر) سمجھوتہ نہیں کیا۔ جب بھی والد صاحب نے کسی برائی کو دیکھا تو اس کو ببانگِ دہل بیان کیا۔ اور آپ کہہ سکتے ہیں کہ وہ بہت بے باک و صاف گو تھے...... ......اور (برائی کو بیان کرنے میں بے باکی اور صاف گوئی کے سبب) کئی بار ان کو قید کیا گیا[20]، بھٹو نے انہیں اغوا کروایا!''[21] اور [22]

مولانا محمد عبد اللہ صاحب نے ساری زندگی نفاذِ اسلام کی دعوت دی اور اسی جد و جہد میں کھپتے رہے۔ مولانا عبد الرشید غازی ہی کے بقول:

> ''حضرت والد صاحب ساری زندگی یہی بات کہتے رہے کہ یہ ملک اسلام کے نام پر بنا تھا...... اس کے لیے قربانیاں دی گئیں، ہماری بہنوں نے، ماؤں نے قربانیاں دیں۔ قربانیاں آپ کے سامنے ہیں بڑا خون لگا ہے...... یہ ملک آسانی

---

[17] یہ بات حاجی محمد بلوچ (غازی صاحب کے ماموں اور مولانا عبد اللہ غازی کے برادرِ نسبتی) نے بتائی۔ بحوالہ ایکسپریس ٹی وی، ویڈیو نیوز رپورٹ از احمد منصور، نشر شدہ بتاریخ ۱۵ مئی ۲۰۰۸ء۔

[18] وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ (سورۃ المائدۃ: ۵۴)، یعنی 'اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے'۔

[19] ایکسپریس ٹی وی، ویڈیو نیوز رپورٹ از احمد منصور، نشر شدہ بتاریخ ۱۵ مئی ۲۰۰۸ء۔

[20] مولانا موصوف ۱۹۷۴ء کی تحریکِ ختمِ نبوت کے موقع پر بھی گرفتار کیے گئے اور ۱۹۷۷ء کی تحریکِ نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوران بھی آپ کو پابندِ سلاسل کیا گیا۔ (بحوالہ: علمائے دیوبند کے آخری لمحات، ج ۲، ص ۳۶۳)

[21] Al Jazeera English's programme "Witness", with Rageh Umaar [نشر شدہ گیارہ (۱۱) اگست ۲۰۰۷ء]

[22] بھٹو کے دور میں پی ایس ایف (پاکستان سٹوڈنٹس فیڈریشن) کے غنڈے مولانا موصوف کو اغوا کر کے لے گئے اور آپ کی آنکھوں پر پٹی باندھی اور کہا کہ ہم تمہیں ابھی گولی مارتے ہیں اور اس حالت میں مولانا موصوف تلاوتِ قرآن میں مشغول ہو گئے اور یہ غنڈے اپنے ارادے سے باز آ گئے۔ مولانا کو کئی ماہ اسی حالت میں رکھ کر بعد اُچھوڑ دیا گیا۔ (بحوالہ: علمائے دیوبند کے آخری لمحات، ج ۲، ص ۳۶۲)

سے نہیں بنا ہے۔ ایسے میں اس کا جو مقصد تھا، جو ہدف تھا...... وہ تو یہی ہے کہ پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ! (لہٰذا یہاں اسلام کا نفاذ ہونا چاہیے)۔"[23]

مولانا محمد عبد اللہ صاحب نے نفاذِ اسلام کے لیے کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ مولانا محمد عبد اللہ صاحب نہ صرف پاکستان میں بلکہ پوری دنیا میں غلبۂ اسلام کے داعی و حامی تھے اور اس کے لیے انہوں کوششیں بھی کیں۔ اسی غلبۂ اسلام کی حمایت و دعوت، اسلامی ممالک میں نفاذِ شریعت اور کفر کا غلبہ توڑنے کی جد و جہد کی ایک کڑی آپ کی سنہ ۱۹۹۸ء کے وسط میں شیخ اسامہ بن لادنؒ کے ساتھ ملاقات بھی تھی۔ اسی ملاقات کے محض چند ماہ بعد اکتوبر، ۱۹۹۸ء کی اٹھارہ (۱۸) تاریخ کو مولانا محمد عبد اللہ غازی کو ان کے زیرِ اہتمام مدرسے 'جامعہ فریدیہ' سے واپسی پر لال مسجد کے احاطے ہی میں، اک قاتلانہ حملے میں، گولیاں مار کر شہید کر دیا گیا، بوقتِ شہادت آپ کی عمر تریسٹھ (۶۳) برس تھی۔ مولانا محمد عبد اللہ غازی کی شہادت اور شیخ اسامہ بن لادن سے ملاقات کا احوال بیان کرتے ہوئے مولانا عبد الرشید غازی فرماتے ہیں:

> "والد صاحب ۱۹۹۸ء میں شہید کیے گئے اور چند ماہ قبل ہی انہوں نے اسامہ بن لادن کے ساتھ ملاقات کی تھی۔ میں بھی ان (شیخ اسامہ بن لادن) سے ملا......یہ ملاقات قندھار میں ہوئی۔
>
> جب والد صاحب واپس آئے تو انہوں نے اپنے پہلے جمعے کے خطبے میں شیخ اسامہ سے ملنے کی ساری روداد سنائی اور کہا کہ 'میں اسامہ کی باتوں سے متفق اور اس کا قائل ہوں، جو بھی شیخ اسامہ کہہ رہے ہیں وہ درست ہے'۔ وہ شیخ اسامہ کو پاکستان میں سپورٹ کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ 'کم از کم میں اسامہ کی پاکستان میں حمایت کروں گا (کوئی اور کرے یا نہ کرے)'۔"[24]

مولانا محمد عبد اللہ غازی، شیخ اسامہ بن لادن کی جن باتوں سے متفق اور قائل ہوئے تھے ان میں سرِ فہرست ارضِ حرمین[25] سے امریکی افواج کی بے دخلی اور امریکہ جو کہ اسرائیل کا پشت پناہ ہے، کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ ہیں۔

اس ملاقات کے بعد اور اپنی شہادت سے محض چند ہفتے قبل مولانا عبد اللہ غازی صاحب نے شیخ اسامہ بن لادن کی شان میں عربی زبان ایک میں قصیدہ لکھا[26]، جس کے چند منتخب اشعار یہ ہیں:

ازور اسامة رجلا جليلاً
وضيفا ماجداً رزق النصيبا

نصيب الخير من هم وعزم
وجراءة ضيغم بلغ المشيبا

فيا ربّ العباد ارحم عليه
واخلصه الشدائد والكروبا

وعبد الله مداح لعزمه
وصديق له صدقا قريباً

"یعنی میں اسامہ سے ملاقات رکھتا ہوں، وہ ایک قوی و عزیم اور بہادر شخص ہیں۔ وہ بزرگ و عظیم مہمان ہیں اور اللہ نے انہیں عظمت عطا فرمائی ہے۔ اللہ نے انہیں خیر و بھلائی اور ہمت و اولو العزمی سے وافر حصہ دیا ہے۔ وہ جرأت و بہادری والے معمر شیر ہیں۔ پس اے بندوں کے خدا! ان پر رحم کر اور شدائد و مصیبتوں سے انہیں نجات نصیب فرما۔ 'عبد اللہ' ان کے عزم و ہمت کا مداح ہے، ان کا دوست ہے اور ان کے قریبی مخلص لوگوں میں سے ایک ہے۔"

مولانا محمد عبد اللہ غازی شہید رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے دو ہونہار، مجاہد و عالم، داعی و مبلغ اور تابعِ شریعت بیٹے عطا فرمائے (نحسبہم كذلك والله حسيبهم)، جن میں پہلے اور فرزندِ اکبر مولانا محمد عبد العزیز غازی صاحب (مد ظلہٗ) اور دوسرے فرزندِ اصغر مولانا عبد الرشید غازی شہید (نوّر اللہ مرقدہٗ) ہیں۔ مولانا محمد عبد اللہ غازی شہید کی زوجہ محترمہ (یعنی غازی برادران کی والدہ ماجدہ) کو بھی اللہ پاک نے شہادت فی سبیل اللہ سے نوازا اور آپ لال مسجد پر ظالمانہ فوجی آپریشن میں خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوئیں۔ اسی فوجی آپریشن میں مولانا عبد العزیز صاحب کے بیٹے مولانا حسان غازی بھی شہید ہوئے۔

ایں سلسلہ از طلائے ناب است
ایں خانہ تمام آفتاب است

غازی صاحب کی ولادت

غازی صاحب کی پیدائش ۲۹ جنوری ۱۹۶۴ء کو دوشنبہ کے روز ہوئی[27]۔ اس عیسوی شمسی تاریخ کے مطابق آپ کی تاریخِ ولادت بمطابق ہجری قمری تقویم ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ بنتی ہے۔

---

[23] بحوالہ 'Live with Talat'، طلعت حسین کے ساتھ (آج ٹی وی)

[24] Al Jazeera English's programme "Witness", with Rageh Umaar [نشر شدہ گیارہ (۱۱) اگست ۲۰۰۷ء]

[25] صحیح بخاری شریف میں رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک نقل ہے کہ 'أخرجوا المشركين من جزيرة العرب'، یعنی 'مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دو'۔ آج جزیرۃ العرب کئی ممالک میں تقسیم ہے جن میں سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، یمن، عمان، قطر اور بحرین وغیرہ شامل ہیں۔ کشف الباری اردو شرح صحیح البخاری میں محدث حضرت ملا علی قاری کا قول منقول ہے کہ 'مشرکین سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں'۔ حضرتِ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم پر عمل کرتے ہوئے یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال باہر کیا تھا اور ان کے نکالے جانے کے تقریباً چودہ سو سال بعد آلِ سعود کے مغربی ایجنٹ حکمرانوں نے امریکی فوج کی صورت میں یہود و نصاریٰ کو دوبارہ جزیرۃ العرب میں داخل کر دیا۔

[26] ملاحظہ ہو مجلّہ نوائے افغان جہاد (نوائے غزوۂ ہند کا سابقہ نام) کا اپریل و مئی ۲۰۱۴ء کا شمارہ، صفحہ نمبر ۷۰۔

[27] انٹرنیٹ پر موجود بعض ذرائع کے مطابق یہ تاریخ معروف ہے۔

آپ کی جائے ولادت آپ کا آبائی علاقہ 'بستی عبد اللہ' ہے۔ آپ کا پورا نام 'محمد عبد الرشید غازی' رکھا گیا اور عوام و خواص میں آپ 'علامہ عبد الرشید غازی'، 'مولانا عبد الرشید غازی'، 'غازی رشید' اور 'غازی صاحب' کے نام سے معروف ہوئے۔

تعلیم، پیشہ ورانہ زندگی اور دین کی طرف خصوصی رغبت

غازی صاحب نے مروجہ عصری (انگریزی طرز کی) تعلیم حاصل کی۔ سنہ ۱۹۸۷ء میں آپ نے 'قائدِ اعظم یونیورسٹی' اسلام آباد سے 'بین الاقوامی تعلقات' (International Relations) میں ماسٹرز کی ڈگری حاصل کی۔ یہ ڈگری حاصل کرنے کے کچھ ہی عرصے بعد آپ کو اسلام آباد ہی میں وزارتِ تعلیم میں ملازمت مل گئی۔ بعد ازاں آپ 'اقوامِ متحدہ' کے ذیلی ادارے 'یونیسکو' (UNESCO) سے وابستہ ہو گئے اور بعض بین الاقوامی کانفرنسوں میں پاکستان کی طرف سے نمائندگی بھی کی۔

یہ سارا عرصہ آپ نے (جدید اصطلاح میں) ایک ماڈرن شخص کے طور پر گزارا۔ البتہ بعض مذہبی آثار نمایاں رہے کہ گھرانہ ٹھیٹھ مذہبی تھا اور راقم کو یقین ہے کہ غازی صاحب کی یہ حالت دیکھ کر، آپ کے والد مولانا محمد عبد اللہ غازی ضرور دست بدعا ہوتے ہوں گے اور خیرِ کثیر اپنے فرزندِ دلبند کے لیے طلب کرتے ہوں گے۔

اس بات کا مطلب خدانخواستہ یہ نہ سمجھا جائے کہ غازی صاحب کوئی دین بیزار یا مادہ پرست شخص بن گئے تھے یا وہ اپنے والد سے بہت دور ہو گئے تھے، یہ خیال ٹھیک نہیں۔ راقم کی رائے میں اس طرح کے خیال کے ٹھیک نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ گو غازی صاحب خود اس وقت ٹھیٹھ دین دار نہ تھے، لیکن داڑھی سے آپ کا چہرہ سجا رہا اور انہی حالات و کیفیات سے کچھ خلاصی پانے کے بعد آپ نے اپنے والدِ ماجد کے ساتھ افغانستان کا بھی سفر کیا جس میں شیخ اسامہ بن لادن سے ملاقات ہوئی۔ پھر غازی صاحب کی افغانستان میں دشمنانِ دین کے خلاف جنگ میں شمولیت کی تصویریں بھی آپ کے تمسک بالدین کی دلیل ہیں۔ عہدِ جوانی کی ایک تصویر میں آپ راکٹ لانچر سے گولہ چلاتے نظر آتے ہیں۔ ایک دوسری تصویر میں مارٹر کا گولہ چلاتے نظر آتے ہیں جبکہ دوسرے ہاتھ میں مخابرہ (وائرلیس کمیونیکیشن سیٹ) پکڑ رکھا ہے اور کلاشن کوف و دیگر اسلحے کے ساتھ تو آپ کی کئی اور تصاویر بھی ہیں۔

لہٰذا راقم کے خیال میں غازی صاحب گو کہ بعض پیشہ ور اداروں سے وابستہ تھے، لیکن ان کی بنیاد نہ بدلی تھی اور وہ مستقل فطرتِ سلیمہ کی طرف ہی مائل رہے اور آپ کے والد صاحب کی شہادت کا واقعہ جو آپ کی زندگی کا 'محض' دین کی طرف نقطۂ واپسی ثابت ہوا اور یہاں 'دین کی طرف' سے مراد غازی صاحب کا دین کے حرکت والے پہلو کی طرف آنا، اسلام کی ہمہ گیریت، سیاسی بالا دستی، اعلائے کلمۃ اللہ، اقامتِ دین و شریعت کی محنت کی جانب مائل ہو جانا ہے۔ پھر اس نقطۂ واپسی پر بھی آپ یک دم نہیں پہنچ گئے تھے بلکہ اس کے درمیان راقم کی نظر میں تین چیزیں عامل رہیں:

أ. اولاً، آپ کے والد کی دعائیں، تربیت اور ان کا فراہم کردہ ماحول۔

ب. دین دار گھرانے کا چشم و چراغ ہونے کے سبب دین سے تمسک اور اسی سبب سے جہاد فی سبیل اللہ میں شمولیت۔

ج. شیخ اسامہ بن لادن سے ملاقات۔[28]

ان تین عوامل کے بعد وہ واقعہ پیش آ جاتا ہے جس کے متعلق غازی صاحب خود فرماتے ہیں:

> "والد صاحب ۱۹۹۸ء میں شہید کیے گئے...... یہ وہ نقطہ تھا......اس موقع پر میں بیدار ہوا...... اور میرے خیال میں پوری امت کا یہی معاملہ ہے کہ جب بھی ان پر حد سے زیادہ مظالم ہوتے ہیں یا تعدّی بڑھ جاتی ہے[29] تو امت کے افراد بیدار ہو جاتے ہیں۔"[30]

گویا یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ

> مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے
> تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی

منصبِ امامت

---

[28] شیخ اسامہ بن لادن ہمارے زمانے کے، شریعت کے متبع ترین لوگوں میں سے ایک، اولیا و اتقیائے کاملین میں ایک اور دین و امت کا پوری امت میں درد رکھنے والوں لوگوں میں سب سے بڑھ کر درد رکھنے والوں میں سے ایک تھے۔ شیخ اسامہ بن لادن کو اللہ تعالیٰ نے جو کمال عطا فرمایا وہ ویسا ہی تھا جیسا کہ ہم قریب و دور کے اولیا و مجد دین کے حوالے سے جانتے ہیں؛ کہ آپ نے دنیا کے حالات، امت کی حالت، اہلِ کفر کی فکری و عسکری یلغار کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ یہ سمجھا اور بخوبی اس پر عمل کیا کہ ایسے حالات میں شریعتِ مطہرہ کا کیا تقاضا ہے اور پھر اپنے آپ کو اس میں کھپا دیا۔ پھر اللہ والوں کی صحبت اور اللہ والے بھی شیخ اسامہ بن لادن جیسے اللہ والے، جنہوں نے ہر ہر میدان اور ہر ہر نقطے پر دین کو دنیا پر ترجیح دی، مباحات کو ترک کر دیا اور مستحبات کو اپنے اوپر لازم کر لیا...... ایسے ولی کامل کی نظر اور صحبت (بعون اللہ) کھیتی کے لیے پانی کے مترادف ہے...... پھر بفضل اللہ یہی نظر و صحبت ہے جس نے غازی صاحب کو بھی متاثر کیے بغیر نہیں چھوڑا۔ اور اس 'متاثر' ہونے کا دعویٰ راقم غازی صاحب کی ویڈیو کو دیکھتے ہوئے کر رہا ہے کہ جب وہ اپنے والد صاحب کی شیخ اسامہ سے ملاقات کا ذکر کرتے ہیں تو ساتھ ہی کہتے ہیں کہ میں بھی شیخ اسامہ سے ملا اور غازی صاحب کے چہرے پر یہ کہتے ہوئے ایک خاص کیفیت، ایک مسکراہٹ اور نشاط کا گزر ہوتا ہے۔

[29] یہاں امت کے حوالے سے بات کرتے ہوئے غازی صاحب نے (آج کے تناظر میں) فرمایا کہ "ایسے مظالم جو امریکہ اور اس کی اتحادی افواج کی جانب سے کیے جاتے ہیں......"۔ دراصل مولانا محمد عبد اللہ غازی کی شہادت بھی امریکہ اور اس کے 'اتحادیوں' ہی کے 'وسیع تر' منصوبے کا ایک حصہ تھی اور ان امور کے متعلق ہم پیچھے لکھ آئے ہیں جو امریکہ اور اس کے 'اتحادیوں' کو ایک آنکھ نہیں بھاتے اور مولانا محمد عبد اللہ غازی ان 'جرائم' کو کرتے رہنے پر آمادہ تھے۔

[30] Al Jazeera English's programme "Witness", with Rageh Umaar [نشر شدہ گیارہ (۱۱) اگست ۲۰۰۷ء]

اس واقعے کے بعد غازی صاحب نے اپنی زندگی کے کسی گوشے کو سنبھال کر یا بچا کر نہیں رکھا۔ غازی صاحب نے اپنی ساری کی ساری زندگی فی اللہ کھپا دی۔ حدیث کا مفہوم ہے کہ 'جو اللہ کی طرف چل کر آتا ہے تو اللہ اس کی طرف دوڑ کر آتا ہے'۔ غازی صاحب تو خود دوڑ کر اللہ کی طرف، اس کے دین کے ہر (معتبر) معنیٰ و ہر تشریح کے مطابق بھاگ کر گئے اور چند مہ و سال ہی میں آپ منصبِ امامت پر فائز ہو گئے۔ غازی صاحب کا منصبِ امامت کسی عہدے کی صورت میں نہ تھا، بلکہ آپ مومنین کے دلوں اور ذہنوں کے حکمران بن گئے اور دشمنانِ دین کے دلوں اور ذہنوں کے سکون کی بربادی اور ان کے لیے جلن و کڑھن کا سبب بن گئے۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ○

(سورۃ السجدۃ: ۲۴)

"اور جب انہوں نے صبر کیا اور ہماری آیات پر یقین لاتے رہے تو ان کے اندر ہم نے ایسے پیشوا (امام) پیدا کیے جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے۔"

امام ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں بعض علما کا قول نقل کیا ہے کہ:

"بالصبر واليقين تنال الإمامة في الدين، یعنی صبر اور یقین ہی کے ذریعے دین میں کسی کو امامت کا درجہ مل سکتا ہے۔"[31]

اور امام جلال الدین السیوطیؒ فرماتے ہیں کہ صبر، علی دينهم وعلى البلاء من عدوهم یعنی دین پر ثابت قدم رہنے اور دشمن کی طرف سے تکلیفوں کے پہنچنے پر صبر اور یقین اللہ کی قدرتِ کاملہ اور اللہ کی وحدانیت پر یقین، اس کے سبب اللہ پاک امامت (قادۃ) عطا فرماتے ہیں[32]۔

تدریس اور اہتمام مدارس

غازی صاحب بنیادی علومِ شرعیہ سے پہلے ہی واقف تھے اور مزید کے لیے آپ نے اکتساب کا سلسلہ شروع کر دیا۔ کچھ ہی عرصے بعد آپ نے بعض مضامین کی تدریس بھی اپنے والد صاحب کے قائم کردہ مدرسے جامعہ فریدیہ میں شروع کر دی۔ غازی صاحب کے زیرِ تلمذ رہنے والے ایک طالبِ علم نے راقم کو بتایا کہ غازی صاحب 'عربی' زبان کے بہت ماہر تھے اور مدرسے میں 'فصاحت' و 'بلاغت' کے مضامین بھی پڑھایا کرتے تھے۔

ساتھ ہی جامعہ فریدیہ و جامعہ حفصہ کے انتظام و اہتمام کے امور بھی آپ دیکھنے لگے۔ اس وقت جامعہ فریدیہ پاکستان میں قائم بنین (لڑکوں) کے چار پانچ بڑے مدارس میں سے ایک تھا، یہ مدرسہ اسلام آباد کے سیکٹر ای سیون میں قائم ہے۔ جامعہ فریدیہ کے تحت دسیوں مدارس اسلام آباد، اسلام آباد کے نواحی و دیہی علاقوں اور راجن پور وغیرہ میں فعال ہیں۔

غازی صاحب کے والدِ گرامی نے پاکستان میں پہلی بار بنات (طالبات) کا مدرسہ قائم کیا جو جامعہ حفصہ کے نام سے موسوم ہے۔ اس مدرسے کے قیام و انتظام اور حقوقِ خواتین کے حوالے سے غازی صاحب نے فرمایا:

"اگر ہم کونزرویٹو/conservative (دقیانوسیت کے معنیٰ میں) ہوتے تو ہم لڑکیوں کا مدرسہ نہ کھولتے اور میرے والد صاحب نے یہ مدرسہ کھولا جس میں چھ ہزار سے زائد طالبات پڑھتی ہیں اور یہ عالمِ اسلام کا سب سے بڑا طالبات کا مدرسہ ہے۔"[33]

اسلام اور متبعینِ اسلام حقوقِ خواتین کے قائل ہیں۔ بلکہ اسلام ہی تو ہے جس نے خواتین کو ان کے حقوق عطا کیے ہیں۔ نہ اسلام سے پہلے کا جاہلی معاشرہ اور نہ ہی آج کا 'جدید' جاہلی معاشرہ خواتین کو حقوق دینے کا قائل ہے۔ بلکہ آج کی جدید جاہلیت نے 'حقوق' کے نام سے جو دل فریب اور نظر کو دھوکہ دینے والے نعرے اور ایجنڈے نافذ کر رکھے ہیں ان کا خلاصہ اس مشہور مقولے میں ہے کہ 'آزادئ نسواں کے علمبردار، عورت کی آزادی کے نام پر عورت تک پہنچنے کی آزادی چاہتے ہیں!'۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے لے کر آج تک کے تمام متبعینِ شریعت کے گھروں میں خواتین، مغرب اور مغرب کی نقالی کرتے 'اسلامی' ممالک کی 'آزاد' عورتوں سے بدرجہا 'آزاد'، 'خوشحال' اور 'اطمینان و سکون' والی زندگیاں گزار رہی ہیں۔[34]

مجاہدین کی نصرت

غازی صاحب اپنے والد صاحب کے مثل مجاہدین کی مالی و اخلاقی نصرت کرتے رہے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر آپ نے عملاً مجاہدین کی مدد و نصرت کی اور خود بھی جہاد سے وابستہ رہے۔

حق گوئی، وانا فتویٰ

نائن الیون کے بعد اکتوبر ۲۰۰۱ء میں امریکہ اپنے چالیس سے زائد حواریوں کے ہمراہ امارتِ اسلامیہ افغانستان کو تاراج کرنے کے لیے چڑھ دوڑا۔ اس زمانے میں پرویز مشرف پاکستان کا صدر بھی تھا اور چیف آف آرمی سٹاف بھی۔ پاک فوج نے مشرف کی قیادت میں فرنٹ لائن امریکی اتحادی بننے کا فیصلہ کیا[35] اور سنہ ۲۰۰۲ء میں امریکی ایما ہی پر کئی ہزار فوج پاکستانی قبائل

---

[31] تفسیر معارف القرآن از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی

[32] تفسیر جلالین

[33] Al Jazeera English's programme "Witness", with Rageh Umaar [نشر شدہ گیارہ (۱۱) اگست ۲۰۰۷ء] اور جیشمین منظور کے پروگرام 'دی پَلس (The Pulse)' میں گفتگو

[34] خواتین کی معاشرے میں موجودگی اور ان کے مثبت کردار، ان کو فراہم کردہ مواقع برائے تعلیم و معاش کے بارے میں آج (۲۰۲۰ء میں) قائم ہوتی امارتِ اسلامیہ افغانستان ایک روشن مثال ہے۔ [ملاحظہ ہوں امیر المومنین شیخ ہبۃ اللہ اخوندزادہ (نصرہٗ اللہ)، جناب ملا سہیل شاہین، جناب شیر محمد عباس ستانکزئی اور جناب ملا عبد السلام ضعیف کے بیانات]

[35] جو فیصلہ تادمِ تحریر بُذا برقرار ہے۔

میں افغانستان سے پاکستان آنے والے مجاہدین کے تعاقب، ان مجاہدین کی بیویوں، ماؤں اور بہن بیٹیوں کی عزت نیلام کرنے اور ان مجاہدین کو گرفتار و قتل کرنے کی خاطر تعینات کر دی گئی۔

مارچ ۲۰۰۴ء میں مجاہدین اور قبائلی عوام کے خلاف جنوبی وزیرستان کے صدر مقام 'وانا' میں فوجی آپریشن کا آغاز کر دیا گیا۔

اسی تناظر میں 'کرنل (ریٹائرڈ) محمود الحسن' نے ایک استفتا (فتویٰ پوچھنے کا سوال) مرکزی جامع مسجد (لال مسجد) کے دار الافتاء میں بھیجا، جس میں اس آپریشن میں شرکت، اس کی شرعی حیثیت اور دورانِ آپریشن قتل ہونے والے فوجیوں کا حکمِ شرعی پوچھا گیا تھا۔

جواباً دار الافتاء کے صدر مفتی، مفتی عبد الدیان صاحب نے فتویٰ جاری کیا جس کی تائید پاکستان کے تمام مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے پانچ سو سے زائد علما و مفتیانِ کرام نے کی۔

اس فتوے کا لبِ لباب یہ تھا کہ مسلمان عوام اور مجاہدین کے خلاف فوجی آپریشن ناجائز / غیر شرعی ہے اور ایسی جنگی کارروائی میں مارے جانے والا فوجی حرام موت مرے گا اور اس کی میت پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔[36]

اس فتوے کے بعد حکومتی، فوجی اور کچھ دیگر حلقوں میں ایک تنازع کھڑا ہو گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ یہ فتویٰ واپس لیا جائے۔ اس موقع پر مولانا عبد الرشید غازی، مولانا قاضی عبد الرشید، مولانا مفتی ظہور احمد علوی اور پچاس سے زائد علمائے کرام و مفتیانِ عظام نے اسلام آباد کی معروف دینی درس گاہ 'جامعہ محمدیہ' (F-6/4) میں ایک پریس کانفرنس ۲۵ مارچ ۲۰۰۴ء کو منعقد کی اور اپنے موقف کا اعلان کیا۔

غازی صاحب اور ان علمائے کرام نے واضح اعلان کیا کہ یہ فتویٰ کسی قسم کی انارکی، فساد اور تنازع کو جنم دینے کے لیے جاری نہیں کیا گیا اور نہ ہی یہ فتویٰ اپنی کسی خواہش یا کسی خاص 'ایجنڈے' کے پیشِ نظر جاری کیا گیا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ اس فتوے کے لیے موصول شدہ استفتا میں کہا گیا تھا کہ ہمارے سوالات کے جوابات 'قرآن و سنت' کی روشنی میں دیے جائیں اور یہ فتویٰ قرآن و سنت ہی کی روشنی میں جاری کیا گیا ہے۔ غازی صاحب نے فرمایا کہ یہ فتویٰ دار الافتاء سے جاری کیا گیا ہے اور دار الافتاء کے معاملات میں ہم مسجد و مدرسے اور دار الافتاء کے مہتممین و منتظمین بھی دخل اندازی نہیں کرتے۔ پھر اس فتوے کی تائید ملک بھر کے کئی بڑے علمانے کی ہے۔

ثانیاً غازی صاحب نے فرمایا:

> "ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارا ایک ایک فوجی بہت قیمتی ہے اور اس فوجی کو جس طریقے سے امریکہ کی جو جنگ ہے، امریکہ کی جو so-called (نام نہاد) دہشت گردی کے خلاف جنگ ہے اس میں جھونکا جا رہا ہے وہ قطعاً غلط ہے اور اس فتوے میں یہی بات موجود ہے کہ ہمارے فوجیوں کو غیر شرعی اور غیر اسلامی موت سے بچایا جائے۔"[37]

غازی صاحب کے مطابق مقصد خانہ جنگی، خون خرابہ، فساد، لڑائی اور تنازع کو جنم دینا نہیں بلکہ اپنی فوج کو... اسلام کے نام پر حاصل کردہ ملک کی فوج کو... 'ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ' کا نعرہ لگانے والی فوج کو... اپنے لوگوں سے لڑنے بھڑنے سے روکنا، اسلام کے نام لیوا مجاہدین و عوام کو قتل و گرفتار کرنے سے روکنے اور 'ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ' کے مقصد کی طرف بلانا ہے۔

سبحان اللہ، یہ کتنی معقول بات ہے کہ اپنی فوج کو امریکی اشاروں پر اور امریکی ایما پر اپنے ہی لوگوں سے نہ لڑوایا جائے۔ پھر ایمان والے فوجیوں، لا الٰہ الا اللہ کا کلمہ پڑھنے والے فوجیوں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کا دم بھرنے والے فوجیوں کو ایمان اور کلمہ پڑھنے والوں ہی کے خلاف لڑوا کر 'حرام' موت ان کا مقدر نہ بنائی جائے۔

لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ جو جنگ امریکی ایما پر اور ڈالروں کی امداد حاصل کرنے کی خاطر شروع کی گئی تھی وہ جنگ نفاذِ اسلام اور نفاذِ شریعت کے خلاف جنگ کی صورت دھار گئی اور آج دو دہائیاں ہونے کو ہیں کہ وطنِ عزیز پاکستان اس جنگ میں جل رہا ہے اور ستّر ہزار سے زائد جانیں اس جنگ میں لقمۂ اجل بن چکی ہیں۔

پاکستان کے پانچ سو سے زائد علمائے کرام اور مفتیانِ عظام نے جو فتویٰ دیا تھا اور جس کی تائید و وضاحت غازی صاحب نے کی تھی، آج بھی حکومتِ پاکستان، افواجِ پاکستان، وطنِ عزیز کی خفیہ ایجنسیوں، پولیس، قانون نافذ کرنے والے اداروں اور انتظامیہ وغیرہ کو وہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا حکم سنا رہا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے خلاف اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں کے خلاف جنگ سے باز آ جاؤ۔ اپنی جانوں پر، اس ملکِ پاکستان پر اور اپنی اولادوں پر رحم کرو، پاکستان کے مستقبل کا سوچو اور اپنے ہی وجود کے خلاف اس جنگ سے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے اپنے لیے جنتوں کا سودا کر لو جہاں اللہ کی بے پناہ نعمتیں بھی ہیں اور جو جہنم سے آزادی کا سبب بھی ہے۔ پھر آج تو اس جنگ سے اپنے آپ کو الگ کر لینا اور بھی لازمی ہے کہ جس امریکہ کی ایما پر یہ جنگ شروع ہوئی اور نفاذِ شریعت کے خلاف جنگ کا روپ دھار گئی، آج وہ امریکہ اپنے چالیس حواریوں سمیت مار کھا کر افغانستان سے ایک 'امن معاہدہ' کرتے ہوئے بھاگ گیا ہے۔ تو تمہیں بے گانی شادی میں عبد اللہ دیوانہ بننے کی کیا ضرورت ہے؟

(باقی آئندہ، ان شاء اللہ)

[36] یہ فتویٰ اس زمانے میں بڑے پیمانے پر شائع اور تقسیم ہوا، نیز مجلّہ 'نوائے افغان جہاد (حالیاً نوائے غزوۂ ہند)' میں متعدد بار (جولائی کے شماروں میں) شائع ہو چکا ہے جہاں اس فتوے کو تفصیلاً دیکھا جا سکتا ہے۔ اس فتوے کی تائید کرنے والے حضرات میں چند نمایاں ناموں میں مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہید، مولانا مفتی حمید اللہ جان، مولانا مفتی محمد اسماعیل طورو، مولانا محمد بشیر سیالکوٹی، شیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ، مولانا مفتی پیر سیّد مختار الدین شاہ خلیفۂ مجاز شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی، شیخ الحدیث مولانا فضل محمد وغیرہ شامل ہیں۔

[37] الجزیرہ عربی کی ویڈیو نیوز رپورٹ [الجزیرہ کی آرکائیو (Archive) سے حاصل کردہ، بتاریخ ۶ جون ۲۰۰۴ء]

سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کی شرعی حیثیت

مولانا محمد احمد حافظ

جمہوریت کیا ہے؟

اب ہم آتے ہیں جمہوریت کی طرف!جمہوریت سرمایہ دارانہ نظام کی سیاسی اور معاشرتی تنظیم......اور حقوق انسانی کے نفاذ کا آلۂ کار ڈھانچہ ہے۔جمہوریت ایسا تنظیمی ڈھانچہ ہے جو جبر کا ایک ایسا ماحول وضع کرتا ہے کہ فرد اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشا کو ترک کر کے صرف اپنی خواہش اور سرمائے کی بندگی کرے۔

جمہوریت کی علمی اساس:

ہم گزشتہ سطور میں واضح کر چکے ہیں کہ مغرب کا ایک خاص تصورِ انسان ہے جس کے مطابق وہ قائم بالذات ہے اور وہ ان معنوں میں آزاد ہے کہ اپنے لیے خیر و شر کے پیمانے خود وضع کر سکتا ہے۔یہی جمہوریت کی علمی بنیاد ہے۔

تاریخی طور پر جمہوریت کا تصور کئی سو سال قبل از مسیح بھی موجود تھا۔افلاطون کی ''ری پبلک'' جمہوریت ہی کی ایک شرح ہے۔یونان اور سلطنت روما کے مختلف ادوار میں بھی جمہوریت رائج رہی۔ پھر ایک عرصے تک یورپی ممالک میں بادشاہت قائم رہی......مگر ایک بات جو نوٹ کرنے کی ہے، وہ یہ کہ جمہوریت کبھی بھی کسی مذہبی معاشرے سے وابستہ نہیں رہی۔اس لیے کہ جمہوریت کا ڈھانچہ ایسا ہے کہ یہ صرف مذہب مخالف معاشروں سے وابستہ ہو سکتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں جمہوریت منکر اللہ و رسول معاشروں کی حکومتی اور ریاستی صف بندی کا ایک خاص طریقہ ہے۔جدید دور کی جمہوریت کا ایک خاص پس منظر اور اس کا ایک خاص تصورِ انسان ہے۔یہ وہی تصور انسان ہے جس پر ہم پچھلی سطور میں بحث کر آئے ہیں۔

جناب زاہد صدیق مغل کے بقول:

> ''جمہوریت کو علمی بنیادیں فراہم کرنے کے سلسلے میں تھامس ہابس (Thomas Hobbes,1588-1679)، جان لاک (John Locke, 1632-1704) اور جیک روسو (Jacques Rousseau, 1712-1778) کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس نظامِ حکومت کی بنیاد ایک خود مختار (Autonomous)، آزاد (Free) اور قائم بالذات (Self-determined) تصورِ فرد پر قائم ہے۔ اس تصورِ انسان کو ہیومن کہتے ہیں۔یعنی یہ ایک ایسا ریاستی نظام ہے جس میں حکومت کا مقصد افراد کی زیادہ سے زیادہ آزادی کو ممکن بنانا ہوتا ہے تاکہ وہ اپنی زیادہ سے زیادہ خواہشات کو جیسے وہ چاہیں پورا کر سکیں''۔
>
> (جریدہ نمبر ۳۷، صفحہ نمبر ۱۱۴، شعبہ تصنیف و تالیف، جامعہ کراچی)

جمہوری نظام کی ماہیت کیا ہے؟

جمہوری نظام کی پہلی بنیاد انتخابات ہیں، جن میں مختلف لوگ امیدوار بنتے ہیں کہ وہ پارلیمنٹ کے ممبر بنیں گے۔ریاست کے افراد انہیں مساوی بنیادوں پر ووٹ دیتے ہیں، یعنی مرد و عورت، عالم و جاہل، زاہد و متقی اور چور ڈاکو، زانی، شرابی سب مساوی بنیادوں پر اپنے امیدوار کو ووٹ دیتے ہیں۔امیدوار بھی انتخابات میں مساوی حیثیت میں حصہ لیتے ہیں اس لیے کہ پارلیمنٹ کا رکن ایک شیخ الحدیث بھی بن سکتا ہے اور چور اچکّا، منافع خور، اسمگلر اور قاتلوں کا سرغنہ بھی رکن بن سکتا ہے......الیکشن کے بعد جو لوگ پارلیمنٹ میں جاتے ہیں وہ پہلے ایک دستور وضع کرتے ہیں (یا پہلے سے وضع شدہ دستور ہوتا ہے جو اصلاً انسانی حقوق کے تابع ہوتا ہے) پھر اسی دستور کی روشنی میں قانون سازی کی جاتی ہے۔اس سارے عمل میں کتاب اللہ کا کوئی رول نہیں ہوتا۔

(گو کہ پاکستان کے دستور میں ایک قراردادِ مقاصد کے ذریعے پارلیمنٹ کتاب و سنت کی روشنی میں قانون سازی کی پابند ہے مگر اس حقیقت سے جائے فرار نہیں کہ قراردادِ مقاصد کی حیثیت محض ایک ''علامت'' کی ہے۔پھر اس میں بھی آزادئ فرد کے تمام تصورات کو اس طرح سمو دیا گیا ہے کہ بالآخر حقوق انسانی کا کافرانہ و مشرکانہ چارٹر ہی بالا دست ٹھہرتا ہے)۔

جمہوری نظام میں بیوروکریسی یا انتظامیہ (محکمہ جاتی افراد، پولیس، فوج) اور عدلیہ، یہ تمام حکومتی طبقے سرمایہ دارانہ تصورات اور سرمایہ دارانہ عدل کے قیام و نفاذ کے ضامن ہوتے ہیں......یوں جمہوری نظام کے ذریعے سرمایہ دارانہ جبر کا ماحول پروان چڑھتا ہے جہاں ہر انسان اس بات پر مجبور ہوتا ہے کہ:

- مذہب کو اپنی اجتماعی زندگی سے نکال کر انفرادی زندگی تک محدود کر دے۔
- عبادت الٰہی کو حتی الامکان کم وقت دے اور سرمائے کی بڑھوتری کے لیے زیادہ وقت صرف کرے۔
- اپنے معاشرتی تعلقات کو محدود کر دے۔
- دینی تعلیمات کو سیکھنے کی بجائے سوشل سائنسز کو زیادہ وقت دے تاکہ سرمائے کی بڑھوتری میں زیادہ بہتر انداز میں شمولیت کر سکے۔(دینی مدارس میں اصلاحات کے لیے مغربی ممالک کا دباؤ اور مدارس میں سوشل سائنسز اور کمپیوٹر سائنسز کو داخل کرنے کا مطالبہ اسی لیے ہے کہ وہ علما کو اور طلبہ کو بے کارِ محض سمجھتے ہیں اور انہیں ''کارآمد'' بنانے کے لیے اس قسم کی اصلاحات پر زور دیتے ہیں۔ایک طرف تو یہ بات ہے دوسری طرف یہ مقصد بھی ہے کہ مدارس کے نظام میں

دخل اندازی کرکے وارثانِ محراب و منبر کو توکل، قناعت اور زہد و تقویٰ کی راہ سے ہٹا کر مادیت کا پرستار بنا دیا جائے)۔

اس تفصیل کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جمہوریت اپنے ماخذات کی بنیاد پر اسلام سے مکمل طور پر متصادم اور باطل نظریہ و نظام ہے۔ اس نظام میں حصہ لینا، ووٹ دینا اور لینا مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر حرام ہے:

جمہوریت عبدیت کا انکار ہے:

جمہوری حکومت کی پہلی بنیاد حاکمیت عوام ہے، جمہوریت کی تعریف ہی یہ ہے:

"Government of the people, by the people, for the people."

"عوام کی حکومت عوام کے ذریعے عوام پر۔"

یہ جمہوریت کا بنیادی اصول ہے جو کھلا کلمۂ کفر ہے۔ اس لیے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور اقتدار کے انکار کے علاوہ انسان کی بندگی کا بھی انکار ہے۔ دوسرے لفظوں میں حاکمیتِ انسان کا مطلب انسان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ (سورۃ الاعراف:۵۴)

لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (سورۃ القصص:۷۰)

وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَداً (سورۃ الکھف:۲۶)

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ (سورۃ یوسف:۴۰)

ان آیات کے علاوہ بھی متعدد آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہی حکم و حکومت کی سزاوار ہے۔ قانونِ شریعت میں انسان اللہ کا بندہ اور خلیفہ ہے، اسے یہ حق نہیں کہ خود خدا بن بیٹھے۔ بہر حال ان آیات کی روشنی میں جب ہم جمہوری عمل کا جائزہ لیتے ہیں تو مندرجہ ذیل قباحتیں سامنے آتی ہیں:

جمہوریت شرک فی الحکم ہے:

مقنن اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، انسان عبد ہونے کے ناطے اس بات کا پابند ہے کہ وہ قوانین شریعت کو بلا چون و چرا تسلیم کرے اور ان پر عمل درآمد کرے۔ انسان کو حق حاصل نہیں کہ وہ خود قانون ساز بن کر بیٹھ جائے اور حاکمیتِ الٰہ میں شریک ہو جائے۔ ایسا کرنا شرک فی الحکم ہے۔ (یہ بات یاد رہے کہ یہ بات شرک جب ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود و الٰہ بھی مانتا ہو، اگر وہ حاکمیت انسان کا یہ مطلب لے کہ ذات باری تعالیٰ کا کوئی وجود نہیں وہ خود ہی حاکم ہے تو یہ دہریت ہے جیسا کہ اکثر مغربی ممالک میں اسی بات کا تصور پایا جاتا ہے)۔

قرآن مجید میں شرک کے بارے میں فیصلہ ہے کہ:

إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (سورۃ لقمان:۱۳)

"بے شک شرک ظلم عظیم ہے۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ وَمَن يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيداً (سورۃ النساء:۱۱۶)

"بے شک اللہ اس چیز کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک ٹھہرایا جائے، اس کے علاوہ جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے گا وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔"

جمہوریت انسانوں کو یہ حق فراہم کرتی ہے کہ وہ ووٹ کے ذریعے اپنی حاکمیت کو قائم کریں، پارلیمنٹ میں اپنے نمائندے بھیجیں جو مفادِ عامہ کے مطابق قانون سازی کریں، چنانچہ یہ عمل شرک ہونے کے سبب باطل ہے۔

الٰہی نظام سے بغاوت کا سرچشمہ:

الف: جمہوری قوانین کے ماخذ انسانی حقوق کے چارٹر میں انسانوں کے لیے پہلا حق آزادی (Freedom) کو تسلیم کیا گیا ہے۔ آزادی کا یہ حق انسانی حقوق کا بہت خاص حق ہے اور ہر ممکن کوشش کی گئی ہے کہ آزادی (اللہ تعالیٰ سے بغاوت، راہِ بندگی سے فرار) کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ رہے۔ آزادیٔ رائے، آزادیٔ اظہار، آزادیٔ مذہب و عقیدہ، آزادیٔ نسواں اور کئی دیگر قسم کی آزادیوں کو اس ایک قسم میں سمو دیا گیا ہے۔ چنانچہ جمہوری پارلیمنٹ میں جو بھی قانون سازی کی جاتی ہے وہ آزادی کی تمام اقسام کو مد نظر رکھتے ہوئے کی جاتی ہے۔ ہم یہ بتا آئے ہیں کہ انسانی حقوق کے چارٹر میں انسانوں کو دی گئی آزادی کا مطلب انکارِ بندگی کے سوا کچھ نہیں۔

قرآنی فکر کے مطابق انسان آزاد نہیں ہے، وہ بندہ ہے 'اللہ وحدہ لا شریک کا۔ چنانچہ اسے حکم ہے کہ وہ اسی کی بندگی کرے، بندگی بھی ایسی جس میں غیر اللہ کی بندگی کا شائبہ بھی نہ ہو۔

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهاً وَاحِداً لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ○ (سورۃ التوبۃ:۳۱)

"انہیں صرف ایک ہی معبود کی عبادت کا حکم دیا گیا، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ پاک ہے ان چیزوں سے جن کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں۔"

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ (سورۃ البینۃ:۵)

"اور نہیں حکم دیے گئے مگر یہ کہ وہ اللہ ہی کی بندگی کریں اس کی خالص طاقت کے ساتھ بالکل یکسو ہو کر"۔

اسی طرح قرآن مجید میں دیگر کئی مقامات پر اپنی خالص بندگی اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ قرآنی احکام کے بعد کہیں اس بات کی گنجائش نہیں کہ اسلام کے دائرے سے ہٹ کر کسی دوسرے نظام کی طرف اور کسی قسم کے "ازم" کی طرف نگاہِ التفات بھی کی جائے۔ انسان کو اگر آزاد تصور کیا جائے تو اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ رب کا بندہ نہیں رہا تو شیطان کا بندہ ہے، اس لیے کہ ہستیٔ وجود میں دو ہی صورتیں ہیں، انسان اللہ کا بندہ ہو یا شیطان کا!

ب:انسانی حقوق کا دوسرا رکن مساوات (Equality) ہے۔ مساوات کا مطلب یہ ہے کہ تمام انسان برابر ہیں۔ مرد وعورت، عالم، جاہل، بدکار و نیکوکار، ایک ڈاکو اور متقی انسان سب برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر فوقیت حاصل نہیں۔ اسی معنی میں ہر انسان کا ووٹ برابر ہے، ہر انسان پارلیمنٹ کا ممبر بننے کا اہل ہے اور ہر انسان ترقی کے عمل میں شریک ہو سکتا ہے۔ انسانی حقوق کے عالمی چارٹر کے مطابق تمام انسان قانون کی نظر میں برابر ہیں، جبکہ اسلام میں مساوات کا ایسا کوئی تصور نہیں۔ اسلام مرد اور عورت میں فرق کرتا ہے۔ وہ ذمّی اور معاہد میں فرق کرتا ہے، وہ عالم اور جاہل میں فرق کرتا ہے، اسلام ہر شخص کے ہر موضوع پر رائے دینے کا قائل نہیں۔ مرد بیک وقت چار شادیاں کر سکتا ہے عورت نہیں۔ مرد طلاق دیتا ہے عورت نہیں۔ جمہوریت کا نصابی صحیفہ ''انسانی حقوق کا چارٹر'' ہر انسان کو حق دیتا ہے کہ وہ اپنے لیے جیسا چاہے خیر و شر کا پیمانہ تجویز کر سکتا ہے۔ قرآن ان تمام تصوراتِ مساوات کو رد کرتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے ......ورفعنا بعضهم فوق بعض درجات (الآیۃ)......لا يستوى منكم من انفق من قبل الفتح و قاتل (الآیۃ)......لایستوی اصحاب النارو اصحاب الجنة (الآیۃ)......هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون (الآیۃ)...... چنانچہ مساوات کی مندرجہ بالا فکر اسلام سے مکمل طور پر متصادم اور باطل ہے۔

ج۔ انسانی حقوق کے چارٹر کا تیسرا بنیادی رکن ترقی (Progress) ہے۔ چونکہ سرمایہ دارانہ علمیت کے پاس موت کے بعد زندگی کا کوئی تصور نہیں اس لیے انسان کی تمام تگ و دو کا محور یہی دنیوی زندگی ہے۔ چنانچہ انسانی حقوق کے چارٹر کے مطابق ہر انسان کو زیادہ سے زیادہ سرمایہ جمع کرنے اور سامانِ تعیش حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس معنی میں ترقی کا مطلب سرمائے کی بڑھوتری برائے بڑھوتری کے عمل کو تیز تر کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ بینک، اسٹاک ایکسچینج، اسی بڑھوتری اور حرص و حسد کے فروغ کے ادارے ہیں۔ تکاثر کا عمل دہرایا جاتا ہے، سود، سٹہ، جوا، دھوکہ، فریب اور ٹیکسز سرمایہ دارانہ معیشت کا خاص ہتھیار ہیں۔ ان اداروں سے وابستہ افراد کی زندگی کا محور و مقصد محض پیسہ ہوتا ہے اور وہ ہر اس طریقے کو اختیار کرتے ہیں جس کے ذریعے سرمایہ اکٹھا ہو سکے۔

اسلام اس طرز فکر کو مکمل رد کرتا ہے۔ قرآن مجید دنیوی زندگی کو اس معنی میں اہمیت نہیں دیتا کہ انسان لذات کے حصول اور خواہشات نفس کی تکمیل میں لگ کر اپنے مقصدِ اصلی کو بھول جائے اور زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کی ہوس میں مبتلا ہو جائے، بلکہ وہ دنیوی زندگی کو لہو و لعب، دھوکہ و فریب قرار دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ○ (سورۃ الحدید: ۲۰)

''جان رکھو! دنیا کی زندگی......لہو و لعب، زینت اور مال و اولاد کے معاملے میں باہمی تفاخر و تکاثر ہے (اس کی) مثال بارش کی ہے جس کی اپجائی ہوئی فصل کافروں کے دل موہ لے پھر وہ بھڑک اٹھے اور تم اسے زرد دیکھو اور پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے۔ اور آخرت میں ایک عذاب شدید بھی ہے اور اللہ کی طرف سے مغفرت اور خوشنودی بھی اور دنیا کی زندگی تو بس دھوکے کی ٹٹی کے سوا کچھ نہیں۔''

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کی جہاد فی سبیل اللہ میں مال خرچ کرنے کی تڑپ

''جنگِ بلقان کے زمانے میں حضرت شیخ الہند کا کیا حال تھا؟ میاں سید اصغر حسین اور مفتی عزیز الرحمٰن، حضرت کے دونوں تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ ترکوں کی شکست کی خبر سنتے تو آپ کی ریش مبارک پر آنسو گرتے تھے، راتوں کو دعائیں مانگا کرتے۔ اگر کوئی دیکھے تو بالکل یہ حالت تھی کہ اگر حضرت کے بس میں ہوتا تو انگریزوں کو کچا چبا ڈالتے۔ پھر بھی جس قدر بس میں تھا کیا۔ مدرسے کی چھٹی کر دی، طلبہ و مدرسین کو شہر شہر اور گاؤں گاؤں بھیجا، چندہ کیا، خود اپنی تنخواہ اور تمام ملازمین و مدرسین کی تنخواہیں چندے میں دیں۔ طلبہ نے آپ کے اشارے پر سالانہ امتحانات میں کامیابی پر ملنے والے انعامات اور مطبخ کی خوراک بھی چندے میں دے ڈالی۔ اس طرح اس رقم کے علاوہ جو حضرت کی ترغیب و تحریک پر لوگوں نے خود اپنے ذرائع سے ترکی بھیج دی تھی، خاص دارالعلوم کے ذریعے سے تقریباً ایک لاکھ روپے بمبئی نیشنل بینک کی معرفت ترکی بھیجے۔ جس کے صلے میں ترکی (عثمانی) حکومت نے آپ کا شکریہ ادا کیا اور وہ رومال جس میں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیراہنِ مبارک رکھا رہتا تھا، دارالعلوم کو بطورِ تبرک اور عطیہ بھیجا جو آج بھی دارالعلوم کے خزانے میں تبرکاً موجود ہے۔''

(شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی؛ ایک سیاسی مطالعہ، ص ۶۷)

خیالات کا ماہنامچہ

ذہن میں گزرنے والے چند خیالات: جولائی ۲۰۲۰ء

معین الدین شامی

اللہ کا نہایت فضل و احسان ہے کہ اس نے ہمیں اپنے بندوں میں شامل فرمایا اور پھر بندوں میں بھی محمدِ مصطفیٰ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام بنایا۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ ہمارے گناہوں کو بخش دیں، استدراج و گمراہی سے بچائیں اور تادمِ آخریں 'سعادت' کے سفر پر گامزن رکھیں اور منزلِ مراد 'شہادت' عطا فرمائیں، آمین!

دار الاسلام میں اہلِ اسلام غالب اور اہلِ کفر مغلوب ہوتے ہیں!

یہ امارتِ اسلامیہ افغانستان ہے۔ یہاں اللہ کا دین، اللہ کے بتائے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاری کیے ہوئے طریقے کے مطابق غالب آچکا ہے۔

ایک معاہدے کے تحت افغانستان میں امریکہ کو امان دی گئی ہے کہ وہ افغانستان سے ایک متعین مدت کے اندر اندر نکل جائے گا۔ انخلا کی غرض سے امریکی فوجی مختلف مراکز (بیسوں) اور کیمپوں سے نکل رہے ہیں۔

امارتِ اسلامیہ افغانستان کے زیرِ سایہ زندگی گزارتے میرے مجاہد دوست گل محمد نے مجھے بتایا کہ اس وقت امریکی جس جس کیمپ سے نکلتے ہیں تو پہلے امارتِ اسلامیہ کے قائدین سے رابطہ کرتے ہیں کہ ہم فلاں کیمپ سے جا رہے ہیں براہِ کرم ہم پر کوئی غلطی سے کارروائی نہ کرے۔

امارت اسلامیہ کے مرکزی قائدین مخصوص کیمپ سے اس انخلا کی اطلاع مقامی ولایت یا ضلع کے مجاہدین کے ذمہ دار تک پہنچاتے ہیں اور مقامی ذمہ داران اپنے تحت موجود ذرائع ابلاغ [مخابروں (وائرلیس ریڈیو کمیونیکیشن) اور انٹرنیٹ وسائل] سے اعلان کرتے ہیں کہ:

> "تمام مجاہدین کو مطلع کیا جاتا ہے کہ امریکی فلاں کیمپ سے جا رہے ہیں، لہٰذا (معاہدے کے سبب) کوئی مجاہد ان پر حملہ نہ کرے، البتہ تمام مجاہدین دفاعی حالت میں ہوشیار رہیں!"

جہاں اللہ کا دین غالب ہو، وہاں دنیا کی سب سے بڑی سپر پاور بھی چند کلو میٹر کا سفر طے کرنے سے پہلے امان طلب کرتی ہے۔ سچ ہے دار الاسلام میں اسلام غالب اور کفر مغلوب ہوتا ہے۔ وللہ الحمد والمنۃ!

شکریہ امارتِ اسلامیہ...... جس نے اکیسویں صدی میں ہمیں اسلامی حکومت کے نظائر دکھائے!

آیا صوفیہ کی دوبارہ مسجد کی صورت میں بحالی

'اسلامبول'[1] کی مسجد 'آیا صوفیہ'۔ سلطان محمد فاتح سے آشنائی کے بعد سے، دو دہائیاں ہو گئیں کہ دل میں مسجد آیا صوفیہ کو دیکھنے کا ارمان ہے۔

دل روتا تھا کہ اللہ کا گھر، مسجد آیا صوفیہ ایک میوزیم کی ہیئت اختیار کیے ہوئے ہے۔ یہ پہلے ایک کلیسا تھا جسے سلطان محمد فاتح نے بدل کر مسجد بنا دیا اور اس میں موجود نشاناتِ شرک مجسموں، گھنٹوں وغیرہ کو توڑ دیا اور چھت پر بنی تصویروں کو پلستر کر کے چھپا دیا تھا اور کمال اتاترک نے اس کو میوزیم بنایا اور چھتوں پر سے پلستر کھرچ کر تصویروں کو دوبارہ ظاہر کر دیا تھا۔ دل تڑپتا تھا کہ کافر و مشرک، شرابی و بدکار لوگ جوتوں سمیت اس مسجد میں داخل ہوتے ہیں۔

اللہ کا صد ہا شکر ہے کہ یہ مسجد دوبارہ مسجد بنا دی گئی ہے۔

> مسجد تو بنا دی شب بھر میں، ایماں کی حرارت والوں نے
> من اپنا پرانا پاپی ہے، برسوں میں نمازی بن نہ سکا

لیکن غم اس بات کا ہے کہ اس کو دوبارہ مسجد بنانے والے اردگان کے گن گائے جا رہے ہیں۔ یہ فعل لائقِ تعریف ہے لیکن اس سے پہلے یہ دیکھنے اور سمجھنے کی بات ہے کہ 'اسلام ایک مسلمان حکمران سے کیا تقاضہ کرتا ہے؟'۔

مسلم حکمران سے اسلام کا پہلا تقاضا نفاذِ شریعت اور اقامتِ دین ہے۔ اسلام ہے تو سب ہے، اسلام نہیں تو کچھ نہیں۔ اور اسلام دینِ کلیسا کی طرح نہیں ہے کہ آدھا تیتر آدھا بٹیر۔ بلکہ اسلام مکمل دین ہے اور خاص کر حکمرانوں کے لیے اس پر عمل کرنا، شریعت کی تمام شقوں کو نافذ کرنا اور حدود اللہ کو جاری کرنا لازم ہے۔

آیا صوفیہ کو مسجد تو بنا دیا گیا ہے اور اللہ کی قسم دِل اس خبر کو جان کر خوشی سے نہال ہوا جا رہا ہے، لیکن مسجد کو مسجد بنانے والوں کا من پرانا پاپی ہے، یہ مسجدوں کے مالک، اللہ ربّ العالمین کی شریعت کو نافذ کرنے والا، اللہ کے لیے دوستی اور اللہ ہی کے لیے دشمنی کرنے والا نہیں بن رہا۔

[1] اس شہر کا تاریخی نام قسطنطنیہ ہے (قسطنطنیہ یعنی قسطنطین کا شہر) اور سلطان محمد فاتح رحمۃ اللہ علیہ نے اس شہر کو فتح کیا اور جنت کی نبویؐ بشارت کے حقدار ٹھہرے۔ آپ نے یہ شہر فتح کرنے کے بعد اس کا نام 'اسلامبول' یعنی 'شہر اسلام' رکھ دیا جسے بعد میں ترکی کی سیکولر حکومت نے ترک زبان سے عربیت کو مٹانے کی غرض سے 'استنبول' کر دیا۔

کورونا سے ٹڈی دَل......ایک مسئلہ، ایک حل!

کیسے کیسے عذاب ہیں جو ہم آج اپنی آنکھوں سے وطنِ عزیز پاکستان میں دیکھ رہے ہیں۔ گنتے جایئے، شاذ ہی زندگی کے پہلو ملیں گے جن میں کوئی الٰہی عذاب کی صورت نہ ہو۔ گھریلو زندگیوں سے شروع کیجیے اور اجتماعی معاملات تک گنتے جایئے۔

بے روزگاری، رشوت ستانی، مہنگائی، استعمال کی اشیا کی قلت (آٹے سے پٹرول تک)، بد انتظامی، کرپشن، ظلم وزیادتی...... کورونا اور اسی کے ساتھ اب ٹڈی دَل۔

ایک کسان کی گفتگو سنی جس کی ساٹھ (۶۰) ایکڑ کی کپاس کی فصل کو محض آدھے گھنٹے میں ٹڈی دَل کھا گیا۔ ایک اور شخص کو کہتے سنا کہ ٹڈیوں کا لشکر چھ (کلومیٹر) لمبا اور دو کلومیٹر چوڑا تھا۔

جنوبی افریقہ کے ایک عالمِ دین کے بقول 'نئی ایجادات نے انسان کی نافرمانیوں کا سلسلہ دراز کر دیا ہے۔ جب سے انسان نے جہاز ایجاد کیا ہے، اللہ کی بغاوت ہواؤں اور فضاؤں میں بھی ہونے لگی ہے۔ شیمپین جہازوں میں پیش کی جاتی ہے اور فضاؤں کو بدکاری سے آلودہ کیا جاتا ہے'۔

وبائیں دنیا میں پہلے بھی پھیلتی تھیں اور ٹڈیاں دَلوں کی صورت پہلے بھی حملہ ور ہوتی تھیں۔ لیکن یہ آج کیا ہوا کہ نہ بیماریاں کنٹرول کی جا رہی ہیں اور نہ ہی ٹڈیاں؟

سو باتوں کی ایک بات: یہ سب اللہ کی نافرمانی کا نتیجہ ہے!

اللہ تو فرماتا ہے:

مَّا يَفۡعَلُ ٱللَّهُ بِعَذَابِكُمۡ إِن شَكَرۡتُمۡ وَءَامَنتُمۡۚ وَكَانَ ٱللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا۝ (سورۃ النساء: ۱۴۷)

"اگر تم شکر گزار بنو اور (صحیح معنیٰ میں) ایمان لے آؤ تو اللہ تمہیں عذاب دے کر آخر کیا کرے گا؟ اللہ بڑا قدر دان ہے (اور) سب کے حالات کا پوری طرح علم رکھتا ہے۔"

جب اللہ راضی ہوتا ہے تو اہلِ حکومت و اہلِ انتظام کو وہ صلاحیت ودیعت کر دیتا ہے جس سے انتظام میں حُسن پیدا ہوتا ہے۔ جب اللہ راضی ہوتا ہے تو کورونا سی وبائیں نہیں پھیلتیں اور اگر پھیلیں تو سراسر رحمت کا عنوان و متن ہوتی ہیں، ان میں مارے جانے والے درجۂ شہید کو پہنچتے ہیں۔ حشرات الارض اور موذی جانور ایک اعلان سے جنگلوں کو چھوڑ جاتے ہیں کہ اللہ کے عبادت گزار لوگ آئے ہیں۔

لیکن جب جابجا فحاشی و عریانی ہو، شراب و کباب ہوں، جھوٹ و کرپشن ہو، اللہ کی شریعت سے بغاوت ہو، شریعت کی جگہ شیطنت کا نظام جاری ہو تو اللہ یہ سب عذاب مسلط کر دیتا ہے اور ان سب عذابوں سے بھی بڑا عذاب یہ ہے کہ یہ عذاب، عذاب معلوم نہیں ہوتے اور زندگیاں نافرمانی کی ڈگر پر چلتی رہتی ہیں۔

یہ سب صورتیں اور شکلیں اللہ کی ناراضگی کی ہیں اور ان سب کا ایک ہی حل ہے اور وہ ہے رجوع الی اللہ۔ اللہ تو ستّر ماؤں سے بڑھ کر پیار کرتا ہے اور ہم ہر روز ہی اپنی زندگی میں ماں کے کردار کو دیکھتے ہیں کہ بچے کے ذرا سے سسکی لینے پر کیسے پچکارتی ہے اور کیسے سینے سے لگا کر آئندہ کے لیے یوں ہو جاتی ہے جیسے بچے نے کبھی کوئی خطا کی ہی نہ ہو۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے رہرو منزل ہی نہیں!

زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا!

کائنات میں موجود تاریک مادے یعنی 'Dark Matter' کی کھوج کے لیے 'منظم' تجربات پچھلی ایک دہائی سے جاری ہیں۔ اٹلی میں زیرِ زمین ایک تجربہ گاہ میں قریباً دو سال تک جاری رہنے والے تجربے کے نتائج اب بھی یہی ہیں کہ سائنس دان اس بات کو سمجھنے سے عاجز ہیں کہ 'تاریک مادہ' کیا چیز ہے؟

چند دنوں پہلے آنے والی ایک خبر کے مطابق 'تاریک مادے' کی کھوج کے دوران 'نامعلوم سگنل' دریافت ہوئے۔ گویا تاریک مادہ خود ایک معمہ اور اسی کی کھوج میں نامعلوم سگنلوں کی صورت میں ایک اور معمہ سامنے آ گیا۔

دس سال سے سائنس دان اس تاریک مادے کے پیچھے حیران و سرگرداں غلام گردشوں میں بھٹک رہے ہیں۔

کیسا اندھیرا ہے؟ کیسی ظلمات فوق ظلمات ہیں؟ کیسی گمرہی ہے کہ 'روشنی' کو چھوڑ کر 'تاریکی' کو جاننے اور سمجھنے کی کھوج ہو رہی ہے۔

خدا نے جب انسان کو پیدا کیا تو ساتھ ہی اس کو نورِ ہدایت سے بھی نوازا کہ پہلا انسان، پہلا نبی بھی تھا (علیہ السلام)۔

حیراں ہے بُو علی کہ میں آیا کدھر سے ہوں
رومی یہ سوچتا ہے کہ جاؤں کدھر کو میں

سائنسدان یہ سوچ رہے ہیں اور اس تحقیق میں مگن ہیں کہ ہم انسان کہاں سے وجود میں آئے...... جبکہ عارفِ خدا سوچتا ہے کہ یا خدایا تجھ تک پہنچنے کی (تیرے دین و شریعت میں) اتنی راہیں ہیں کہ کس کو اختیار کروں کہ تیرے بندوں میں سے کچھ کسی نیکی اور کسی اطاعت کے ذریعے تجھے پا گئے اور کوئی کسی اور نیکی کے وسیلے سے۔

سبحان اللہ...... روشنی، قرآن، قرآن کے بیان کے مطابق زمین و آسمان کی تخلیق کی نشانیاں، سورج، چاند، ستاروں کی گردش، یہ سب روشن ہیں، منور ہیں...... لیکن تاریک مادے کے پیچھے سر پھٹول؟!

پھر اس پر بھی حیرت اور اس عقدے کو بھی وا کرنے کی کوشش کہ تاریک مادے کی کھوج میں ملنے والے نامعلوم سگنل کیا ہیں؟

معلوم کو چھوڑ دیا اور نامعلوم کے پیچھے یہ سرگردانی؟!

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا!

سعودی عرب میں منکر کو اجازت اور معروف پر پابندیاں

کورونا وائرس جن کے لیے عذاب ہے ان کے لیے اس کا ہر پہلو ہی عذاب ہے، یعنی یہ معذَّب لوگ اس عذاب کے دوران جو جو افعال کر رہے ہیں وہ فی ذاتہٖ بھی عذاب ہیں کہ ذرا برابر بھی رجوع الی اللہ کا پہلو ان میں نہیں، بلکہ اللہ سے بغاوت میں مزید آگے بڑھتے جا رہے ہیں۔ اسی کی ایک مثال محمد بن سلمان اور اس کی انتظامیہ کا سعودی عرب ہے۔

۲۱ جون ۲۰۲۰ء کو سعودی عرب کی 'میڈیا کمیٹی' نے اعلان کیا کہ سینما گھر ایک بار پھر کھولے جا رہے ہیں، بس خیال اس چیز کا رکھا جائے کہ کورونا سے بچنے کی جملہ احتیاطیں کی جائیں مثلاً 'سماجی فاصلہ' یعنی social distancing۔

اسی روز ایک اور اعلان بھی سعودی حکومت کی جانب سے سامنے آیا۔ وزارۃ شؤون الإسلامیۃ یعنی سعودی وزارت برائے مذہبی امور نے اعلان کیا کہ کورونا کے سبب تاحکمِ ثانی اب بھی 'مساجد کے اندر مواعظ و دروس کا سلسلہ، قرآنی حلقہ جات میں تعلیمِ قرآن (حفظ و ناظرہ و تفسیر و معانی وغیرہ) اور خواتین کے لیے شرعی دورہ جات' سرکار کی جانب سے جاری 'حفاظتی پروٹوکولز' کا خیال رکھتے ہوئے بند رہیں گے۔

اللہ کے ذکر اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے لازم کیے گئے علمِ دین (بنیادی علومِ قرآن و بنیادی امورِ زندگی کے شرعی احکام) پر پابندی ہے جبکہ عیسائی اور یہودی ہدایت کاروں اور اداکاروں کی سجائی منڈی 'ہالی ووڈ' اور مشرک ہندوؤں کے مویشی میلے 'بالی ووڈ' کو دیکھنے دکھانے کے لیے خصوصی طور پر سینما گھروں کا نئے سرے سے افتتاح؟

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں! جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

عاصم باجوہ میرا پرانا دوست ہے، شیخ رشید

پچھلے دنوں جب سابقہ ڈی جے آئی ایس پی آر اور سابقہ کور کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل عاصم سلیم باجوہ کی عمران خان کے خصوصی مشیر برائے اطلاعات 'لگنے' کی خبر سامنے آئی تو اس پر تبصرہ کرتے ہوئے بھابڑا بازار کے شیخ رشید احمد نے کہا کہ عاصم باجوہ میرا پرانا دوست ہے۔ جب یہ مشرف کا سیکرٹری ہوتا تھا اس زمانے میں ہم ایوانِ صدر میں شام کو اکٹھے ہوتے تھے اور 'سگار' پیا کرتے تھے۔

سگار کا اعتراف تو منہ سے ہے اور انگور کی بیٹی کا ذکر یہ اپنی نجی محفلوں میں کرتا ہی رہتا ہے۔ بلکہ ذکر تو ذکر ہے، شیدے ٹلی صاحب (پنڈی کے لوگ شیخ رشید کو اسی نام سے پکارتے ہیں) کے یہاں اکثر بوتلیں کھلتی رہتی ہیں۔ پھر بچہ بچہ جانتا ہے کہ مشرف کے یہاں شام کو جو محفلیں سجتی تھیں ان میں 'بڑے بڑے استاد، سارنگی و بانسری ساز' اور 'گھول گھول' کر پلانے والے 'سگار' نہیں پیتے تھے۔

ایک مقام تو یہاں یہ ہے کہ سوچا جائے کہ جو پہلے مشرف کا سیکرٹری تھا وہ آج عمران خان کا مشیر خاص ہے (حالانکہ عمران خان نے ایک بار کہا تھا کہ اگر کوئی فرشتہ بھی وردی پہن کر آئے تو میں اس کا ساتھ نہ دوں گا، خیر ہمیں بھی نکتہ چینی کی عادت ہے، عاصم باجوہ وردی میں تھوڑا ہی آیا ہے، سفید کاٹن کا سوٹ اور اور اوپر کالا ویسٹ کوٹ پہن کر آیا ہے)۔ گویا پھر سے 'سگار وِگار' کی محفلیں گرم ہونے والی ہیں۔ اور ان محفلوں میں 'سپیشل برانچ' کے شیخ رشید کو آبپارہ والے اور عاصم باجوہ جیسے نجانے کون سا 'سگار' پلاتے ہیں کہ یہ پاکستانی ایٹمی پروگرام اور پاکستان کے پاس موجود ایٹم بموں کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ 'ہمارے پاس پاؤ، پاؤ، آدھا آدھا پاؤ کے بھی ایٹم بم ہیں۔ ہمارے پاس انچ انچ، آدھا انچ، پونی انچ اور دو انچ کے بھی ایٹم بم ہیں'۔

یہاں شیخ رشید کا ایک اور واقعہ یاد آیا۔ مشرف دور میں جب صوبہ سرحد میں ایم ایم اے کی حکومت تھی تو ایک بار 'دن کا راجا، رات کی رانی...... اکرم درانی' کا بنوں میں ایک جلسہ تھا۔ شیخ رشید بھی اس میں بطورِ مقرر مدعو کیا گیا۔ سارا دن شیخ رشید 'مصروف' رہا۔ شام کو بعد از عصر واپسی ہوئی۔ واپسی کے سفر میں شیخ رشید کے عمومی اسفار کی طرح اس کی گاڑی میں لگی ویڈیو سکرین پر 'ڈانس' چل رہا تھا جسے ہمارے پنجاب میں 'کچھ اور' کہتے ہیں۔ راولپنڈی اسلام آباد پریس کلب کے ایک رکن صحافی سے میں نے سنا کہ ڈانس کے ساتھ ساتھ ایک دم چلتی گاڑی میں شیخ رشید نے نماز کی نیت باندھ لی اور نجانے کتنی نمازیں ایک ہی بار میں 'بھگتا' دیں۔ پھر سلام پھیر کر کہنے لگا 'جتنی بھی مصروفیت ہو اور جو بھی حالات ہوں میں نماز نہیں چھوڑتا'۔

★★★★★

شعر سے نہ شاعری سے جائے گا
عصا اٹھاؤ کہ فرعون اسے سے جائے گا!

(حبیب جالبؔ)

غازی عبد الصبور بھی رہا ہو گئے!

تحریر: جناب انس حقانی – اردو استفادہ: جلال الدین حسن یوسف زئی

بگرام کے عمومی جیل خانے میں، سب سے بدترین بلاک 'شو الفا' ہے، جو کہ بدترین عقوبت خانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہاں قیدیوں کو سزائیں دی جاتی ہے اور جو قیدی باقی بلاکس میں ان کے مطابق قانون کی خلاف ورزی کریں تو ان کو اس بلاک میں پندرہ دن سزا کے طور پر رکھا جاتا ہے اور جو قیدی ان کے مطابق رحم کے لائق ہی نہ ہوں، ان کو یہاں مہینوں مہینوں بلکہ سالوں غیر معینہ مدت تک رکھا جاتا ہے۔ میں اور حافظ عبد الرشید بھی انہی قلیل افراد میں سے تھے جن کا اس بلاک سے نکلنا امر ثانی کے ساتھ جڑا ہوا تھا۔ یہ عقوبت خانہ ایک بہت بڑا بلاک تھا جس میں چونسٹھ (۶۴) سیل تھے۔ ہر سیل کی لمبائی پندرہ بالشت اور چوڑائی دس بالشت تھی۔ یہی سیل قیدیوں کے رہنے کی جگہ ہوتے تھے۔ ایک کونے میں قضائے حاجت اور وضو کی جگہ ہوتی تھی اور دوسرے کونے میں قیدی کے لیے بیٹھنے اور سونے کی جگہ ہوتی تھی اور یہیں نماز اور تلاوت بھی کی جاتی تھی۔ ان سیلوں کے اوپر ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک بڑا جنگلا لگا ہوا تھا۔ ان پنجروں کے درمیان میں چوبیس گھنٹے سپاہی گشت کرتے تھے اور رات بھر قیدیوں کو سونے نہیں دیتے تھے۔ پنجروں کے اوپر مستقل ایک سپاہی زنجیر مارتا رہتا تھا جس کے شور کی وجہ سے دن اور رات تمام قیدی تکلیف میں مبتلا رہتے تھے۔ دن میں دو یا تین دفعہ فوجی افسر اپنے محافظوں سمیت بلاک میں داخل ہو جاتا اور کسی ایک پنجرے میں اندر جا کر سپاہی قیدی کے ہاتھ پاؤں پکڑ لیتے اور افسر اس قیدی کو تار کے ذریعے اتنا مارتا کہ اس قیدی کی چیخوں کی آوازیں باقی سب قیدیوں کو سنائی دیتیں اور ہر قیدی اس پریشانی میں ہوتا کہ اس کے بعد میری باری ہے۔ یہاں نہ رمضان کے مہینے کا احترام کیا جاتا، نہ ہی عید کے دن کا، نہ ہی عالم کا، نہ ہی حافظِ قرآن کا، نہ ہی سفید ریش بزرگوں کا، نہ ہی مریض کا اور نہ ہی چھوٹے بچوں کا بلکہ ہر کوئی ان کی تشدد کا شکار رہتا تھا، الّا ماشاء اللہ۔ اگر کوئی سپاہی یا فوجی افسر اچھا انسان ہوتا تو اس کی ڈیوٹی میں قیدیوں کو راحت میسر ہوتی۔ ہر قیدی کو سوائے ایک کمبل کے کوئی چیز رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ قرآن مجید کو اکثر قیدی کھانے کی ٹرے میں رکھتے تھے۔ قیدی ایک دوسرے کے ساتھ پنجروں کے اندر سے باتیں کرتے تھے۔ اگر کسی کی آواز اونچی ہو جاتی اور فوجی سن لیتے تو اس کو اس کے بعد سخت تشدد کا سامنا کرنا پڑتا۔ بعض قیدی صرف دس دن گزارتے اور اس کے بعد ان کو واپس اپنے بلاکوں میں منتقل کر دیا جاتا۔ ہمارے قریب جب بھی کسی قیدی کو لایا جاتا تو ہم اس سے ہلکی آواز میں پوچھتے کہ کس بلاک سے تمہیں اُٹھا کر لائے ہیں؟ کون ہو؟ کس جرم میں پکڑے گئے ہو؟ کون سے صوبے سے تمہارا تعلق ہے؟ اگر آپ نے اپنے رشتہ داروں سے ملاقات کی ہو یا باقی قیدیوں کے ذریعے سے کچھ معلومات ملی ہوں تو بتاؤ کہ باہر کیا حالات ہیں؟ ہم دنیا کے حالات سے بے خبر تھے اسی وجہ سے نئے آنے والے قیدیوں سے باہر کی معلومات لیتے تھے۔ لیکن قیدیوں کی معلومات بھی اکثر افواہیں ہوتی تھیں۔ شاید ان قیدیوں کے رشتہ دار اپنے قیدی کو حوصلہ دینے کے لیے ایسی باتیں بتاتے تھے جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی تھی۔ ایک دن میں پوری دنیا کو فتح کروا دیتے تھے اور ہم بھی سمجھ لیتے کہ شاید سچی خبر ہو۔ میرے ایک قیدی ساتھی محمودی صاحب نے مجھے خط میں لکھا:

مکره د بګرام پوښتنه مه کوه

یو په کې دروغ او بل وښتنه ډیر دي

مجھ سے بگرام کا حال نہ پوچھو، ایک طرف جھوٹ اور دوسری طرف بال بہت زیادہ ہیں!

قید میں قیدیوں کے بال بہت زیادہ گرتے تھے، ہر کمرہ بالوں سے بھرا ہوتا تھا اس وجہ سے شعر میں بالوں کا ذکر آیا۔ مختصر یہ کہ میں قریب والے پنجرے کی طرف زیادہ متوجہ رہتا تھا کہ کوئی نیا قیدی آئے گا۔ ایک رات ایک نئے قیدی کو اُٹھا کر لے آئے۔ فوجی افسر اس سے تفتیش کر رہا تھا لیکن اس کی باتیں میں نے اچھی طرح نہیں سنیں۔ اس کے پاس بستر نہیں تھا اور یہ قیدی ٹھنڈی زمین پہ بیٹھا تھا۔ سپاہی اس کو کہہ رہے تھے کہ لاجسٹک والوں کو فون کیا ہے وہ ابھی بستر لے آئیں گے۔ اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ یہ ایک نیا قیدی ہے اور قیدی کے جرم کی حساسیت کی وجہ سے اس کو یہاں لائے ہیں۔ بہت دیر بعد اس کو کمبل لا کر دے دیا۔ اس قیدی نے سپاہیوں سے قرآن کا مطالبہ کیا لیکن سپاہیوں نے کہا کہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ صبح نماز کے بعد رات کی ڈیوٹی پر مامور فوجیوں کی تبدیلی ہوئی، صبح کی ڈیوٹی پر مامور فوجی افسر صوبہ بغلان کا رہنے والا تھا، میرے ساتھ اس کی دوستی تھی۔ کئی بار وہ میرے سامنے سے گزرا لیکن میرے ساتھ بات نہیں کی۔ پھر ایک بار گزرتے ہوئے اس نے ہلکی آواز میں کہا کہ آپ کے قریب والے پنجرے میں جو نیا قیدی لایا گیا ہے یہ استخبارات کی طرف سے آیا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ جاسوس ہو اور میرے اور تمہارے درمیان کی جانے والی گفتگو کو سن لے۔ پھر اس کے بعد وہ افسر اس قیدی کے پاس گیا اور اس سے سوالات پوچھنا شروع کیے: کون ہو؟ کب گرفتار ہوئے؟

قیدی نے جواب دیا کہ سالنگ کا رہنے والا ہوں اور کل ہی مجھے گرفتار کیا ہے۔

افسر نے پوچھا: کس جرم میں گرفتار ہوئے؟

قیدی نے جواب دیا: میں ایک پولیس اہلکار ہوں، چار سال قبل وزارتِ داخلہ میں مَیں نے چار امریکیوں کو قتل کیا تھا۔

افسر نے پوچھا: تم عبد الصبور سالنگی تو نہیں ہو جس کی گرفتاری کی خبر کل میں نے ٹی وی پر دیکھی تھی؟

قیدی نے جواب: جی ہاں! میں وہی ہوں۔

فوجی افسر نے باقی فوجیوں کو بھی آوازیں دے کر بلایا اور ان سے کہا کہ یہ وہی شخص ہے جس نے چار امریکیوں کو مارا ہے۔ سارے فوجی اس کے پنجرے کے سامنے بیٹھ گئے اور اس سے سوالات پوچھنا شروع کر دیا کہ تم نے یہ کام کیسے کیا؟

غازی عبد الصبور نہایت غیرت مند انسان تھا اور وہ انتہائی حوصلے اور اطمینان سے سپاہیوں کے سوالات کا جواب دیتا رہا۔

غازی عبد الصبور نے سپاہیوں سے کہا کہ میں نے اللہ کے دین کے سبب غیرت کھائی، میرا ضمیر مجھے بے غیرتی کی اجازت نہیں دے رہا تھا، میں نے اللہ کی خوشنودی کے لیے یہ کام سر انجام دیا، ان امریکیوں نے اللہ رب العزت کے کلام قرآن مجید کو نذرِ آتش کیا، اگر میں قرآن کو نذرِ آتش ہوتا دیکھ کر خاموش بیٹھ جاتا تو پھر میرے ایمان کا کیا مطلب!؟

ایک سپاہی نے غازی عبد الصبور سے کہا کہ تمہارا جرم تو بہت بڑا ہے، رہائی پانا ناممکن ہے، شاید تمہیں پھانسی کی سزا مل جائے۔ غازی عبد الصبور نے جواب میں کہا: حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کے دین کی خاطر غیرت کھائی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر غیرت کھائی اور اللہ نے ایسی غیرت کی کہ دنیا حیران رہ گئی، پھر غازی عبد الصبور نے سپاہیوں کے سامنے یہ آیت تلاوت کی:

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ○ (سورۃ الانبیاء: ۶۹)

”ہم نے کہا: اے آگ! ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم کے لیے سلامتی بن جا۔“

سب سپاہی غازی عبد الصبور کی باتوں کو توجہ سے سن رہے تھے، جیسا کہ یہ باتیں ان سپاہیوں کو عار دلا رہی ہوں۔ انہوں نے سپاہیوں کے سامنے امریکیوں کو قتل کرنے کا پورا قصہ سنایا اور کہا کہ اس کارروائی کے بعد میں ایران چلا گیا اور وہاں مزدوری کر رہا تھا۔ چار سال بعد خفیہ طریقے سے اپنے گاؤں آ گیا۔ اس عرصے میں فوجی جنرل کو میرے آنے کا پتا چلا، جنرل کا نام میں اچھی طرح نہیں سن سکا، شاید ایوب سالنگی نام تھا، اس نے مجھے فون کیا اور مجھے یہ اطمینان دلایا کہ تم پولیس میں واپس آ جاؤ، میں تمہارا ضامن بنوں گا۔ بالآخر میں نے اس کی باتوں پر یقین کر لیا اور میں اس کے پاس چلا گیا تو اس نے میرے ساتھ دھوکہ کیا اور مجھے گرفتار کر کے کابل بھجوا دیا اور آج مجھے یہاں لے آئے۔ افسر اچھا بندہ تھا اس نے اس کو بہت اطمینان دلایا اور کہا کہ جو بھی خدمت ہو تو مجھے بتایا کرو۔ غازی عبد الصبور نے کہا مجھے قرآن چاہیے، فوجی افسر نے ایک سپاہی سے کہا اور وہ قرآن لے کر آ گیا۔ ایک فوجی میرے پنجرے کے قریب آیا اور مجھے کہا: اس بندے نے بہت عجیب کارنامہ سر انجام نہیں دیا! میں نے ہنستے ہوئے اس سے کہا: تم بھی آگے بڑھو، یہاں تو امریکی بہت آتے ہیں۔ اس سپاہی نے آگے پیچھے دیکھا اور پھر مایوسی سے بھری ہوئی معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ چلا گیا۔

کچھ دیر بعد غازی عبد الصبور نے اپنی پر سوز آواز میں تلاوت شروع کر دی، وہ تلاوت کرنے میں مصروف تھے کہ باہر سے اور سپاہی آ گئے اور اس کو پنجرے سے نکال کر لے گئے۔ افسر سے میں نے پوچھا کہ اس کو کہاں اُٹھا کر لے گئے؟ تو اس نے کہا کہ اس کو امریکی اپنے بلاک میں لے گئے ہیں اور وہاں اس سے تفتیش کریں گے۔ مجھے بہت دکھ ہوا کیونکہ اس بلاک میں، مَیں نے آٹھ مہینے گزارے تھے۔ میرے بس میں بس یہی تھا کہ اس کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھوں۔ میں سوچ رہا تھا کہ انتہائی مخلص اور غیرت مند انسان ہے، اس نے اللہ کے دین پر غیرت کھائی ہے، اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق پر مبنی ہے، ضرور اللہ تعالیٰ اس کے لیے بند راستوں کو کھول دے گا۔

ابھی کچھ دن قبل خبروں میں یہ بات سننے کو ملی کہ غازی عبد الصبور امارت اسلامیہ کے معاہدے کے مطابق قید سے رہا ہو گئے۔

پس یہ اللہ تعالیٰ کی نصرت ہے جو اس نے اپنے ایک غیرت مند بندے کے ساتھ کی اور بہادر و غیرت مند لوگوں کے ہاتھوں اسے قید سے رہائی دی۔ اللہ کے دین پر غیرت کرنے والوں کے لیے اس قصے میں ایک بہت بڑا درس ہے۔ یہ پرانا یا تاریخ کا کوئی واقعہ نہیں جس کا ثبوت ڈھونڈنے کے لیے کتابیں پڑھی جائیں، یہ آج کی زندہ مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو دکھائی اور وہ بہادر مجاہد سرخرو ہو کر قید سے نکلا۔

غازی عبد الصبور کو تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ!

مستقبل میں پاکستان کے لیے خطرات اور اہلِ دین طبقہ

مولانا محمد مثنّیٰ حسان حفظہ اللہ

چند دن قبل طبقۂ اہلِ دین سے وابستہ ایک صاحب کے ٹویٹس میں دیکھا گیا کہ وہ سینہ ٹھونک کر 'بلے' اور 'صاحبِ بلاّ' عمران خان کی حمایت کا اعلان کر رہے تھے، اور قمر باجوہ اور اس کے ادارے کو خراجِ تحسین پیش کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر دل پر گہری چوٹ لگی، افسوس اور غم کے احساسات پیدا ہوئے، اور مستقبل کے بارے میں شدید خدشات نے پریشان کر دیا۔ یہاں مخاطب مذکورہ صاحب بطور شخص واحد نہیں ہیں، بلکہ یہاں مخاطب پاکستان کا اہلِ دین طبقہ ہے جس کے وہ ایک فرد ہیں۔ وہ اہلِ دین طبقہ جو حقیقی بانیانِ پاکستان کا جانشین ہے، اور جس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس وطنِ عزیز کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کا دفاع کرے۔ اگرچہ وہ اس دعوے سے آج بھی دست بردار نہیں ہیں، مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اہلِ دین طبقہ جس سفینے میں سوار ہے، شاید اس کا اپنا کوئی ناخدا نہیں ہے۔ جو طاقتور بھی آکر مسلط ہو جائے، وہی اہلِ دین طبقے کو اپنی مرضی سے گھسیٹنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ ابتداء میں اہلِ دین ناگواری کا اظہار کرتے ہیں جو رفتہ رفتہ رضامندی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ قیامِ پاکستان سے آج تک جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کے دفاع میں پاکستانی اسٹیبلشمنٹ کی ناکامی کا 'گراف' اوپر سے اوپر جا رہا ہے، بلکہ نظریاتی سرحدوں کی مخالفت اپنے عروج پر پہنچ چکی ہے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس کے مقابلے میں اہلِ دین طبقہ کی کارکردگی بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔

پاکستان تو دراصل ایک نظریاتی ملک ہے، جس کی جغرافیائی سرحدوں پر اس کی نظریاتی سرحدیں مقدم ہیں۔ جو شخص یہاں کی نظریاتی سرحدوں کا مخالف ہو، وہ بھلا اس کی جغرافیائی سرحدوں کا کیا دفاع کرے گا؟ یہ بات قیامِ پاکستان کے وقت اور ابتدائی دور میں یہاں کے اہلِ دین پر واضح تھی، اور انھوں نے جب اسٹیبلشمنٹ کی طرف سے نظریاتی سرحدوں کی مخالفت دیکھی، تو اس کے مقابلے میں اس ملک کے دفاع کے لیے جدوجہد کی۔ لیکن جب اصحابِ عزیمت رخصت ہونے لگے تو اسٹیبلشمنٹ نے اہلِ دین کے ساتھ کھیلنا سیکھ لیا، اور اس کے بعد اس ملک میں اہلِ دین کا کوئی کردار نہیں رہا، سوائے اس کے کہ وہ اسٹیبلشمنٹ کی حمایت کریں۔ حال یہاں تک پہنچ گیا کہ بائیں بازو کی جماعتوں نے دینی جماعتوں کو پاکستانی فوج کی 'بی ٹیم' کے نام سے موسوم کرنا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ جب پاکستان دولخت ہوا، جغرافیہ آدھا ہو گیا، تو اس وقت بھی دینی جماعتیں پاکستان کو دولخت کرنے والی اسٹیبلشمنٹ کی حامی تھیں۔

آج بھی یہی منظر نامہ نظر آرہا ہے۔ آج پاکستان ماضی کی نسبت بے انتہاء خطرات سے دوچار ہے۔ امریکہ کے افغانستان سے انخلاء کے بعد پاکستان کے حالات انتہائی کشیدگی کی طرف جاتے نظر آرہے ہیں۔ ایک طرف پشتون اور بلوچ قومیت کے نعرے پہلے سے بہت زیادہ زور وشور سے اٹھ رہے ہیں، اور ان نعروں کی مقبولیت میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ دوسری طرف ہندوستان دنیا کی بڑی طاقتوں میں شامل ہو چکا ہے، اور بعض اعتبارات سے امریکہ و چین کے بعد تیسری بڑی طاقت بن چکا ہے۔ اس کی جارحیت کا خطرہ بھی پہلے سے بہت بڑھ چکا ہے، جس کا اندازہ کشمیر وہند و بنگلہ دیش کے داخلی حالات سے لگایا جاسکتا ہے۔ تیسری طرف چین...... جو دنیا کی سب سے بڑی اقتصادی طاقت ہے...... اس نے پاکستان کو اقتصادی طور پر یرغمال بنالیا ہے۔ یہ تو جغرافیائی سرحدوں کے لیے خطرات ہیں جو ظاہر وباہر ہیں۔

پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کی بات کریں...... تو پاکستانی فوج کے داخلی حلقوں کی مصدقہ اطلاعات ہیں کہ قمر باجوہ کے آنے کے بعد پاکستانی فوج میں قادیانیوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے، اور اثر ورسوخ دوچند ہو گیا ہے۔ یہ وہ قادیانی ہیں جنھیں یہاں کا آئین بھی کافر کہہ رہا ہے۔ لاکھ من گھڑت خوابوں کی مدد لے لی جائے، مگر اس سے قمر باجوہ کی حقیقت بدل نہیں سکتی۔ دوسری طرف اہلِ سنت کے مقابلے میں شیعیت کو چھوٹ دی جا رہی ہے، ان کے اجتماعات اور جلسے جلوسوں پر پابندیاں ختم کی جا رہی ہیں، جس سے اس طبقے میں اعتماد پیدا ہو رہا ہے، اور کسی وقت بھی عالمی طاقتیں ان کے ذریعے پاکستان میں انتشار پھیلا سکتی ہیں، جس کی ایک جھلک حال میں کوئٹہ میں ہزارہ کمیونٹی کی حرکت ہے۔ تیسری طرف اہلِ دین کے مساجد و مدارس پر پابندیاں بڑھا دی گئی ہیں، سیکیورٹی کم کر دی گئی ہے، نگرانی مضبوط کر دی گئی ہے، اجتماعات پر روک ٹوک بڑھ رہی ہے۔ دین کی غیرت رکھنے والے جوانوں سے جیلیں بھر دی گئی ہیں، اور کتنوں کو ہی جعلی مقابلوں میں شہید کر دیا گیا ہے۔ 'نیشنل ایکشن پلان' کے تحت باقاعدہ قانون سازی کر کے اہلِ دین پر...... اُس دین پر عمل کو مشکل بنا دیا گیا ہے...... جس کے لیے ہی یہ ملک وجود میں آیا تھا، اور جس کے بغیر اس ملک کا وجود ہی نہیں۔ مجاہدین کے گھرانوں اور علمائے کرام کو مستقل ایک دباؤ میں رکھا ہوا ہے۔ چوتھی طرف اسٹیبلشمنٹ کی طرف سے اس وقت ایک ایسی حکومت بنائی گئی ہے جو دین کی دھجیاں اڑا کر رکھ دے، جو سیکولرازم سے بڑھ کر لبرل ازم تک کی دعوت دیتی ہے۔ وزیرِ اعظم کی کابینہ دیکھ لی جائے، اور ان میں سے بھی بس ایک فواد چودھری کی کوششوں کا جائزہ شاید کسی بھی صاحبِ فہم مسلمان کے لیے کافی ہے۔

ہمیں معلوم ہے کہ پاکستان کا اہلِ دین طبقہ اسٹیبلشمنٹ کی دین دشمنی...... یعنی پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کی مخالفت...... سے واقف ہے، مگر اس کے چند افراد حکومت و فوج کی حمایت کرتے اس لیے دکھائی دیتے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کی جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت مقدم ہے (یعنی پاکستان نہ رہا تو اسلام کہاں سے آئے گا؟) اور اس کے لیے وہ مجبوراً یہاں کی اسٹیبلشمنٹ کی حمایت کرتے ہیں۔ اور وہ اس منطق میں اس حد تک چلے جاتے ہیں کہ

حکمرانوں کے 'ریاستِ مدینہ' جیسے منافقانہ نعروں کی بھی بعض تائید کر رہے ہوتے ہیں اور وزیرِ اعظم کو بہت بڑا مومن ثابت کرنے سے بھی نہیں باز رہتے۔ اِنا للہ و اِنا اِلیہ راجعون!

یہاں سوال یہ ہے کہ کیا شریعت کی میزان اور عقل کی میزان میں اہلِ دین طبقے کا یہ رویہ درست ہے؟ اور کیا اس طرزِ عمل سے پاکستان مستقبل کے خطرات کا مقابلہ کر سکتا ہے؟ کیا اس طریقے سے پاکستان کی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کی حفاظت ممکن ہے؟ ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہماری نظر میں ان تمام سوالات کا جواب نفی میں آتا ہے۔ اختصار سے عرض ہے کہ:

اول: پاکستانی اسٹیبلشمنٹ مستقبل میں پاکستان کے دفاع کی ہرگز اہلیت نہیں رکھتی اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو سیکولر و لبرل ہونے کی وجہ سے اپنے 'رب' اور 'اسلام' سے مخلص نہیں ہیں، وہ اس وطن سے کیسے مخلص ہو سکتے ہیں جو لا الٰہ الا اللہ کے نام پر وجود میں آیا؟ ان حکمرانوں اور جرنیلوں کی تاریخ ہے کہ یہ اپنی نوکریاں پوری کر کے اس وطن کو ہی خیر باد کہہ دیتے ہیں اور اپنے پردیسی آقاؤں کے یہاں دیس نشین ہو جاتے ہیں۔ موجودہ اسٹیبلشمنٹ تو خود بھی منقسم ہے۔ بعض افراد امریکہ نواز ہیں تو بعض دوسرے چین نواز ہیں۔ یہ ان دونوں طاقتوں کے مفادات پورے کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور یہ خود اس ملک کے لیے خطرہ ہیں، نہ کہ اس کے محافظ۔ مستقبل میں تصویر مزید واضح ہو جائے گی، اور یہ مستقبل کی امریکہ وچین 'سرد جنگ' میں اس ملک کو تباہ کریں گے۔

دوم: بھارت کے عزائم کبھی بھی اس وطن کے لیے اچھے نہ تھے۔ اب جبکہ اس کی عسکری قوت اور پاکستان کی عسکری قوت کا کوئی موازنہ ہی نہیں، اور عالمی غنڈوں کی ہلہ شیری بھی موجود ہے، تو پاکستانی اسٹیبلشمنٹ کے پاس اس کے مقابلے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ بھارت کا مقابلہ پہلے ایمان اور پھر عسکری قوت سے ہو سکتا ہے۔ پاکستانی اسٹیبلشمنٹ کے پاس ایمان تو بچا نہیں ہے، عسکری قوت بھی پاکستان کے داخلی معاملات میں صرف ہو رہی ہے۔ نیز امریکہ نواز افغان کابل انتظامیہ بھارت کے اشاروں پر چلتی ہے، اور اس کے زیرِ اثر بلوچ قوم پرستوں اور پشتون قوم پرستوں کو کھلا تعاون مل رہا ہے اور یہ مستقبل میں بھیانک خانہ جنگی کی پیشین گوئی کر رہا ہے۔ بلوچ قوم اور پشتون قوم پر جو مظالم اسٹیبلشمنٹ نے ڈھائے ہیں، اس کا واقعاتی نتیجہ یہی نکلنا تھا۔ یہ وہی صورت حال ہے جو مغربی پاکستان میں فوج کے بنگالی قوم پر مظالم کے سبب بنی تھی۔ جس طرح وہاں یہ پالیسی بری طرح ناکام ہوئی اور ملک دولخت ہوا، یہاں بھی نظر آ رہا ہے کہ اسٹیبلشمنٹ کامیاب نہیں ہو گی، اور ملک کو مزید تباہی میں دھکیل دے گی۔[1]

سوم: علاقائی سطح پر دیکھا جائے تو دنیا کی دو بڑی طاقتیں اب پاکستان کے پڑوس میں ہیں: چین اور بھارت؛ اور خطے میں اجارہ داری قائم رکھنے کے لیے دونوں میں کشیدگی کا تعلق ہے۔ یہ ہم جانتے ہیں کہ یہ بڑی طاقتیں اب باہمی جنگوں میں اترنے سے آخری حد تک بچتی ہیں[2]، کہ طاقتوں کی جنگ کا حال یہ اس صدی میں دیکھ چکی ہیں۔ لیکن یہ پروکسی وار یا خطے میں کمزوروں پر اجارہ داری قائم کرنے کے لیے جنگ کے آپشن کو نہیں چھوڑتیں۔ اس صورت حال میں بھی پاکستان ان دونوں طاقتوں کا دنگل بننے کے خطرات سے دوچار ہے۔ ایسے میں پاکستان کے پاس چین کا باج گزار بنے بغیر چارہ نہ ہو گا، اور اس میں بھی امریکہ نواز عنصر رکاوٹ بنے گا، جس سے سوائے انتشار اور عدم استحکام کے کچھ نہ ہو گا۔

چہارم: یہ اسٹیبلشمنٹ اس ملک کے اہلِ دین کو سیکولرازم کے راستے پر لانا چاہتی ہے اور حکومتی معاملات میں اہلِ دین کی دخل اندازی کو صفر کرنا چاہتی ہے۔ دینی سیاسی جماعتیں جو ہمیشہ سے اسٹیبلشمنٹ کی موید رہی ہیں، ان کی فعالیت دیکھیے کہ ماضی کے مقابلے میں اگر صفر نہیں ہوئی، تو صفر سے قریب ہو چکی ہے۔ وہ معاشرے میں انتہائی غیر مؤثر ہو چکے ہیں۔ مدارس اور علماء بچے تھے، تو انھیں نئے مرحلے میں غیر مؤثر کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

اب نظر یہ آ رہا ہے کہ عالمی طاقتوں کی کوشش یہ ہے کہ یا یہ ملک انتہائی غیر مستحکم ہو جائے، یا مستحکم ہو تو کسی اتاترک کی قیادت اور پالیسیوں پر مستحکم ہو جس سے مغرب اور عالمی غنڈوں کو کوئی خطرہ نہ ہو۔ عالمی طاقتیں یہ ہرگز نہیں چاہتیں کہ افغانستان میں امارتِ اسلامیہ کی طرح پاکستان میں کہیں اسلامی حکومت کا امکان بھی پیدا ہو، یا یہ مجاہدین کے لیے جائے پناہ بن سکے۔

جہاں تک شریعت کی میزان کا تعلق ہے تو تمام اہلِ دین جانتے ہیں کہ مسلمان کے لیے ہر مصلحت دین کی مصلحت کے تابع ہوتی ہے، اور پاکستان کی جغرافیائی سرحدیں اسی وقت معتبر ہو سکتی ہیں جب نظریاتی سرحدیں محفوظ ہوں۔ اسی بنیاد پر مکہ کو چھوڑ کر مدینہ کی ریاست وجود میں آئی۔ پاکستانی حکمرانوں اور فوج کی دین بیزاری اور ملکی معاملات سے دین کو بے دخل کرنے کی کوششیں ہر بینا مسلمان دیکھ رہا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اہلِ دین طبقے کے نمائندہ افراد نہ دیکھ رہے ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کی واضح تعلیمات ہیں کہ بعد میں ایسے حکمران آئیں گے جن سے منکر اعمال صادر ہوں گے، لہٰذا ان کے منکر اعمال سے برأت کی جائے۔ جو کوئی ایسے حکمرانوں کی تائید کرے گا تو وہ قیامت میں حوضِ کوثر پر ہی رد کر دیا جائے گا۔ اب ہمارے اہلِ دین حضرات کو فیصلہ کرنا ہے کہ وہ حوضِ کوثر پر مقبولیت کے خواہاں ہیں یا رد کیے جانے کے۔

[1] یہ واضح رہے کہ پی ٹی ایم وغیرہ کے معاملے میں ظالم اور مظلوم کا فرق واضح رہنا چاہیے۔ پاکستانی ادارے ظالم ہیں، جبکہ بلوچ اور پشتون عوام مظلوم ہیں۔ اب ایسے میں جو کوئی بھی مظلوم کی بجائے ظالم کا ساتھ دے گا، تو وہ ظالم ہو گا۔ ہاں، مظلوم کا ساتھ دیا جائے اور اسے شریعت کے طریقے پر لایا جائے۔ انھیں ظالم سے مقابلے کا شرعی طریقہ سکھایا جائے اور کسی بیرونی طاقت کا آلۂ کار بننے سے روکا جائے۔ یہ دین و عقل کا تقاضا ہے۔

[2] اس وقت جاری چین و بھارت کی جنگ، 'جنگ' نہیں بلکہ ہلکی پھلکی کھٹ پٹ ہے۔ ویسے بھی دو ایٹمی قوتیں، دو دیو ہیکل عسکری قوتیں جب جنگ کرتی ہیں تو ان کی فوجیں سلاخوں اور کیلوں سے لیس ڈنڈوں سے نہیں لڑا کرتیں۔

آخری بات! دین کا تقاضا ہے کہ اس کے مطابق دنیا کی سیاست و تمدن کو چلایا جائے۔ اہلِ دین طبقے کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس ملک میں اسلام کے دفاع کے لیے نکلیں اور پھر اس ملک کی سرحدوں کے دفاع میں بھی نکلیں۔ معاشرے کے صالح لوگوں کو اٹھنا چاہیے اور خود تیاری کرنی چاہیے۔ اگر چہ ہم سب کی خواہش ہے کہ پاکستان کا حال لیبیا اور شام جیسا نہ ہو، لیکن مستقبل کے حالات کچھ اچھے نہیں دِکھ رہے۔ اُس وقت عالمی طاقتیں ہوں گی اور ان کی پروردہ حکومت وامن فوج، جبکہ یہ فوج نظر بھی نہ آئے گی۔ اس وقت کی تیاری آج کر لی جائے، اور وہ تیاری دین کی بنیاد پر لوگوں کو جمع کر کے انھیں جہاد کا سبق دینا ہے۔ اس کا پہلا قدم پاکستانی حکومت اور فوج کی اسلام دشمنی کو پاکستانی عوام پر واضح کرنا ہے، نہ کہ کوئی بھی ایسا قدم اٹھانا جو ایسی حکومت و فوج کی تائید میں ہو جو نہ اللہ سے مخلص ہے، نہ اس وطنِ عزیز سے مخلص ہے اور نہ ہی یہاں کے مسلمان عوام سے۔

یہ باتیں ہم اپنے تمام اہلِ دین بھائیوں کی خدمت میں کہہ رہے ہیں جن سے ہمیں محبت ہے، اور محبت سے بڑھ کر ہمدردی ہے، جن میں سیاسی، علمی و فکری قائدین شامل ہیں۔ کاش کہ یہ حضرات بھی صورت حال کی نزاکت کو سمجھیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے دین کی خدمت میں قبول کر لیں، اور دنیا و آخرت کی خیر ہمارے حصے میں لکھ دیں، آمین۔

بقیہ: سیّد منور حسن......ایک منفرد شخصیت

اللہ پاک آپ کی لغزشوں سے درگزر فرمائیں۔ اعلیٰ علیین میں آپ کو جگہ دیں۔ جنت الفردوس کو آپ کا مقام بنائیں۔ ان کی روحِ مطمئن کو انبیا و صدیقین اور شہدا و صالحین کی معیت عطا فرمائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں جامِ کوثر نصیب کریں، آمین یاربّ العالمین۔

ہوا 'تھی' گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا 'چلا' ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیے 'تھے' انداز خسروانہ

☆☆☆☆☆

سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

اللہ اللہ! یہ اعجاز روحانیت
نظمِ حکمت میں آیا یکایک خلل

"مردِ مومن" نے منبر پہ جب یہ کہا
ساریہ ساریہ! الجبل الجبل!

مسلمان کا زوال

اگرچہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات
جو فقر سے ہے میسر، تونگری سے نہیں

اگر جواں ہوں مری قوم کے جسور و غیور
قلندری مری کچھ کم سکندری سے نہیں

سبب کچھ اور ہے، تو جس کو خود سمجھتا
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

اگر جہاں میں مرا جوہر آشکار ہوا
قلندری سے ہوا ہے، تونگری سے نہیں

فی اللہ زندگی جینے کا جذبہ جگاتے ہوئے 'ضربِ کلیم' میں علامہ اقبال علیہ الرحمۃ توجہ دلاتے ہیں کہ اگرچہ مال و دولت سے دنیا میں بہت سے حاجتیں پوری ہو جاتی ہیں، لیکن جو کچھ فقر و فقیری میں ملتا ہے وہ ایامِ امارت اور مال و دولت کے زمانے میں میسر نہیں آتا۔ اگر اس ملتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام) کے جوان باحمیت، دلیر، اسلام کی خاطر غیرت کھانے والے اور کفر کو للکارنے کی جسارت کرنے والے بن جائیں تو یہ ظاہری فقر، یہ ظاہری زوال یکایک عروج اور پادشاہت میں بدل جائے۔

اے مردِ مسلمان! تو اس چمک دمک کے زمانے میں، ہوا میں رفتارِ آواز سے تیز تر اڑتے جہازوں اور سمندر کی گہرائیوں میں تیرتی ایٹمی آبدوزوں کے دور میں، نیویارک، لندن و پیرس اور بیجنگ و ٹوکیو جیسے مال و دولت کے مراکز کے وقت میں، ایسے زمانے میں جب سرمایہ اور پیسہ ہی عزت کا نشان، عروج کا ذریعہ اور ترقی کا زینہ نظر آتا ہے......اس زمانے میں سمجھ جا کہ 'لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ' پڑھنے والوں کا زوال دنیا میں غریبی، اسباب کی کمی، تھرڈ ورلڈ کا شہری ہونے کے باعث نہیں۔

یاد رکھ اے بندۂ مسلمان! تیرا جوہر اس دنیا پر جب بھی کھلا ہے، روم و فارس جب بھی تیرے سامنے سرنگوں ہوئے ہیں، راجے اور برہمن جب بھی تجھ سے مات کھا کر بھاگے ہیں، قیصر کا تاج اور کسریٰ کے کنگن تو نے جب بھی پہنے ہیں، جب بھی تُو نے یروشلم کو القدس اور قسطنطنیہ کو اسلامبول بنایا ہے تو اس کا سبب اللہ پر ایمان، دنیا سے بے رغبتی، جہادی میادین اور غیرتِ دینی رہی ہے!

سیّد منور حسن رحمۃ اللہ علیہ...... ایک منفرد شخصیت!

معین الدین شامی

دینی سیاسی جماعتوں کے غلبۂ اسلام کے طریقۂ کار (المختصر جمہوری سیاست) سے ہمیں اتفاق نہیں۔ جس منہج سے راقم بتوفیق اللہ وابستہ ہے اس کے قائدین ہمیشہ جمہوری طرزِ سیاست اور اس طرز میں دینی سیاسی جماعتوں کے انداز پر اصلاحی و تعمیری تنقید کرتے رہے ہیں۔ ہمارے قائدین ان جماعتوں میں موجود 'خیر' کے پہلوؤں سے انکار نہیں کرتے بلکہ سراہتے ہیں اور ان کے جو مواقف ہماری رائے میں درست نہیں ان پر برملا تنقید کرتے ہیں[1]۔ امتِ مسلمہ میں موجود ان جماعتوں میں اصحابِ خیر کی بھی ایک کثیر تعداد ہے جو اپنے جماعتی منہج و موقف سے ہٹ کر خالص دینی منہج و موقف رکھتے ہیں۔ اسی طرح کی ایک دینی جماعت میں ایک منفرد شخصیت سیّد منور حسن صاحب تھے اور دیگر جماعتوں میں جہادی مواقف رکھنے والوں میں مولانا سمیع الحق صاحب تھے اور مفتی کفایت اللہ صاحب ہیں، نحسبهم كذلك والله حسيبهم! (معین الدین شامی)

[1] جیسا کہ ہمارے امیر فضیلۃ الشیخ ایمن الظواہری (حفظہ اللہ ونصرہ) نے اپنے ہدایت نامے 'توجيهات عامة للعمل الجهادي' میں فرمایا ہے کہ 'دینی تنظیموں اور جماعتوں کے خیر کے پہلوؤں کو سراہا جائے اور خطا کے پہلوؤں پر توجہ دلائی جائے؛ اعلانیہ خطا پر اعلانیہ اور خفیہ خطا پر خفیہ انداز سے'۔

کتنی صدیوں تک برِّصغیر میں مسلمانوں کے مرکزِ قیادت رہنے والے شہر 'دہلی' میں پیدا ہونے والے جنابِ سیّد منور حسن، برِّصغیر میں اسلام کے داخلے کے مقام باب الاسلام کراچی میں وفات پا گئے۔ منور صاحب کی زندگی جوانی سے پیری اور پھر انتقال تک ٹھیٹھ دینی مواقف کا گلدستہ رہی ہے۔ آپ نے حق کو جانا، اس کو قبول کیا اور پھر اس کو بآنگِ دہل بیان کیا۔ آپ کا فہمِ دین اور اظہارِ دین کا طریقہ معذرت خواہانہ نہ تھا اور آپ اپنے دینی و جہادی نظریات کا اظہار کرتے ہوئے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کرتے تھے۔ دین سے آپ کی والہانہ محبت اور ایثار ہی کا نتیجہ تھا کہ بغیر رنگ و نسل، طبقہ و قومیت اور کسی مسلک و جماعت کی تفریق کے، تمام اہلِ دین میں آپ عزت و احترام اور محبت و قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے۔ زیرِ نظر مضمون دراصل منور صاحب کی زندگی کے دینی و جہادی مواقف پر مبنی ایک البم ہے اور اس البم میں تصویریں بنا کسی ترتیب کے رکھی ہوئی ہیں۔

☆☆☆☆☆

اسلام آباد کے پنج ستارہ میریٹ ہوٹل میں امیر المومنین ملا اختر محمد منصور شہید رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کے بعد امیر المومنین کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے ایک اجتماع جاری تھا۔ مرحوم مولانا سمیع الحق صاحب سٹیج پر موجود تھے اور آپ تقریر کر رہے تھے کہ ایسے میں کمرۂ ہال میں منور صاحب داخل ہوئے۔

مولانا سمیع الحق صاحب نے تقریر روک دی اور تمام حاضرینِ مجلس سے کہا:

> ''ایک بلند قدر، صاحبِ ایمان و غیرت شخصیت ...... سیّد منور حسن صاحب......ابھی ابھی کمرۂ ہال میں داخل ہوئے ہیں۔ میں تمام حاضرینِ مجلس سے کہتا ہوں کہ وہ احتراماً کھڑے ہو کر ادب سے ان محترم شخصیت کا استقبال کریں!''

اور سمیع الحق صاحب کے یہ کہتے ہی تمام حاضرینِ مجلس عقیدت و محبت سے کھڑے ہو گئے۔

☆☆☆☆☆

منور صاحب ابتدائے جوانی میں بائیں بازو کی کمیونسٹ طلبہ تنظیم 'نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن (این ایس ایف)' میں شامل ہوئے اور اس کی قیادت کے لیول تک کم سنی ہی میں پہنچے۔ آپ کے نظریات اشتراکی انقلابی نوعیت کے تھے اور آپ ایک سیکولر اشتراکی کی طرح جس پیغام سے متاثر تھے اسی کا پرچار کرتے۔

اسی زمانے میں آپ کو دین کی دعوت ملی اور دعوتِ دین کو سمجھتے ہی آپ نے اس دعوت کو قبول کرنے میں تامل کا مظاہرہ نہ کیا۔ اشتراکی الحادی نظریات کو چھوڑ کر فی اللہ زندگی گزارنے کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دینا آپ کی زندگی کا پہلا انقلابی قدم تھا۔ آپ کا دین بیزار حلیہ رخصت ہوا، داڑھی سے چہرہ سج گیا اور نفاذِ شریعت و اقامتِ دینُ اللہ آپ کا غم بھی ٹھہرا اور خوشی بھی۔

☆☆☆☆☆

شیخ احسن عزیز شہید رحمۃ اللہ علیہ کی زیرِ ادارت، 'عالمی تحریکِ جہاد کا ترجمان' مجلّہ حطین کا پہلا شمارہ شائع ہوتا ہے تو سیّد منور حسن صاحب کی طرف سے 'ادارہ حطین' کے برقی پتے پر ایک ای میل موصول ہوتی ہے۔ اس ای میل میں منور صاحب اس مجلّے کے اجرا پر مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ موقفِ جہاد کی تائید و حمایت کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اگلے شمارے کا انتظار رہے گا۔

☆☆☆☆☆

سنہ ۲۰۱۲ء میں شیخ احسن عزیز شہید ہوئے۔ شیخ احسن عزیز رحمۃ اللہ علیہ ہی کی سعی سے اردو زبان میں ترجمہ ہونے والی مجددِ جہاد شیخ عبد اللہ عزام شہیدؒ کی تالیفات ہم تک پہنچی تھیں۔ پھر شیخ احسن عزیز سے ہمیں اس کے علاوہ بھی جہادی تعلق و دینی نسبت تھی۔ اب جب کہ شیخ

پاکستانی قبائلی علاقے خیبر ایجنسی میں مقیم تھے اور یہیں امریکی ایما پر پاکستان فضائیہ کے جیٹ طیاروں نے شیخ کے گھر کو آخری روزے کے دن، عین افطاری کے وقت نشانہ بنایا اور شیخ اپنی اہلیہ سمیت مظلومانہ شہید کیے گئے تو اس زمانے میں راقم نے ارضِ جہاد سے اپنے بعض جاننے والوں کو تاثرات پر مبنی ایک خط لکھا۔

اس خط کے ایک مخاطب منور صاحب بھی تھے۔ قاصد خط لے کر منور صاحب کے پاس گیا۔ منور صاحب نے ایک نظر خط دیکھا اور قاصد سے کہا کہ:

''آپ یہ خط میرے پاس چھوڑ جایئے، اہم چیزیں میں عموماً رات کو سونے سے قبل پڑھا کرتا ہوں اور یہ خط (جہادی نسبت کے سبب) بہت اہم ہے۔''

بعداً منور صاحب ہمیں یاد کرتے رہتے اور اپنی دعاؤں سے نوازتے رہتے اور اس بات کا اظہار اکثر کرتے کہ ہمارا اور جس راستے پر نوجوان (راقم) چل رہا اس کا ایک ہی مقصد ہے اور ہم ایک ہی منزل کے راہی ہیں!

☆☆☆☆☆

القاعدہ سے وابستہ ہمارے ایک مجاہد ساتھی نے مختلف دینی جماعتوں کے قائدین سے کوئی ڈیڑھ عشرہ قبل ملاقاتیں کیں۔ انہی ملاقاتوں میں ایک راشد نسیم صاحب سے بھی ہوئی۔ راشد صاحب کے سامنے منہجِ جہاد اور اپنا دعوتی جدوجہد کا موقف پیش کیا گیا۔ بات جمہوریت کی ہوئی تو راشد نسیم صاحب کہنے لگے:

''آپ منور صاحب سے ملیے، وہ بھی جمہوریت کے خلاف ہیں۔''

جمہوریت ایک دجل و فریب پر مبنی نظام ہے اور 'اسلامی جمہوریت' نامی شے اصلاً تو موجود ہی نہیں اور اگر ہے بھی تو اسی دجل و فریب کا ایک شاخسانہ ہے۔ بالفرض اگر کوئی مخلص شخص 'اسلامی جمہوریت' نامی چڑیا کا قائل ہو تو وہ تب تک ہی قائل رہ سکتا ہے جب تک خود اس جمہوریت میں اتر نہ جائے۔ منور صاحب بھی ایسی ہی شخصیت تھے۔

منور صاحب جب اپنی جماعت کے امیر بنے تو آپ نے انتخابات میں حصہ نہ لیا اور آپ نے اپنی امارت کے زمانے میں دعوت و تربیت کی طرف توجہ بڑھا دی۔ اپنی جماعت کے اندر ذمہ داریوں پر ایسے افراد کو لائے جن پر سیاسی کے جائے دینی و دعوتی رنگ غالب تھا۔

آپ نے ملک گیر 'گو امریکہ گو' تحریک چلائی اور امریکی سربراہی میں 'وار آن ٹیرر' سے نکلنے کا مطالبہ زور و شور سے جاری رکھا۔

☆☆☆☆☆

۲۰۱۳ء میں جب مصر میں 'اخوان المسلمون' کی حکومت کا دھڑن تختہ کیا گیا اور محمد مرسی کو اٹھا کر جیل میں ڈال دیا گیا تو ایک عوامی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے منور صاحب نے کہا:

''مصر میں فوجی بغاوت و غلبے اور محمد مرسی کا تختہ الٹنے نے ثابت کر دیا کہ 'ایمن الظواہری' کا راستہ درست ہے اور جمہوریت سے غلبۂ اسلام ممکن نہیں!''

☆☆☆☆☆

پشاور میں منور صاحب ہی کی امارت کے زمانے میں ان کی جماعت کے کارکن پر حملہ ہوا۔ منور صاحب اس کے بعد ایک پریس کانفرنس میں تشریف فرما تھے اور صحافیوں کے سوالات کا جواب دے رہے تھے۔ صحافی اس کارروائی کا ملبہ مجاہدین کو دہشت گرد کہتے ہوئے ان پر ڈال رہے تھے۔ منور صاحب نے کہا کہ

''میں کسی دہشت گرد کو نہیں جانتا..... اس طرح کے حملوں کی ذمہ داری حکومت اور نظام پر عائد ہوتی ہے!''

اس حملے کے فوراً بعد مجاہدین کے اس وقت کے ایک قائد جناب اعظم طارق محسود نے میران شاہ سے منور صاحب کو فون کیا اور اس فون کرنے کے دوران ہمارے بھی ایک ساتھی ان کے ہمراہ تھے۔ اعظم طارق صاحب نے فون پر شہید ہونے والے حضرات کی تعزیت کی اور اپنا جہادی موقف و وضاحت پیش کرنا چاہی کہ ہم مجاہدین ایسی کارروائیوں میں شریک نہیں ہوتے۔ اعظم طارق محسود صاحب ابھی گفتگو کر ہی رہے تھے کہ منور صاحب نے ٹوکتے ہوئے کہا:

''آپ بے فکر رہیے، ہماری منزل ایک ہے اور ہم آپس میں غلط فہمیاں پیدا نہیں ہونے دیں گے!''

اسی طرح ایک صحافی نے ایک انٹرویو کے دوران ایک جہادی کمانڈر کی ویڈیو چلائی اور کوشش کی کہ منور صاحب جہاد مخالف کوئی تبصرہ کریں۔ اس پر منور صاحب نے سختی سے کہا کہ آپ جو کرنا چاہتے ہیں اور جو جواب آپ چاہتے ہیں وہ آپ کو نہیں ملے گا۔

منور صاحب کو اللہ نے خطابت کی بیش بہا دولت سے نوازا تھا اور اسی کے ساتھ آپ کی ایک بڑی خوبی 'جدید' طرز کے، شتر بے مہار میڈیا کو ہینڈل کرنا بھی تھی۔

☆☆☆☆☆

منور صاحب جہاد و مجاہدین کے زبردست حامی رہے۔ آپ نے جہادِ کشمیر کے لیے بھی ہمیشہ آواز اٹھائی، جہادِ فلسطین کے لیے بھی اور امارتِ اسلامیہ افغانستان کے مجاہدینِ طالبان کی تائید میں آپ اکثر رطب اللسان رہتے اور کہتے کہ 'میں افغانستان کے طالبان کا حامی ہوں!'۔

☆☆☆☆☆

جب منور صاحب اپنی جماعت کے امیر بنے تو آئی ایس آئی کے کچھ لوگ آپ سے ملنے کے لیے آئے اور آپ سے کہا کہ اگر آپ جہاد کرنا چاہتے ہیں اور جہاد کی حمایت کرتے ہیں تو 'کشمیر کا میدان' حاضر ہے، آپ آگے بڑھیں۔

منور صاحب نے یہ بات سن کر آئی ایس آئی کی ماتحتی میں جہاد سے کھلا انکار کر دیا اور اس قسم کے لوگوں کو آئندہ اپنے قریب نہ پھٹکنے دیا۔

☆☆☆☆☆

القاعدہ برِّصغیر کے نائب امیر، شہید عالمِ ربّانی استاد احمد فاروق نے پاکستان کی تمام دینی جماعتوں کے قائدین اور علمائے کرام کے نام خطوط کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا جس میں نفاذِ شریعت کی محنت، جہاد کی طرف دعوت اور اپنے منہجِ جہاد کا بیان تھا۔ انہی خطوط میں ایک خط منور صاحب کو بھی لکھا گیا۔

منور صاحب کو خط ملنے کے بعد، منور صاحب کے بیانات، انٹرویوز، ٹاک شوز اور تقریروں میں وضاحت سے خط میں موجود تمام مندرجات ظاہر ہوئے۔

☆☆☆☆☆

سنہ ۲۰۱۳ء میں الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا اور حتیٰ کہ سوشل میڈیا پر بھی منور صاحب کے ایک بیان پر بحث چل پڑی جب آپ نے پاکستان میں جہاد کے ایک قائد کے ڈرون حملے میں نشانہ بننے کے بعد مذکورہ قائد کو 'شہید' کہا۔

بحث چھڑ گئی کہ امریکہ کی فرنٹ لائن اتحادی فوج تو ان شہید ہونے والے قائد اور جہادِ پاکستان میں حصہ لینے والے مجاہدین کے خلاف ہے اور جنگ لڑ رہی ہے۔ پھر کیسے پاکستانی فوج کا مقابل شہید ہو سکتا ہے؟ اور اگر پاکستانی فوج کا مقابل شہید ہے تو اس جنگ میں مارے جانے والے پاکستانی فوجی کیا ہیں؟ اور کیا پاکستانی فوج کے خلاف جہاد جائز ہے؟

اس پر منور صاحب نے واضح کہا:

> ''اگر امریکہ کے خلاف جہاد جائز ہے تو جو امریکہ کا ساتھ دے رہا ہو اس کے خلاف کیسے جائز نہیں ہو گا؟
>
> ورنہ تو پھر یہ ہے کہ امریکیوں کو بھی شہید کہنا چاہیے جو مرتے ہیں۔
>
> اگر پاکستان کی حکومت نے امریکہ کے ساتھ مل کر ایک مسلمانوں کی حکومت (امارتِ اسلامیہ افغانستان) کو تہس نہس کر دیا ہے اور لاکھوں لوگوں کو آگ اور خون کے دریا سے گزار دیا ہے تو علما کو اس پر فتویٰ دینا چاہیے۔
>
> میں پھر اس بات کو دہراتا ہوں کہ جو امریکہ کا ساتھ دے گا اس کے لیے بھی وہی حکم ہے جو امریکہ کے لیے حکم ہے!
>
> حکم بدل نہیں جاتا!''

اس بیان کے بعد امریکی فرنٹ لائن اتحادی فوج کا آئی ایس پی آر حرکت میں آیا اور اس نے ترغیباً بھی اور ترہیباً بھی منور صاحب کو معافی مانگنے اور اپنے بیان کو واپس لینے پر مجبور کیا، لیکن بقولِ اقبالؒ:

> ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
>
> یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق!

☆☆☆☆☆

نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ عام مشاہدہ ہے کہ جماعتوں کے اندر اہلِ حق، حق پرست اور حق گو حضرات ہوتے ہیں اور بعض منور صاحب کی طرح منصبِ امارت پر بھی فائز ہو جاتے ہیں، لیکن جماعتوں کا ایجنڈا نہیں بدلتا۔ چاہے اسلام کے خلاف 'وار آن ٹیرر' ہی کیوں نہ برپا ہو بد قسمتی سے جمہوریت میں اتری جماعتیں اور قومی ریاستوں کو تسلیم کرنے والی تنظیمیں اپنے منہج و طریق سے نہیں ہٹتیں۔

منور صاحب کے ساتھ بھی یہ ہوا۔ ان کی جماعت میں ایک مخصوص لابی نے منور صاحب کی امارت کے زمانے میں بھی آپ کی مخالفت کی اور پریس کانفرنسوں میں اپنے آپ کو بچاتے نظر آئے۔

ساتھ ہی پاکستان کا سب سے بڑا خفیہ ہاتھ (جسے مشیتِ ایزدی نے ڈھیل دے رکھی ہے) آئی ایس آئی بھی فعال ہو گیا۔ لابنگ، پارٹی بازی اور دھونس و دھاندلی سے منور صاحب کو ان کی جماعت کی امارت سے ہٹا دیا گیا۔

جاننے کو یہ بات آئی ایس آئی بھی جانتی تھی کہ محض اوپر کی سطح پر ایک شخصیت کے آنے سے پورا نظام بدل نہیں جایا کرتا۔ لیکن انہیں اور سیاسی لابی کو اس بات کا خطرہ تھا کہ ایسے مردِ حُر کے ہوتے ہوئے جماعتوں کا رخ صحیح منہج کی طرف پھرے یا نہ پھرے البتہ جماعتوں کے اندر اور جماعتوں کے باہر صحیح طریق کے راہیوں کو تقویت ضرور ملتی ہے۔ پس اسی اندیشے کے پیشِ نظر منور صاحب کو ہٹایا گیا۔

اس سب کے باوجود منور صاحب اپنے مبنی بر حق موقف و منہج پر ڈٹے رہے یہاں تک کہ آپ کا آخری وقت آ گیا۔

☆☆☆☆☆

منور صاحب نے ایک مقام پر ہجرت و جہاد کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

> ''تاریخ کے کسی کونے کھدرے کے اندر بھی ایسا انقلاب نہیں ملے گا جو محض دعوت و تبلیغ کی وجہ سے برپا ہوا ہو۔ اور اگر ایسا ہوتا تو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوتا۔ کہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد، نہ کبھی آئندہ ......اتنے بہتر انسان اس چشمِ فلک نے نہیں دیکھے، اس زمین پر نہیں اترے، جیسا کہ صحابہؓ کا گروہ تھا۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں، آپ کی سیادت میں، آپ کی فرمانروائی میں، آپ کی مجلسوں میں دعوت و تبلیغ کے حوالے سے بات ہوتی رہی۔

اگر محض دعوت و تبلیغ انقلاب برپا کرتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ انقلاب برپا ہوتا۔ لیکن وہاں بھی یہ انقلاب دعوت و تبلیغ کے بعد ہجرت و جہاد کے ابواب رقم کرنے سے پیدا ہوا ہے۔ اگر ہجرت کا باب رقم نہ ہوتا، اگر جہاد کا میدان گرم نہ ہوتا۔ اگر بدر کے میدان سے لوگ گزر کر نہ آتے۔ تو کوئی دعوت و تبلیغ سپریم اور سپیریئر (اعلیٰ) اور نظام کی حیثیت سے اور حالات کی بہتری کا رخ کرتے ہوئے لوگوں کو نظر نہ آتی۔

جس دینی کلچر سے ہمارا واسطہ ہے، اس میں جہاد کو لوگ ایک غیر قسم کی چیز سمجھتے ہیں۔ نعرے تو میں بھی اچھے لگاتا ہوں اور آپ مجھ سے بھی زیادہ اچھے لگاتے ہیں اور نعروں کی بھی ایک ضرورت ہے، نعروں کا ایک مقام ہے، ایک حیثیت ہے۔

(ضرورت ہے کہ) جہاد کو جزوِ لاینفک اپنی تبلیغ کا اور اپنی دعوت کا بنائیے۔ تمام رویوں میں اور طریقوں میں، تمام زندگی کی ترجیحات میں، اول و آخر میں، ملجا اور ماویٰ میں۔ معروف کا حوالہ ہو، منکر کا حوالہ ہو، نیکی کا حوالہ ہو، بدی کا حوالہ ہو۔ ہماری شرافت کا حوالہ ہو۔ ہماری دور بینی کا، ہماری دور اندیشی کا حوالہ ہو۔ ہماری زندگی کے تمام دائروں کے اندر جہاد کو اولیت دیجیے۔

جہاد کے حوالے سے اپنا تعارف کروائیے۔ آپ کا تعارف جہاد ہی کروا سکتا ہے!

اور جہاں جہاں یہ جذبے مدھم پڑیں گے، مندمل ہو جائیں گے، حالات کی مصلحت کا یا حکمت کا شکار ہو جائیں گے، وہاں وہاں نظری طور پر بعض چیزوں کے ہم نوا ہونے کے باوجود ہم عملی طور پر اس طرف جانے کے لیے ہم بہت کم کوشاں ہوں گے!"

☆☆☆☆☆

آج کے بڑے فتنوں میں سے ایک سیکولرازم اور ہیومن ازم کا فتنہ ہے۔ یہ سیکولرازم ایک ہی وقت میں ایک باطل نظام بھی ہے اور مجسم باطل الٰہ بھی۔ آج ساری دنیا کا فساد اسی منبع شر سے پھوٹ رہا ہے۔

منور صاحب نے اپنی زندگی کی آخری تقاریر میں سے ایک میں فرمایا کہ 'جس طرح کل ہم اشتراکیت کے فتنے کے خلاف لڑے تھے، اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ضرورت ہے کہ آج سیکولرازم کے خلاف ڈٹ جائیں'۔

اسی سیکولرازم کی ایک شکل قومی ریاستیں اور ان میں رائج جمہوری نظام ہیں۔ جب ایک فرد ان قومی ریاستوں اور جمہوری نظاموں کو تسلیم کر لیتا ہے تو نتیجہ 'قومی بیانیوں' کی صورت میں 'پیغامِ پاکستان' بن کر ظاہر ہوتا ہے۔ حالانکہ اصل پیغامِ پاکستان تو پیغامِ اسلام ہے اور وہ حمیت، غلبے اور نفاذِ شریعت و اقامتِ دین کا نام ہے جو منور صاحب جیسے لوگ بیان کرتے رہے اور لوگوں کو دِکھنے والے، حاضر و موجود خداؤں سے بے زار کرتے رہے۔

☆☆☆☆☆

منور صاحب، امتِ مسلمہ میں ایک منفرد شخصیت تھے۔ منور صاحب کے متعلق بلا مبالغہ ایک دفتر تحریر کیا جا سکتا ہے، لیکن جہاں لکھنے کا موقع ہمیں فی الحال میسر ہے تو وہاں کا تقاضا بات سمیٹنے کا ہے۔ منور صاحب کی ذاتی زندگی کے ایک زاہدانہ پہلو کا ذکر کرتے ہوئے، اس البم کی آخری تحریری تصویر نذرِ قارئین کرتا ہوں۔

اس واقعے کے راوی ابھی پچھلے ہی سال وفات پانے والے ممتاز بزرگ صحافی ادریس بختیار صاحب ہیں۔

کئی دہائیاں قبل کی بات ہے کہ منور صاحب 'اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی (IRAK)' کے ڈائریکٹر جنرل ہوا کرتے تھے اور ادریس بختیار صاحب نسبتاً کسی چھوٹی پوزیشن پر بطورِ محقق IRAK میں کام کیا کرتے تھے۔

ادریس صاحب کہتے ہیں کہ میں ایک دن تنخواہ کا واؤچر (وثیقہ یا رسید) وصول کرنے کے لیے اسلامک ریسرچ اکیڈمی کے شعبۂ مالیات کے سیکشن میں گیا۔ داخل ہوا تو دیکھتا ہوں کہ اکاؤنٹنٹ صاحب نہیں ہیں اور سب لوگوں کی تنخواہوں کے واؤچر پڑے ہیں۔ کہتے ہیں کہ میری صحافتی رگ پھڑکی اور میں نے سوچا کہ دیکھتا ہوں کہ منور حسن صاحب جو 'ڈی جی' ہیں ان کی تنخواہ کتنی ہے اور یوں میں واؤچرز کو الٹنے پلٹنے لگا۔ منور صاحب کا واؤچر ہاتھ لگا تو میں دیکھ کر حیران رہ گیا کہ منور صاحب کی تنخواہ محض ڈیڑھ سو روپے ماہوار تھی۔ جب کہ میں ان سے کہیں جونیئر تھا اور میری تنخواہ چار سو روپے تھی[1]۔

یہی زاہدانہ ادائیں تھیں کہ منور صاحب جو جدید پڑھے لکھے تھے، انگریزی جانتے ہی نہ تھے بلکہ انگریزی کے بہترین ادیب بھی تھے اور چاہتے تو دنیا ان کے قدم چومتی لیکن انہوں نے ساری زندگی کرائے کے مکانوں میں گزار دی۔ بیٹی کی شادی کی تو بیٹی کو ملے تحفے یہ کہہ کر فی اللہ وقف کروا دیے کہ ان کے ملنے کا سبب اپنی جماعت کا امیر ہونا ہے۔ منور صاحب فوت ہوئے تو کراچی میں عائشہ منزل کے قریب ایک چھوٹا سا چار مرلے کا مکان چھوڑا۔

(باقی صفحہ نمبر 74 پر)

[1] راقم کی یادداشت کے مطابق، ممکن ہے کہ کمی بیشی ہو لیکن فیصد تناسب دونوں کی تنخواہوں کا ایسا ہی تھا۔

یہ بے وقوفی آخر کب تک؟

استاد احمد فاروق شہید رحمۃ اللہ علیہ

حضرت الاستاذ نے زیرِ نظر تحریر ۲۰۱۲ء میں لکھی تھی۔ اس وقت عمران خان کو نئے چہرے کے طور پر سامنے لایا جا رہا تھا، ۲۰۱۳ء میں اس کو ہرا کر اگلی بار کی حکومت کا 'لارا لگایا گیا' تھا اور ۲۰۱۸ء میں باقاعدہ زمامِ اقتدار عمران خان کے ہاتھ میں تھمادی گئی تھی۔ حضرت الاستاذ نے تاریخ کے مطالعے اور اپنی بصیرت سے جو تجزیہ اس زیرِ نظر 'ہلکے پھلکے' انداز میں لکھی تحریر میں (آٹھ سال پہلے) پیش کیا ہے وہ صد فیصد صادق آیا ہے۔ بلکہ جو چہرے مہرے (زبیدہ جلال، فروغ نسیم، میاں محمد سومرو، رزاق داؤد سے لے کر فواد چودھری اور چودھری برادران...... فہرست سوڈیڑھ سو ناموں سے تجاوز کر سکتی ہے) آج سے آٹھ برس پہلے عمران خان کے ساتھ جمع نہیں ہوئے تھے وہ بھی آج کابینہ میں 'جلوہ افروز' ہیں۔ ہم نے بھی فیصلہ شاید کر لیا ہے اور پکی ٹھانی ہے کہ 'بین الاقوامی بے وقوفی ایوارڈ' اپنے نام کروا کر ہی دم لیں گے ؟!(ادارہ)

آج فیصلہ کر کے ہی اٹھتے ہیں......

یہ بے وقوفی آخر کب تک؟

ہم نے خون دیا، ملک لیا...... اس لیے کہ یہاں اسلام آئے گا، یہاں ہندو، فرنگی اور ان کے وفاداروں کی غلامی سے آزادی میسر آئے گی...... مگر پاکستان بنتے ساتھ ہی پاکستان بننے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اور انگریز کی سب سے معتمد و وفادار یونینسٹ پارٹی کے تقریباً تمام ہی اہم مُہرے مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے یہی غدار وڈیرے، جاگیر دار، سرمایہ کار اور ریٹائرڈ فوجی جرنیل ملک کے اہم مناصب پر فائز ہو گئے...... اور اپنا لہو دے کر ملک لینے والے سادہ لوح عوام بے وقوف بن گئے!

پھر جب مسلم لیگ اقتدار سے باہر ہوئی تو یہی غدارِ ملت، مفاد پرست طبقہ مسلم لیگ کی جگہ لینے والی جماعت "ری پبلکن پارٹی" میں شامل ہو گیا اور مسلم لیگ کو برا بھلا کہنے لگا...... عوام بھی ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر ان کے پیچھے چل پڑے...... اور ایک بار پھر بے وقوف بن گئے!

پھر جب ایوب خان نے کنونشن مسلم لیگ بنائی تو ان چڑھتے سورج کے پجاریوں نے پھر سے پینترا بدلا اور کل تک ایوب کے شدید ترین مخالف کہلانے والے سیاست دان بھی ایوب کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے...... اور عوام بے چارے ایوب کو نجات دہندہ سمجھ کر فاطمہ جناح کے مقابل ایوب کو کامیاب کروا گئے (لیکن در حقیقت اسی غدار طبقے کو فتح دلا گئے)...... اور یوں ایک بار پھر بے وقوف بن گئے!

پھر بھٹو نے "روٹی، کپڑا، مکان" کا نعرہ لگا کر عوام کو اس حکمران طبقے کے خلاف اکٹھا کیا...... لیکن عوام یہ بھول گئے کہ بھٹو تو خود اسی "وڈیرہ کلاس" سے تعلق رکھتا تھا جس سے نجات عوام کا مطمح نظر تھی...... اور اس کی پارٹی میں بھی کنونشن مسلم لیگ سے نکلے ہوئے وہ سارے غدار اپنی جگہیں پکی کر چکے تھے جن کا احتساب کرنے بھٹو نکلا تھا...... لیکن یہ سیدھے سادے عوام بھٹو کی جذباتی تقریروں اور پر کشش نعروں کے پیچھے چھپا اصل منظر نامہ بھلا بیٹھے اور ایک بار پھر اسی حریص مفاد پرست ٹولے کو اپنے ووٹوں سے مسندِ اقتدار پر بٹھا کر...... بے وقوف بن بیٹھے!

پھر ایک فوجی جرنیل نے حکومت سنبھالی اور ریفرنڈم کے بعد اپنی مجلس شوریٰ تشکیل دی تو اس "شوریٰ" میں بھی یہی سب پٹے ہوئے مہرے پھر سے مجتمع نظر آئے۔ پھر جونیجو حکومت ہو، یا نواز شریف و بے نظیر کے ادوار، پرویز مشرف کا آمرانہ دور ہو یا پی پی کا حال ہی میں اختتام پذیر ہونے والا "جمہوری" دور...... ہر بار ایوانوں میں آپ کو ایک سے چہرے، ایک ہی خاندان، ایک ہی نام، ایک ہی طبقے کے لوگ نظر آئیں گے۔

یہ پاکستانی سیاست کے وہ چمکتے ستارے ہیں جن کا نہ کوئی اصول ہے نہ ہی نظریہ، نہ کوئی مستقل وفاداری ہے نہ کسی عہد کی پاسداری...... انہیں بس اپنے اقتدار سے غرض ہے، اپنے مفادات کے تحفظ کی فکر! یہی گیلانی، قریشی، قصوری، لغاری، مزاری، بخاری، چٹھے، چودھری، ٹوانے، دولتانے اور کھر ہر دور میں نمایاں مناصب پر فائز ہوتے ہیں۔ پھر جب کبھی انہیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ اب اس ملک کے سادہ لوح عوام حالات سے تنگ آ چکے ہیں اور تبدیلی کے خواہاں ہیں...... تو یہ فوج، بیوروکریسی اور عدلیہ کے ساتھ مل کر، کچھ نئی شرائط طے کر کے، کچھ لو کچھ دو کی بنیاد پر باہم مفاہمت کر کے ایک نیا ڈرامہ رچاتے ہیں، ایک "کنٹرولڈ انقلاب" لاتے ہیں، کچھ چہرے و نعرے بدلتے ہیں اور عوام بے چارے ایک نئے سراب کے پیچھے دوڑ پڑتے ہیں...... اور جب چند سال دوڑنے اور ہانپنے کے بعد ذرا سنبھل کر دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ وہ بے چارے ایک بار پھر بے وقوف بن گئے ہیں!

آج ایک بار پھر ایک نیا سٹیج سجایا جا رہا ہے، لیکن حقیقت میں یہ وہی پرانا سٹیج ہے...... ایک نیا چہرہ سامنے لایا جا رہا ہے، لیکن غور سے دیکھیں تو اس کے ارد گرد مکروہ ہنسی چہرے پر سجائے، وہی قابلِ نفرت پرانے چہرے اکٹھے ہو رہے ہیں...... بات تبدیلی کی ہو رہی ہے، مگر تبدیلی وہی پرانی والی، جس میں یہ بدبخت حکمران طبقہ پھر ایوانِ اقتدار میں پہنچ جائے اور عوام ایک بار پھر......

آخر یہ بے وقوفی کب تک؟؟؟ اب کی بار بھی بے وقوف بن گئے تو تاریخ تو ہمیں "سدا کے بے وقوف" کہے گی ہی، مگر ہماری آئندہ نسلیں ہمیں "گھناؤنے مجرم" کے طور پر یاد کریں گی!

فن اور فن کار

محمد سعید حسن

ایک فن کار کا فن یہ ہوتا ہے کہ وہ ناممکن کو ممکن کر دکھائے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآنِ مجید میں ایک مثال سے ممکن اور ناممکن کو سمجھایا ہے۔ کس کے حق میں جنت کو حاصل کرنا ممکن ہے اور کس کے حق میں ناممکن! جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا ان کا جنت میں جانا اتنا ہی ممکن ہے جتنا کہ ایک سوئی کے ناکے سے اونٹ کا گزر جانا:

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ○ (سورۃ الاعراف:۴۰)

"یقین جانو، جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ہے اور ان کے مقابلے میں سرکشی کی ہے ان کے لیے آسمان کے دروازے ہرگز نہ کھولے جائیں گے۔ ان کا جنت میں جانا اتنا ہی ناممکن ہے جتنا سوئی کے ناکے سے اونٹ کا گزرنا۔ مجرموں کو ہمارے ہاں ایسا ہی بدلہ ملا کرتا ہے۔"

جہاں تک جنت دوزخ کا معاملہ ہے، وہاں تو کسی فن کار کی فن کاری نہیں چل سکتی، البتہ اس دنیا میں موجود فن کار اس فن میں اپنی مہارت کے جوہر دکھاتے ہیں۔ ہزاروں آیتوں اور لاکھوں حدیثوں کے بیچوں بیچ پڑی سیاق وسباق سے کٹی آیت اور کسی آدھی پونی حدیث کے رخنے میں سے پورے کا پورا لشکر، ٹینکوں، توپوں، بحری بیڑوں اور طیّاروں سمیت بحفاظت گزار لاتے ہیں اور سوئی کے ناکے جتنا رخنہ جوں کا توں رہتا ہے۔ یہ فن کار بکتر شکن مواد کے بنے اس رخنے کو نیٹو اور امریکہ کی فوجوں، این جی اوز کے چیف ایگزیکٹوز کے بوئنگ طیاروں، بلیک واٹر اور ڈین کارپوریشن کے کارندوں اور اسلام کے نام پر غیر اسلامی دستور کو گزارنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ موٹی موٹی توندوں والے مشیر، ساٹھ ساٹھ سود خوروں کی کابینہ اور صدرِ مملکت کی لیموزین اور ایوانِ صدر کی عمارت بھی اس رخنے میں سے گزر جاتی ہے۔ آخر کو کافروں کو مرعوب کرنے کے لیے حضرتِ معاویہؓ نے بھی تو اچھے کپڑے پہنے تھے، کیا ہوا کہ ایک لیموزین ایٹمی ملک کے صدر کے پاس بھی ہو!

یہ رخنہ اگر آپ کو نظر نہ آئے تو پریشان مت ہو جایئے گا۔ اسے دیکھنے کے لیے خوردبینی نظر درکار ہے اور پھر یہ تو اہلِ فن کی شے ہے۔ اس فن کی باریکیوں سے ناواقف لوگوں کو یہ کہاں نظر آنے والا ہے!! پھر اس میں سے لشکر چھوڑ، آپ ایک اونٹ کا بچہ ہی نکال لیں تو بڑی بات ہو گی۔ آپ تو اتنے تنگ نظر ہیں کہ چیونٹی بھی بمشکل ہی اس سوئی کے ناکے سے گزار پائیں گے! لہٰذا اعتراض مردود ہے۔ یہ مردود عربی والا ہے جس کا مطلب ہوتا ہے رد کیا ہوا۔ ویسے ذائقہ بدلنے کے لیے اردو والا بھی لے سکتے ہیں۔

ایسے رخنے جابجا ان دیدہ وروں کو نظر آجاتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے جس سرزمین سے غیر مسلموں کو نکال دینے کا حکم دیا تھا آج وہاں ہزاروں امریکی براجمان ہیں۔ افغانستان اور عراق میں ایسے کئی فن کار تکیے لگائے بیٹھے ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ سارے کے سارے حملہ آور دراصل مستأمن اور معاہد ہیں۔ اگر آپ کی سمجھ سے یہ دو لفظ بالاتر ہوں تو انہیں سیکھنے کے لیے کسی ذہنی مشقت کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کا سادہ زبان میں مطلب یہ ہے کہ ان فوجیوں کو انگلی بھی نہیں چبھونی چاہیے۔ اگر ان کے منہ سے اوئی بھی نکل گئی تو روزِ حشر اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا اور اگر مسئلہ قتل وَ تل تک پہنچ گیا تو برخوردار جہنم کا ٹکٹ پکا سمجھو! اگر یہ تیل ویل چوری کر لیں، تمہاری بہو بیٹیوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر لیں، بگرام اور ابوغریب کے جیل بنا لیں تو ان سے نبٹنا "امیر المومنین" کا کام ہے، جنھوں نے انہیں امان دے رکھی ہے، تمہارا نہیں۔ اگر کسی وجہ سے تمہاری درخواستیں سنی نہیں جا رہیں تو سمجھ جاؤ کہ رموزِ مملکت نوشیرواں داند! تمہارے جیسے کٹیا کے رہائشی کیا جانیں کہ ڈپلومیسی کیا ہوتی ہے!! رہی تمہاری بیٹی کی عصمت، تو اتنا چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ سنا نہیں تم نے کہ کسی نے کربلا کے بعد خانوادۂ حسینؓ میں سے کسی کا زیور اتروا لیا اور پھر خود ہی سینہ پیٹنے لگا۔ انہوں نے کہا کہ تم تو شیعانِ علی میں سے تھے تم نے یہ جفا کیوں کی اور جفا بھی کی اور اب ماتم بھی کرتے ہو؟ اس نے ماتم کرتے ہوئے جواب دیا کہ آپ نے درست کہا لیکن اگر میں نہ اتارتا تو کوئی اور اتار لے جاتا۔ پس اے جذباتی نوجوان اگر یہ تیل چوری نہ کرتے، تمہاری زمینوں پر قبضہ نہ کرتے، تمہاری بہو بیٹیوں کی عصمت تار تار نہ کرتے، تمہارے خون سے ہاتھ نہ رنگتے تو کوئی اور ضرور ہی ایسا کر جاتا۔ اس میں اتنا غم نہ کرو بلکہ ان کی "مجبوری" سمجھنے کی کوشش کرو! اب بھی اگر تمہیں یہ سمجھ نہیں آتا تو خبردار جو تم نے کسی "مُعاہد" پر ہاتھ اٹھایا! اس حربی کافر کو سو مشکلوں سے، کھینچ تان کر ہم نے سوئی کے اس ناکے سے گزارا ہے اور تم ہو کہ اسے پھر سے دھکیلنے چلے ہو!

یہ تو تھا ان دو الفاظ کا مطلب۔ رہی ان فن کاروں کی وقعت تو وہ بھی آپ سے آپ واضح ہے۔ یہ وہ فن کار ہیں جن کی سوئی کے ناکوں سے استعمار کے لاؤ لشکر، توپ و تفنگ اور لمبے چوڑے ایجنڈے تو بآسانی پار ہو جاتے ہیں، نہیں پار ہوتا تو وہ قانونِ شریعت، امّت کے زخموں کا مرہم اور اس امّت کا کھویا وقار ہے۔

اے افواجِ پاکستان......تم بھی مجاہد بن جاؤ!

عامر سلیم خان (سابقہ آفیسر پاکستان آرمڈ فورسز)

میں ایک طرف مجاہدین کو دیکھتا ہوں کہ جب کشمیر میں ہمارے کسی مسلمان بھائی پر ظلم ہوتا ہے تو وہ کیسے تڑپتے ہیں، مجاہدین کیسے بے تاب ہو جاتے ہیں اپنی مظلوم بہنوں کا انتقام لینے کے لیے، جب بھی کسی بہن کے دوپٹے پر سنگینوں کا وار ہوتا ہے، جب بھی یہ مجاہدین ہندو مشرکوں کے کیے کسی مسلمان پر ظلم کا سنتے ہیں تو یہ بے چین ہو جاتے ہیں کہ کب ہم اپنے مظلومین کشمیر کی ہر ہر آہ کا حساب اس مکّار و بزدل ہندو فوج سے لیں گے جس میں مجاہدین کی چند ضربیں بھی برداشت کرنے کی ہمت نہیں ہے۔

اب اگر کوئی پوچھے کہ کس نے مجاہدین کو روکا ہے ان مظلوموں کا انتقام لینے سے؟ تو یہاں آکر دل سے آہ و بکا بلند ہونے لگتی ہے۔ انہوں نے مجاہدین کو روک رکھا ہے جنہیں سب سے زیادہ بے تاب ہونا چاہیے تھا اپنے کشمیری بھائیوں کی مدد کرنے کے لیے۔

ہمارے ملک میں سب سے زیادہ وسائل کن کے پاس ہیں؟ اسلحہ کن کے پاس ہے؟ ٹینک، میزائل، آرٹلری، ریڈارز، جیٹ، سرویلنس ایئر کرافٹس، ڈرونز، گن شپ ہیلی کاپٹرز، آبدوزیں، جنگی بحری جہاز، فوجی افرادی قوت وغیرہ وغیرہ کن کے پاس ہیں؟ کون ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ کا نعرہ اس ملک میں سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر لگاتے ہیں؟ کون اس ملک کے دفاع کے، اس کی حفاظت کے دعوے دار ہیں؟ کیا پاک فوج یہ دعویٰ نہیں کرتی کہ ہم دنیا کی بہترین افواج میں سے ہیں؟ تو پھر اس کشمیر میں، جس کو پاکستان میں ہر جگہ خصوصاً فوجی یونٹوں میں، فوجی بیرکوں میں موجود نقشہ جات میں پاکستان کا حصہ دکھایا جاتا ہے، اس کشمیر میں رواں تاریخ کے اس بدترین ظلم، بے انتہا تشدد پر کیوں خاموشی ہے؟ کیوں کشمیری بہن پر ہونے والے ظلم پر، اسلام کے نام پر بننے والے پاکستان میں، کشمیر بنے گا پاکستان کا نعرہ لگانے والا سپاہی خاموش ہے؟ کیوں وہ فوج جو بھارت کی کوئی بھی جارحیت اپنی سرزمین پر برداشت نہ کرنے کا دعویٰ کرتی ہے کشمیر میں مسلمان بھائیوں، مسلمان بہنوں، ماؤں، بچوں اور بوڑھوں پر ہندو مشرکوں کے اس مستقل ظلم کو برداشت کر رہی ہے؟ کیا اسلام کی نسبت سے کشمیر پاکستان کا حصہ نہیں ہے؟ کیا کشمیری آپ کے ایمانی بھائی نہیں ہیں؟ وہ ایمان جس کا آپ دعویٰ کرتے ہیں!

افواجِ پاکستان میں موجود مجاہدو!

اس بات پر ہم کیا بحث کریں گے کہ ہماری فوج کے غدار جرنیلوں کی ہندو نواز پالیسی ہی کی وجہ سے ہندو اتنے جری ہو گئے ہیں کہ وہ بدترین مظالم کر سکیں۔ سب کو پتا ہے کہ صرف ان جرنیلوں ہی کی وجہ سے مجاہدین اپنے کشمیری بھائیوں کی مدد کو نہیں پہنچ پا رہے۔ یہ جرنیل نظریۂ پاکستان کے غدار ہیں اور اس بات کا اندازہ ان کے کشمیر کے ساتھ رویے سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔

اب اگر کشمیر ہمارا ہے کا دعویٰ بھی ہو، ایمان کا دعویٰ بھی ہو، مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی ہو، محبِ دین و وطن سپاہی ہونے کا دعویٰ بھی ہو اور پھر کشمیر میں جاری ظلم پر خاموشی بھی تو کیا یہ کھلا تضاد نہیں؟ سچ یہ ہے کہ اگر تھوڑا سا بھی ایمان ہو تو یہ بات یقینی ہے کہ اپنے کشمیری مظلوم مسلمان بہن بھائیوں کا غم آپ کو ضرور عمل کرنے پر مجبور کرے گا۔ کشمیر، کشمیری مسلمان ہم سب کو اس حسّاس وقت میں پکار رہے ہیں جب ان پر ظلم کی انتہا اس لیے کی جا رہی ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے ہندوؤں کی غلامی قبول کر لیں۔ لیکن الحمدللہ کشمیر کی مسلمان عوام نے بھی ہر قسم کی قربانی سے دریغ نہ کرتے ہوئے ہندو بنیے کو تاریخی سبق سکھلانے کا فیصلہ کر رکھا ہے۔ خصوصاً نوجوان نسل قربانی کی عظیم داستان رقم کر رہی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے افواجِ پاکستان میں موجود سچے مجاہد بھی اپنے ایمانی فرض کی طرف متوجہ ہوں اور اپنے کشمیری مظلوم بہن بھائیوں کی مدد کو نکلیں۔ ہر سینئر سے بڑے اور ہر کمانڈر سے بڑے، اللہ کا فرمان ہے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا (سورۃ النساء:۷۵)

”تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ اے اللہ! ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے؟“

اپنے کشمیری بھائیوں کی مدد کرنا ہم پر فرض ہے۔ یہ فرض عام مسلمانوں سے زیادہ ان فوجیوں کو مخاطب کرتا ہے جو اپنے آپ کو اسلام کا سپاہی کہتے ہیں اور ہندوؤں سے ازلی دشمنی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ کیا ونگ کمانڈر نعمان علی خان صرف اس دن انڈیا کا مِگ اکّیس طیارہ گرائے گا جب انڈیا کے جہاز اس طرف کی پاکستانی حدود میں داخل ہوں گے؟ کیا کسی کشمیری بہن کی فریاد پر سکواڈرن لیڈر حسن صدیقی کا F16 سٹینڈ بائی حالت میں آئے گا؟ کیا کسی کشمیری نوجوان کی شہادت پر پاکستانی آرٹلری چلے گی؟ کیا کسی کشمیری مسلمان کی جان بچانے کے لیے intelligence based operation کیا جائے گا؟

اگر فوج بطور ادارہ اس فرض سے غافل ہے تو کیا انفرادی طور پر اسلام کا دعویٰ کرنے والے فوجی بھی اس حکم سے بری ہو جاتے ہیں کہ اس ظلم و ستم پہ خاموشی اختیار کی جائے؟

ہر گز نہیں! ہر ایک سے اس کا الگ الگ حساب لیا جائے گا۔ ہم سب نے انفرادی طور پر اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ کیسے قیامت کے دن ونگ کمانڈر نعمان علی خان یہ جواز پیش سکے گا کہ میں اکیلا کیا کرتا...... حالانکہ آپریشن سویفٹ ریسورٹ میں تو اس نے اکیلے ہی انڈین جیٹ جہاز کو مار گرایا تھا۔ کتنی دفعہ بارڈر پر عام فوجیوں کا بھی انڈین فورسز سے سامنا ہوتا ہے، کیا اس وقت آپ اپنے کشمیری بھائیوں کا انتقام نہیں لے سکتے؟ کتنی دفعہ انڈین ائیر کرافٹس پاکستانی طیاروں کی ٹارگٹ ہٹ رینج میں آتے ہیں، کیا اس وقت کشمیری بہن پر روا ظلم کا بدلہ نہیں لیا جاسکتا؟ کتنی دفعہ پاکستانی بحری جہازوں کا بحر ہند میں انڈین جہازوں کے ساتھ سامنا ہوتا ہے، کیا اس وقت آپ کشمیری مسلمانوں کے سینے اس بات سے ٹھنڈے نہیں کر سکتے کہ یہاں اپنی بندوقوں کا رخ انڈین اساسوں کی طرف موڑ کر کشمیر میں ان کے ظلم کا جواب دیں۔

بات صرف ایمان کی ہے۔ بات اسلامی بھائی چارے کی ہے۔ بات صداقت کی ہے کہ کیا آپ کشمیر سے مخلص ہیں بھی ہیں یا نہیں؟ کیا واقعی آپ کسی کشمیری شہید کو اپنا مسلمان بھائی سمجھتے ہیں یا نہیں؟ کیا آپ کو کشمیری بہن پر ہونے والا ظلم ایسا لگتا ہے کہ آپ کی اپنی بہن پر ظلم ہو رہا ہو؟

آرمی، نیوی اور ائیر فورس میں موجود سچے مجاہدو!

اگر ایمان کا دعویٰ ہے تو پھر کشمیری مظلوم بہن بھائیوں کی خاطر، اپنے ایمانی فرض کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ اللہ کے آرڈر کو سنو، اللہ کا کیا آرڈر ہے؟

اللہ کا آرڈر ہے:

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ...... لہٰذا تم اللہ کے راستے میں جنگ کرو، تم پر اپنے سوا کسی اور کی ذمہ داری نہیں ہے، البتہ اہل ایمان کو کافروں سے لڑنے کے لیے اکساؤ! (سورۃ النساء: ۸۴)

اسی رحمانی آرڈر پر لیفٹیننٹ جنرل شاہد عزیز شہید نے عمل کیا، اسی آرڈر پر میجر عادل عبد القدوس شہید، میجر ڈاکٹر مجاہد عظیم طارق شہید، میجر ڈاکٹر طارق علی شہید، لیفٹیننٹ ذیشان رفیق شہید، سب لیفٹیننٹ اویس جاکھرانی شہید، جی ڈی پائلٹ شرجیل شہید، ڈاکٹر عثمان شہید اور سپاہی نیاز علی سمیت افواجِ پاکستان میں موجود سیکڑوں سچے مجاہد فوجیوں نے عمل کیا اور اللہ کے یہاں ان کے سینے پر 'ایمان'، 'عزت'، 'افتخار'، 'بسالت' اور 'جرأت' کے تمغے سجے اور اللہ نے ان کے سروں پر 'وقار' کے تاج رکھے۔ یہ ہیں وہ مجاہد فوجی جو جب شہادت کا جام پی کر جنتوں میں چلے ہوں گے تو حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بانہوں میں لے لیا ہوگا اور انہی کی بہادری و شجاعت پر فاتح خیبر سیّدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ جھومتے ہوں گے!

پس افواجِ پاکستان میں موجود مجاہدو! اللہ کے حکم کی خاطر...... سچے مجاہد بن جاؤ کہ تم پر اپنے علاوہ کسی اور کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے!

بقیہ: شہید ذاکر موسیٰ، قافلۂ شریعت یا شہادت اور مسلمانانِ برِّ صغیر

ان کا جہاد خالصتاً اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے اور اسلام کے پھیلاؤ کے لیے ہے۔ ان کی ہمدردیاں اور وفاداریاں کسی ایک قوم یا گروہ کے لیے نہیں بلکہ امتِ مسلمہ کے لیے ہیں۔

آیئے اپنے ان بھائیوں کی مدد کے لیے آگے بڑھیے اور غزوۂ ہند کی اس مقدس جدوجہد میں اپنا حصہ ڈالیے تاکہ روزِ محشر جب اللہ کے نبی ﷺ اس امت کے سامنے آکر کھڑے ہوں تو ہم ان کو بتا سکیں کہ ہم نے ان کی امت کو تنہا نہیں چھوڑا تھا۔

ہم نہیں جانتے کہ ہم کوئی کامیابی یا فتح یابی دیکھیں گے، ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ ہم منزل تک پہنچ جائیں گے یا نہیں لیکن ہم اپنی کوشش جاری رکھیں گے تاکہ یہ مظلوم امتِ مسلمہ اپنا کھویا ہوا وقار دوبارہ حاصل کر لے۔

انہیں یہ ضد ہے کہ چمن پر مسلط رہے گی خزاں
ہمیں یہ جنوں ہے کہ بہار لا کے چھوڑیں گے

ان شاءاللہ!

بقیہ: کچھ یادیں

انہوں نے ہمیں دو تین دن روک لیا کہ ہمارے ساتھ رکیں، آپ لوگوں کی دعوت ہے۔ اب پستول خورجین میں ہی پڑی رہی اور اُس ساتھی کو بھی یاد نہیں رہا۔ خیر ہم لوگ دو تین دن گزار کے وہاں سے نکلے۔ راستہ کافی دشوار گزار تھا۔ راستے میں اونچے اونچے پہاڑ اور نالے بے شمار تھے اور ایسے راستوں میں گرنا ایک لازمی امر ہوتا ہے۔ خیر ہم گرتے پڑتے اگلی رات ایک جگہ پہ پہنچے۔ اُدھر پہنچ کے اس ساتھی کو یاد آیا کہ پستول تو اُس نے خورجین میں رکھا تھا۔ اُس نے فوراً دیکھا تو پستول نہیں تھا۔ اُس ساتھی نے مجھے بتایا کہ بھائی لگتا ہے پستول گم ہو گیا ہے۔ میں بھی پریشان ہو گیا۔ خیر میں نے مولانا کو بتایا کہ اس طرح ہوا ہے کہ شاید پستول کہیں راستے میں گر گیا ہے یا اُدھر کسی نے نکال لیا ہے، معلوم نہیں۔ وہ چھوٹا سا ساتھی بہت پریشان تھا۔ مولانا کہنے لگے خیر ہے یار انقلاب میں ایسا ہو جایا کرتا ہے۔ میں نے مولانا سے کہا: مولانا! مگر وہ تو امانت تھی؟ تو مولانا کہنے لگے یار! میں نے ویسے بھی بیچنا تھا اور ریٹ مجھے معلوم ہے، میں اپنی طرف سے پیسے بھجوا دوں گا اس ساتھی کو اور مولانا نے کچھ دن بعد اس ساتھی کو پیسے بھجوا بھی دیے جتنے اس پستول کے بنتے تھے اور اس ساتھی کے ساتھ بھی مولانا کافی عرصہ اکٹھے رہے جس سے غلطی ہوئی تھی مگر کبھی تذکرہ بھی نہیں کیا اس پستول کا۔ اب مولانا اور وہ ساتھی دونوں ہی اللہ کی جنتوں میں اکٹھے ہوں گے، ان شاءاللہ!

شہید ذاکر موسیٰ، قافلۂ شریعت یا شہادت اور مسلمانانِ برِّ صغیر

خولہ بنتِ عمران

اللہ رب العزت کی یہ سنت رہی ہے کہ جب بھی کسی قوم یا بستی میں ظلم و زیادتی، بربریت اور فرعونیت عام ہو جائے تو اس کے سدِ باب کے لیے ایک موسیٰ نازل فرما دیتا ہے۔ ایسا ہی ایک موسیٰ اللہ نے کشمیری قوم کو بھی عطا کیا، جسے جہادِ کشمیر کی تاریخ ذاکر موسیٰ کے نام سے ہمیشہ یاد رکھے گی۔

لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ کشمیر کے اس موسیٰ کو اپنی زندگی میں ہارون بہت تھوڑے ملے ہیں......ایک مرتبہ آپ کے ایک ساتھی نے آپ سے کہا ''امیر محترم! جب ہم آپ کو اس حالت میں دیکھتے ہیں کہ آپ کے ساتھ کھڑا ہونے والا کوئی نہیں ہے، حتیٰ کہ آپ کے پیارے بھی آپ کا ساتھ دینے سے انکاری ہیں تو یہ ہمیں بھی سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ ہم آپ کا راستہ اختیار کریں یا نہیں؟''۔ اس کے جواب میں امیرؒ نے کہا ''جب آپ یہ راستہ اختیار کر لیتے ہیں تو آپ کے اپنے لوگ بھی آپ کو چھوڑ دیتے ہیں...... آپ کے ساتھ کھڑا ہونے والا کوئی نہیں ہوتا، صرف دکھ اور تکلیف ہی آپ کے ساتھی ہوتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ایک ایسا وقت آتا ہے کہ جب آپ کے دل میں اللہ اپنی محبت ڈال دیتا ہے۔ تب آپ کی خوشیاں لوگوں پر منحصر نہیں رہتیں بلکہ آپ اس درد میں اللہ کو پا لیتے ہیں''۔

یہ ۲۰۱۷ء کا سال تھا جب آپ نے کچھ اختلافات کی بنیاد پر اپنی تنظیم سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اس خبر کو سنتے ہی کشمیریوں اور پاکستانیوں میں چہ مگوئیاں شروع ہو گئیں۔ کوئی کہتا ذاکر بھائی فلاں تنظیم کے ساتھ الحاق کریں گے اور کوئی اس رائے پر متفق تھا کہ آپ فلاں کے دستوں میں شامل ہو جائیں گے۔

بہر کیف، کچھ ہی دنوں میں یہ خبر آ گئی کہ آپ منہج شریعت یا شہادت کو اپنا چکے ہیں جو ایجنسیوں کی سرپرستی اور تسلط سے آزادی کا نام ہے۔ جو کشمیریت یا قومیت کا جھنڈا اٹھانے کے بجائے توحید اور شریعت محمدی ﷺ کا علم بلند کرنے کا نام ہے۔ جس کے نعروں میں کشمیر بنے گا دار الاسلام کی گونج نمایاں ہو رہی ہے۔

بعض لوگوں کو ''کشمیر بنے گا دار الاسلام'' لکھے گئے بینرز، پلے کارڈز (Placards) اور گریفیٹی (Graffiti) میں دین اسلام کی سربلندی کی بجائے غداری، تکفیریت اور پاکستان سے نفرت نظر آنے لگی۔ حالانکہ حقیقت تو یہ ہے کہ نہ موسیٰ بھائی پاکستان کے خلاف تھے اور نہ ہی منہج شریعت یا شہادت کا مطلب پاکستان دشمنی ہے۔ اس نعرے کا مطلب تو ہر طاغوت کی ماتحتی سے آزاد ہو کر اللہ کی شریعت کی غلامی اختیار کر لینا ہے۔

لیکن بغض موسیٰ میں طاغوتی ایجنسیوں نے اپنی زبانوں اور اپنے کی بورڈوں (Keyboards) کو ہر قسم کی لگام سے آزاد کر دیا تھا۔ اپنی آرام دہ کرسیوں اور پر سکون گھروں میں بیٹھے ان لوگوں کی شان میں گستاخیاں کر رہے تھے جنہوں نے تمام تر آسائشِ زندگی ترک کر کے کشمیر کے سرد اور ناہموار بیابانوں کا رخ کیا تھا۔

تاہم، ربانی معیارات دنیاوی معیارات سے بہت مختلف ہوتے ہیں۔ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید جانتا ہے۔ اس کے ہاں مقبولیت اس حقیر آدمِ خاکی کی پسند یا ناپسند پر منحصر نہیں ہوتی بلکہ خالص نیتوں کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ یقیناً امیر ذاکر موسیٰؒ بھی اللہ رب العزت کے ہاں بہت مقبول ہو گئے تھے کہ اللہ نے آپ کو ۱۷ رمضان المبارک، یومِ بدر کے دن کی پُر سعادت ساعتوں میں شہادت کے مرتبہ پر فائز کر دیا تھا۔ اللھم تقبلہ واحشرہ مع النبیین والصدقین والشھداء والصالحین، آمین!

ایک طرف تو آپ کی شہادت کی گراں خیز خبر کشمیریوں اور کشمیر کے مخلصین کے دلوں پر بجلی کی طرح گری تھی تو دوسری طرف کفار اور مشرکین کے لیے باعثِ مسرت تھی۔ وہ خوشیاں منا رہے تھے کہ آج کشمیر کی ایک اور مضبوط ڈھال ٹوٹ گئی ہے۔ ڈی جی کشمیر پولیس دلباگھ سنگھ نے تو یہ دعویٰ بھی کر لیا تھا کہ منہج شریعت یا شہادت سے وابستہ مجاہدین کا کشمیر سے مکمل طور پر خاتمہ کیا جا چکا ہے۔

لیکن وہ لوگ جو دین حق کی سرفرازی کے لیے سر پر کفن باندھے نکلے تھے، جو امت کی بیٹیوں کی حفاظت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے، جو نحیف اور کمزور مسلمانوں کی امید بن کر ابھرے تھے ان کا نام کیسے مٹایا جا سکتا تھا! آج ہم دیکھتے ہیں کہ نہایت کم اور محدود وسائل کے باوجود بہادروں کا یہ ٹولہ دشمن کی نیندیں حرام کر رہا ہے۔ جن شیروں کا وجود اہلِ کفر اور طواغیتِ زمانہ کا چین برباد کر رہا ہو، جب وہ شیر ہوشیار ہو کر وار کرے گا تو سوچیے کیا عالَم ہو گا اور کفر اور کفر کے فرنٹ لائن اتحادیوں کی کیا حالت ہو گی؟

عالمی جہاد کی یہ نئی کونپل اپنے اوائل مراحل میں ہونے کے باوجود کفار کے دلوں پر ایسا خوف طاری کر رہی ہے کہ وہ جہاں کہیں شریعت یا شہادت کا نعرہ سنتے ہیں وہیں ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سوشل میڈیا سے لے کر جہاد کے عملی میدانوں تک کافروں کے لیے یہ صداردِ سر بنی ہوئی ہے۔ اور وہ اس کو ختم کرنے کے لیے طرح طرح کے منصوبے بنا رہے ہیں۔

اس مشکل وقت میں جب ہندو بنیے کشمیر و ہندوستان میں ہمارے بھائیوں پر ظلم ڈھا رہے ہیں، ہم مسلمانانِ برصغیر پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم اپنی تمام تر کوششیں اور محنتیں اس منہج کی حفاظت کی خاطر لگا دیں۔ اپنی جانیں، مال اور صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ہم اس کو تقویت بخشیں کیونکہ یہ وہ منہج ہے جس کے اپنانے والے جہاد کرنے کے لیے اللہ کے سوا کسی اور کے اشارے یا حکم کے منتظر نہیں ہیں بلکہ...... (باقی صفحہ نمبر 82 پر)

آخر یہ ذلت کا دور کب تک؟

محمد راشد دہلوی

سلیم بھائی فجر کی نماز کے بعد معمول کے مطابق کھیتوں میں پانی لگانے چلے گئے اور اس دن بھی معمول ہی کی طرح پڑوس کے شرما کی گائے کھیتوں میں گھس گئی۔ بے چارے سلیم بھائی کرتے تو کیا کرتے؟ روز کی طرح فصل کی بربادی پر افسوس کرنے لگے اور گائے کو کھیت سے نکالنے میں لگ گئے۔ اسی دن اتفاقی طور سے گائے کی موت واقع ہو گئی۔ گائے کی موت نے فسادیوں کو سازش کرنے کا ایک اور موقع فراہم کر دیا۔ اب کیا تھا، شرما اور ان کے حامیوں نے بوال مچا دیا۔ مسلمانوں کو گالم گلوچ، الزام تراشی، برا بھلا کہنے لگے 'یہ ملّا انپڑھ ہوتے ہیں، ملّوں کو یہاں سے نکالو، ملّے جہاں جاتے ہیں وہاں گندگی کرتے ہیں'۔

بے چارے سلیم بھائی اور ان کی برادری لگی منت سماجت کرنے۔ ایک گروپ شرما کے ساتھ تھا جو فسادیوں کا گروپ تھا جس کے حامی گاؤں کی پنچایت میں بھی تھے اور گاؤں کے لوگ ان کی غنڈہ گردی کی وجہ سے ڈرتے بھی تھے، دوسرا گروپ چالاک لومڑی کی طرح اپنے مفاد پورا کرنے کے لیے مسلمانوں کی پریشانی و تکلیف کو مرچ مصالحہ لگا کر جگہ جگہ بیان کرتا اور جب ان سے اس مسئلے کے حل کے حوالے سے سوال کیا جاتا تو وہ اپنے مفاد کو پورا ہی کرتے دِکھتے، مسلمانوں کی مشکلات حل کرنے میں ان کی کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ معاملہ پنچایت کے یہاں پہنچا، جو شرما کے رعب سے پہلے ہی ڈرے ہوئے تھے اور ان کے حق میں بھی تھے۔

فیصلہ ہوا سلیم بھائی کے خلاف کہ سلیم بھائی نے ضرور کچھ ایسا کیا ہے جس سے گائے کی موت واقع ہوئی ہے۔ لہٰذا سلیم بھائی کو ۵ لاکھ (ہندوستانی) روپے جرمانہ بھرنا ہو گا۔ ایک شخص نے بڑی ہمت کر کے پوچھا کہ پنچایت! اس مرحوم گائے کی قیمت تو ۳ لاکھ روپے تھی تو پھر جرمانہ ۵ لاکھ کیوں؟ جواب ملا ۳ لاکھ گائے کے اور ۲ لاکھ اس کے بچے کے جو اس کے پیٹ میں تھا!

کورونا جہاد

کورونا وائرس جس نے پوری دنیا (خصوصاً ان ممالک میں جنھوں نے کبھی نہ کبھی مسلم ممالک کو اپنا غلام بنایا تھا) میں تباہی مچا دی ہے۔ اس وائرس نے ملکوں کی معیشت، ان کے خدائی کے دعوے، سب ملیامیٹ کر دیے ہیں۔ امریکہ جو شکست کھا کر ابھی افغانستان سے نکل ہی رہا تھا کہ کورونا وائرس نے اسے امریکہ میں ہی آن پکڑا۔ اگر آپ امریکی شکست خوردہ صدر کا بیان سنیں تو آپ کو حیرانگی ہو گی کہ کس طرح یہ باطل حکمران خدائی کے دعوے کرتے ہیں اور جب رب العزت کا عذاب آتا ہے تو یہ مٹی کے کھلونوں کی طرح ٹوٹ کر بکھر جاتے ہیں۔ ایک طالبان رہنما نے کورونا وائرس کے متعلق کہا کہ اب کورونا وائرس نے امریکہ کو امریکہ میں ہی دبوچ لیا ہے۔ یہ صاحب فرماتے ہیں کہ 'یہ اللہ کا ایک لشکر ہے جس نے امریکہ کے غرور اور گھمنڈ کو توڑ ڈالا ہے، یہ اسامہ کے لشکر کی طرح ہے جو ہر روز امریکہ میں نائن الیون دہرا رہا ہے!'۔

کورونا وائرس دنیا بھر میں انسانوں ہی کے ذریعے سے پھیلا ہے لیکن مذہب کی بنیاد پر تبلیغی جماعت کے لوگوں پر الزام لگانا کہ انھوں نے ہندوستان میں کورونا جہاد کو ہوا دی ہے یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ چاہے دوسروں کو خوش کرنے کے لیے کچھ بھی کر لیں اور امن امن کرتے رہیں لیکن اکھنڈ بھارت کے راستے میں آپ کو روندا ہی جائے گا۔ آپ کو اور آپ کے دین کو ختم کرنے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے اپنائے جائیں گے۔ پھر چاہے آپ یہ کہہ کر حقیقت سے اپنا منہ موڑ لیں کہ اس قسم کی باتیں کرنے والوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے اور آپ کی حمایت میں کھڑے لوگ زیادہ ہیں، تو آپ یہ نہ بھولیے کہ اکھنڈ بھارت کا سپنا (خواب) ہندوؤں کا خواب ہے جس کی تعبیر مسلمانوں کی بربادی اور تباہی ہے۔

چانکیا نیتی کے پیروکار ہر ہر قدم پر مسلمانوں کو بدنام کرنے اور ان کے خلاف سازش کرنے کی فراق (تاک) میں رہتے ہیں۔ آپ ہندوؤں کی تعصب پسندی کا اس بات سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس بار وہ لوگ نشانے پر ہیں جنھوں نے شاید ہی کبھی ہندوستان کی تاریخ میں تشدد کا راستہ اختیار کیا ہو۔ یہ لوگ کسی کو کچھ کہے بغیر، کسی کو تکلیف پہنچائے بغیر اپنا کام انجام دیتے ہیں۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ظالم کے ظلم کو طاقت سے ہی روکا جا سکتا ہے۔ اب رہی اُن لوگوں کی بات جو یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے خلاف زہر اگلنے والوں کی تعداد بہت کم ہے تو میں ان سے یہ سوال کرنا چاہتا ہوں کہ اگر انسانوں کی کسی بستی میں سانپ داخل ہو جائے تو وہاں رہنے والے لوگ کیا کریں گے؟ کیا بستی میں رہنے والے لوگ سانپ (آر ایس ایس) کے سامنے اپنے آباؤاجداد اور مسلم حکمرانوں کو برا بھلا کہہ کر، سانپ کے سامنے جھک جائیں گے؟ کیا سانپ (سنگھ پریوار) کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی جائے گی کہ ہم امن پسند لوگ ہیں اور ہم اس دیش کے وفادار ہیں؟ کیا سانپ (شیو سینا، بجرنگ دل، وشو ہندو پریشد، بی جے پی) کو نظر انداز کر کے لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو جاتے ہیں؟ کیا لوگ سانپ (پولیس، فوج اور انتظامیہ) کے خلاف صرف احتجاج ہی کرتے رہیں گے اور انھیں یہ یقین دلاتے دلاتے کے وہ ہندوستان کے آئین کا پالن اور عزت کرتے ہیں قبرستان تک پہنچ جائیں گے؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ نے دشمن کے خلاف کوئی تیاری نہیں کی اور یونہی ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہے تو ایک دن یہ سانپ اور سانپ کو پوجنے والے آپ کو اور آپ کے چاہنے والوں کو نگل جائیں گے۔

میں اپنے ایک کلاس میٹ (ہم جماعت) کے ساتھ دہلی میٹرو میں دہلی یونیورسٹی کی طرف سفر کر رہا تھا۔ کشمیری گیٹ اسٹیشن پر کچھ مسلمان جن کا تعلق تبلیغی جماعت سے تھا وہ بھی سفر کر رہے

تھے، تو اچانک ہماری نظر ان پر پڑی۔ کرتا پاجامہ، سر پر ٹوپی، چہرے پر داڑھی اور پاجامہ ٹخنوں سے اوپر۔ میرے ساتھ سفر کرنے والے ہندو میٹ نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ وہ دیکھو آتنک وادی جارہے ہیں۔ اس ہندو کا اشارہ تبلیغی حضرات کی طرف تھا۔ میں نے پوچھا کہ کیا اخبار میں ان لوگوں کے بارے میں خبر چھپی ہے؟

صرف داڑھی اور لباس دیکھ کر اس بات کا اگر اندازہ لگایا جائے کہ کون آتنک وادی ہے اور کون نہیں تو آپ سوچ سکتے ہیں کہ سماج، جس کے ساتھ رہنے کے گیت گائے جاتے ہیں، وہ کس ڈگر پر جارہا ہے۔ صرف اس ایک واقعہ سے ہندوؤں کی ذہنیت کا اندازہ کرنا شاید مشکل ہو، لیکن ہندوستان میں ہزاروں واقعات اور بیانات اس سوچ کی عکاسی کرتے ہیں کہ ہندو مسلمانوں کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ چند سیکولر ہندوؤں کی مسلمانوں کے لیے حمایت کا ڈھنڈورا پیٹ کر ہم ہندوستان میں اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھ سکتے۔

دہلی اردو پریس کلب میں طارق فیضی کے ایک پروگرام میں جانے کا اتفاق ہوا۔ بے وقوفوں کے درمیان موضوع دہشت گردی اور اس کی وجوہات تھا۔ مسلمان اس بات کو ثابت کرنے میں لگے تھے کہ مسلمانوں کو الگ عینک سے نہیں دیکھا جانا چاہیے، دہشت گردی کا کسی مذہب سے تعلق نہیں ہے۔ اسلام امن کا پیغام دیتا ہے لیکن کسی کے پاس بھی اس کا کوئی جواب نہیں تھا کہ پھر بھی مسلمانوں کو ہی کیوں نشانہ بنایا جاتا ہے۔ آخر دہشت گردی کے نام پر مسلمانوں کے استحصال کا کیا حل ہے؟ وہیں پر بی جے پی سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب نے اس سوال کا جواب دے دیا اور یہ بھی بتادیا کہ آپ چاہے جو بھی کہیں لیکن ہم آپ کے بارے میں کچھ اور ہی سوچتے ہیں۔ اس نے کہا: 'سارے مسلمان دہشت گرد اگر نہیں ہیں تو پھر سارے دہشت گرد مسلمان کیوں ہیں؟'۔

یعنی جس کو یہ لوگ چاہیں دہشت گرد بنادیں اور جس کو چاہیں امن پسند کہہ دیں۔ پولیس و فوج کے ساتھ مل کر دنگائی بے شک لاکھوں مسلمانوں کا خون یہ کہہ کر بہاتے رہیں کہ وہ دھرتی ماں کو پاک کر رہے ہیں اور دوسری طرف مسلمانوں کا گلہ کرنا تک بھی آپ کو گوارا نہیں۔

تقسیم ہند سے لے کر اب تک ستا (حکومت) میں مسلمانوں کی حمایت کرنے والے بھی آئے ہیں اور ان کی مخالفت کرنے والے بھی آئے ہیں لیکن مسلمانوں کی حالت بد سے بدتر ہوتی رہی ہے۔

اب آپ اپنے حمایتیوں کی خبر لیجیے۔ حمایتیوں سے مراد وہ ہندو سیاسی جماعتیں اور فلاحی تنظیمیں ہیں جو اپنے مفاد کے لیے اور حکومت میں آنے کے لیے مسلمانوں کو استعمال کرتی ہیں۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف اقدام میں بظاہر تو ان لوگوں کا ہاتھ نہیں ہوتا لیکن ظالموں کو نہ روک پانے کی وجہ سے ان کی یہ حمایت مسلمانوں کے لیے بے معنی اور صرف اور صرف اپنے ہی مفاد کو پورا کرنے میں کام آتی ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمانوں کو خود ہی سنبھلنا ہوگا۔

مسلم وائرس

دیش کی حکمران جماعت کے یہ تیور ان لوگوں کے لیے حجت ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ میری ایک آنکھ میرا دین ہے اور دوسری میرا وطن ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے ملک کا آئین نعوذ باللہ سب سے عظیم آئین ہے اور ہم نے اپنے آئین کو بچانا ہے، اس کی روح کو بچانا ہے۔ ان کے لیے رکنے اور رک کر سوچنے کا مقام ہے۔ اب جبکہ اسی ملک کے حکمران مسلمانوں کو اپنی تعصب پسندی کا نشانہ بنا کر کہتے ہیں کہ کورونا وائرس اصل میں مسلم وائرس ہے تو کیا اب ملک میں بسنے والے مسلمان صرف شور شرابا کر کے ملک کے بادشاہ کے بدلنے کی دعا کریں گے یا پھر ایک نئی صبح کا آغاز بھی کریں گے ......؟ کیا ملک کے مسلمانوں نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ اب یہ باطل آئین، یہ ہندو حامی انتظامیہ، یہ دوغلی سیاسی حمایت ہمارے جوتے کی نوک پر؟ کیا ہندوستان کے مسلمان اپنی مشکلات کا حل شریعت میں دیکھیں گے؟ کیا ملک کے مسلمان اپنی کھوئی ہوئی عزت کے لیے کمر کسیں گے؟ کیا ملک کے مسلمان اپنے خون سے کشمیر کے محاذوں کو گرم کر کے ہندوستان میں بسنے والے ہندوؤں کو یہ پیغام دیں گے کہ ابھی انقلاب کی صبح آیا چاہتی ہے!

ہندوستان میں بسنے والے اور یہاں کے مسلمانوں کی اصلاح کی فکر کرنے والے بھائیوں کو ایک بار پھر حقیقت کے آئینے میں اپنے آپ کو دیکھنا ہوگا کہ کیا ہندوستان میں ان کے حالات اتنے پرامن اتنے پرسکون ہیں جتنے وہ سوچتے ہیں؟ کیا دین دشمنوں کی طرف سے نگاہ ہٹا کر ہم محفوظ رہ سکتے ہیں جبکہ قرآن ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ:

> وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ○ (سورۃ الانفال: ۶۰)
>
> ''اور تیار رکھو ان کے (مقابلے کے) لیے اپنی استطاعت کی حد تک طاقت اور بندھے ہوئے گھوڑے (تاکہ) تم اس سے اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو ڈرا سکو اور کچھ دوسروں کو (بھی) جو ان کے علاوہ ہیں، تم انہیں نہیں جانتے، اللہ انہیں جانتا ہے اور جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس کا ثواب پورا پورا تمہیں دیا جائے گا اور تم پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔''

مسلمانوں کو اپنے دماغوں سے **جیو اور جینے دو** کی کھوکھلی پالیسی کو رفع کرنا ہوگا کیوں کہ ان کا سامنا ایسے درندوں سے ہے جو **کچلو اور راج کرو** کی پالیسی کو اپنائے ہوئے ہیں۔ پھر بھلا آپ گاندھی کی پالیسی ایک گال پر تھپڑ کھانے کے بعد دوسرا گال کیسے آگے کر سکتے ہیں جبکہ آپ تو اس نبی ﷺ کے امتی ہیں جنھوں نے ظلم کے اندھیروں کو دور کر کے امن و امان قائم کیا ہے؟ آپ تو اس رب کو پوجتے ہیں جس کا پیغام آپ کو سکھاتا ہے کہ:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○ (سورۃ الانفال:۳۹)

”اور ان لوگوں سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ کفر کا فتنہ باقی نہ رہے اور دین سب اللہ ہی کا ہو جائے اور اگر یہ باز آجائیں تو اللہ ان کے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔“

اے ہندوستان میں بسنے والے مسلمانو! اگر آپ اپنی اور دوسروں کی اصلاح کی فکر کرتے ہیں تو اللہ آپ کو کامیاب فرمائے اور آپ کو اجرِ عظیم سے نوازے، آمین۔ لیکن گھمبیر بات یہ ہے کہ آپ پہلے اپنے دین و ایمان کی فکر کیجیے، ان بے بس ولاچار مسلمانوں کے بارے میں سوچیے جو ہندو دہشت گردوں کے نرغے میں ہیں، جن کا ایمان، جان و عزت سب خطرے میں ہے، جنھیں ڈٹینشن کیمپوں میں رکھ کر، گھر واپسی کرواکر مرتد بنایا جارہا ہے۔ آپ اُن بہنوں، ماؤں کی عزتوں کا غم کیجیے جنھیں وحشی درندے دنگوں میں تار تار کرتے ہیں۔ جس طرح آپ نے مسلمانوں کی اصلاح کے غم کو دل میں جگہ دی ہے اسی طرح پوری امت کی جان و مال، عزت و آبرو اور سب سے قیمتی چیز ان کے ایمان کو بچانے کے غم کو دل میں بسا لیجیے۔

آخر کب تک......؟

دنگل سج چکا تھا! گلی گلی کوچے کوچے میں اشتہار دیواروں کی رونق بن گئے تھے! اس جمعہ کے روز پہلوان شریف کا مقابلہ، پہلوان سریش سے ہو گا۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ محلے کے نوجوان جب شریف پہلوان کے یہاں پہنچے اور ان سے عرض کیا کہ کیا آپ مقابلے کے لیے تیار ہیں؟ تو شریف نے بڑے ہی عجیب انداز میں جواب دیا۔ شریف پہلوان نے بات کو ہوا میں اڑاتے ہوئے کہا کہ بھئی کیسا مقابلہ؟ سُریش میرا پکا دوست ہے۔ ہم بچپن سے ایک ہی اسکول میں پڑھے ہیں۔ ہم ایک دوسرے کے تہواروں میں بھی آتے جاتے رہے ہیں۔ ہم نے اکٹھے گھنٹوں وقت گزارا ہے۔ ہم دونوں میں کوئی تناؤ یا تعصب نہیں ہے اور ویسے بھی سریش میرا شاگرد ہے میں نے ہی اسے پہلوانی سکھائی ہے، یہ محض افواہ ہے، آپ لوگ گھر جائیں اور ہمارے گاؤں کی شانتی کو بھنگ نہ کریں۔ دوسری طرف سریش تیاری میں لگ گیا اور گاؤں کی چودھراہٹ حاصل کرنے کے خواب دیکھنے لگا۔

عین مقابلے کے دن، جب شریف پہلوان پچھلی رات دعوت میں زیادہ کھانے کی وجہ سے پیٹ کے درد کی شکایت سے دوچار تھا، تیاری و مقابلے سے **غافل** اپنے مسائل کے لیے ڈاکٹر کے پاس جارہا تھا کہ راستے میں سریش سے ملاقات ہوئی۔ سریش نے شریف کو یقین دلایا کہ 'ہم ہندوستانی بھائی بھائی ہیں، ہم صدیوں سے ایک ہی ساتھ رہتے آئے ہیں، ہمارا ملک بہت مہان ہے جہاں کئی دھرموں کو ماننے والے رہتے ہیں اور ان کے درمیان کوئی تعصب یا نفرت نہیں پائی جاتی'، سریش میٹھی میٹھی باتیں کر کے شریف کو اپنے جال میں پھنساتا گیا اور بڑی چالاکی سے موقع پاتے ہی......دے مارا ......زمین پر...... شریف پہلوان کو ......دھڑااااااام۔ جب تک شریف پہلوان کچھ سمجھ پاتا سریش نے اسے چت کر دیا اور شریف پہلوان پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور زور زور سے کہنے لگا کہ آج میں نے صدیوں کا بدلہ لے لیا ہے، آج میں نے اپنے دیوتاؤں کے جنم استھل کی تباہی کا بدلہ لے لیا......

مگر حیران کن بات یہ دیکھنے میں آئی کہ تھوڑی ہی دیر بعد سریش پہلوان زور زور سے ہنستے ہنستے رونے لگا۔ لوگوں نے اس سے وجہ دریافت کی تو سریش نے جواب دیا کہ آج میں نے شریف پہلوان کو ہرا دیا ہے اس لیے میں بہت خوش ہوں۔ لیکن میں اس لیے رو رہا ہوں کہ جب شریف پہلوان اٹھے گا اور غشی سے بیدار ہو گا تو میرا کیا بنے گا؟

مسلمانوں کی مثال شریف بھائی کی طرح ہے جو دشمن سے غافل اور اپنے سامنے آنے والے طوفان سے منہ موڑ کر طوفان کے انکاری ہیں۔ حالات چیخ چیخ کر مسلمانوں کو جھنجھوڑ رہے ہیں لیکن ہم ایسی گہری نیند سو رہے ہیں جس سے ہم کبھی بیدار ہونا ہی نہیں چاہتے اور صرف خوابوں کی دنیا میں ہی جینا چاہتے ہیں۔ ہم اس وقت بیدار ہوتے ہیں جب تلوار ہمارے گلوں پر ہوتی ہے۔ جبکہ یہ وقت تو خوابوں کی تعبیر کو پورا کرنے کا دور ہے۔ جہاں میدان، مقتل سجے ہوئے ہیں......دشمن ایک عرصے سے ہندوستانی مسلمانوں کو کشمیر کے محاذوں پر للکارے ہوئے ہے......اور ہندو پورے لاؤ لشکر کے ساتھ، پوری تیاری کے ساتھ میدان میں ہیں اور طنزیہ ہنسی ہنس رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ تم نے اپنے رب کے پیغام کو چھوڑ کر ہم پر بھروسہ کیا اور ہم نے مکاری کر کے مسلمانوں کو ایسے گڑھے (جمہوریت) میں اتار دیا ہے جہاں سے وہ جتنا نکلنے کی کوشش کرتے ہیں اتنے ہی گرتے جاتے ہیں کیوں کہ ان کو باہر نکلنے کا راستہ بھی ہم نے ہی بتایا ہے جو اصل میں باہر نکلنے کا راستہ نہیں بلکہ اور گڑھے (ہندوستانی آئین، قانون و عدلیہ) میں پھنسنے کا سبب بنتا ہے۔ جس دن مسلمانوں نے وہ راستہ پہچان لیا......وہ طریقہ اپنا لیا......اس مقصد کے لیے گامزن ہو گئے......جو قرآن و حدیث نے انھیں بتایا ہے تو ان شاء اللہ کامیابی کا ایک نیا دور شروع ہو گا، موجودہ دور میں جس کی مثال امارتِ اسلامیہ افغانستان کی شکل میں نظر میں آتی ہے۔ حالانکہ انھیں بھی پتھروں کے دور میں پہنچانے سے ڈرایا گیا تھا لیکن ان مجاہدین نے اپنے رب پر ہی بھروسہ کیا اور رب کے دین مدد کی اور اللہ نے ان کی مدد کر کے انھیں فتح مبین عطا فرمائی......اللہ رب العزت کی قسم جب ہم افغانستان میں بسنے والے طالبان کی طرح جینا اور مرنا سیکھ لیں گے تب یہ بھگوا دہشت گردی ہندوستان سے ایسے غائب ہو جائے گی، جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

★★★★★

کچھ یادیں 4

ابرار احمد

اس تحریر میں کچھ ایسے واقعات ہیں جو مجھے کبھی نہیں بھولتے ان میں سے کچھ تو میرے ساتھ پیش آئے یعنی میں نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کچھ دوسروں سے سنے۔ یہ واقعات کسی خاص موضوع سے تعلق نہیں رکھتے؛ان میں مجاہدین کے ایثار، بہادری، تقویٰ وغیرہ کے واقعات ہیں، کچھ انصار کے مہاجر مجاہدین کے ساتھ محبت کے قصے ہیں اور کچھ کافروں کے مظالم کی داستانیں بھی۔ بس ملے جلے واقعات ہیں، اللہ سے دعا ہے کے وہ اس تحریر کو اپنے حضور قبول فرما لے، آمین۔ (ابرار احمد)

ہمارا چھوٹا حامد

حامد شہیدؒ ہمارا چھوٹا سا بھائی تھا مگر نیکیوں میں ایسی سبقت لے جانے والا تھا کہ سب بڑوں کو بھی پیچھے چھوڑ جاتا تھا۔ بلکہ یہ چاروں بھائی ہی ایسے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ماں بھی تو ایسی عطا کی تھیں کہ جن کی تربیت کا اثر سب پہ نظر آتا تھا۔ سب ایک سے بڑھ کے ایک تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان پاکیزہ فطرت جوانوں کو اپنی ماں سمیت اپنی جنتوں میں بلا لیا۔ اللہ تعالیٰ اُن سب سے راضی ہو جائے اور اُن کو ایسی خوشیاں عطا فرمائے کہ جس سے یہ اپنے رب سے راضی ہو جائیں۔ ویسے تو ان چاروں بھائیوں کا حق بنتا ہے کہ ان پہ علیحدہ علیحدہ لکھا جائے یعنی سیف الرحمٰنؒ، حامدؒ، موسیٰؒ اور عیسیٰؒ۔ اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو سب کا تذکرہ اِن یادوں میں آئے گا مگر ابھی حامد کا ایک واقعہ آپ لوگوں تک پہنچاتا ہوں۔

ایک بار ہم دونوں یعنی میں اور حامدؒ ایک مرکز میں اکٹھے رہ رہے تھے، اور بھی بہت ساتھی تھے اُس مرکز میں لیکن حامدؒ اور میں ایک ہی کمرے میں سوتے تھے۔ چھوٹا سا کمرا تھا اور اس میں ہوا روکنے کے بھی کوئی خاص انتظامات نہیں تھے۔ سردیوں کا موسم تھا اور جس علاقے میں ہم تھے اُدھر سردی بھی کافی زیادہ تھی۔ اُس مرکز میں ہم لوگ دن بھر کاموں میں مصروف رہتے تھے اور رات میں جلدی سو جاتے تھے، مگر تھکاوٹ کے باوجود بھی رات میں صحیح سے نہیں سو پاتے تھے کیونکہ سردی کافی شدید تھی اور بستر سردی کو روکنے کے لیے ناکافی تھے۔ رات میں مَیں تو جلدی سو جاتا تھا مگر حامد کا یہ معمول تھا کہ رات دیر تک اس کا مطالعہ جاری رہتا تھا، اُس کو میں کافی سمجھاتا بھی تھا کہ یار جلدی سو جایا کرو، وہ کہتا بس بھائی جان بس تھوڑا سا پڑھ لوں پھر سو جاؤں گا، آپ فکر نہ کریں میری نیند پوری ہو جاتی ہے۔

ایک رات جب سردی بہت زیادہ تھی، ہم کاموں سے فارغ ہو کر رات میں سونے کے لیے کمرے میں آئے، میں تو جلدی سو گیا مگر حامد بھائیؒ اپنے معمول کے مطابق اپنے مطالعے میں مگن ہو گئے۔ ہر رات سردی کی وجہ سے کئی بار آنکھ کھلتی تھی مگر اس رات میں ایسا سویا کہ صبح ہی آنکھ کھلی۔ جب میں صبح اٹھا تو کیا دیکھتا ہوں کے حامد بھائی کا کمبل بھی میرے اوپر تھا اور وہ ایک چھوٹا سا قالین کا ٹکڑا اوڑھ کر سو رہا تھا۔ اتنے میں وہ بھی اُٹھ گیا۔ مَیں نے کہا یہ کیا کیا ہے آپ نے اللہ کہ بندے پوری رات آپ ایسے سردی میں سوئے رہے! تو وہ اپنے دھیمے سے انداز میں مجھ سے کہنے لگے، بھائی جان! آپ کا کمبل تھوڑا پتلا تھا، پہلے تو سوچا کہ آپ سے تبدیل کر لیتا ہوں، پھر آپ کو اٹھانا مناسب نہیں سمجھا اور مجھے ویسے بھی سردی زیادہ نہیں لگتی۔ میں نے کہا یار! اگر آپ نے پھر ایسا کام کیا تو میں آپ سے ناراض ہو جاؤں گا۔ مجھے بڑی معصومیت سے کہا بھائی جان! کیا آپ مجھے نیکی کرنے سے روک رہے ہیں؟ بڑے بھائی تو نیکی کرنے پہ شاباش دیتے ہیں اور آپ مجھے ڈانٹ رہے ہیں! پھر ازراہِ مذاق کہنے لگا، ویسے بھائی جان! ہر روز تو آپ بہت اٹھتے ہیں اور آج تو ایسے سو رہے تھے کہ چھوٹے بھائی کا بھی احساس نہیں کیا۔ میں بھی چُپ ہو گیا اور سوچنے لگا یار یہ چھوٹا سا ہے مگر نیکیوں میں ہمیشہ سبقت لے جاتا ہے اور چھوٹا حامد جنت جانے میں بھی مجھ سے سبقت لے گیا اللہ تعالیٰ مجھے بھی جنت الفردوس میں اس کا ساتھ عطا فرمائیں، آمین۔

مولانا سلمان شہیدؒ

مولانا سلمان بھائیؒ (مولانا حنیف) تمام ساتھیوں کے دلوں کی جان تھے۔ مولانا سلمانؒ کے کچھ واقعات ان شاءاللہ آگے بھی آئیں گے۔ ابھی اُن کا چھوٹا سا واقعہ آپ لوگوں کو سناتا ہوں۔

ہم لوگ ایک بار چار ساتھی سفر پہ نکلے۔ سفر کافی طویل تھا، تقریباً ایک ہفتے پہ محیط تھا۔ ہمارے سفر کے امیر مولانا سلمانؒ تھے۔ مولانا کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ ساتھیوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔ مجھے بھی اکثر کہا کرتے تھے کہ دیکھو ساتھیوں کی ضروریات کا خیال کیا کرو، اِن بے چاروں کے ماں باپ ادھر نہیں ہیں، اگر ہم اِن کو خوشیاں نہیں دیں گے تو کون دے گا؟ اور کہتے تھے کہ ان کی غلطیوں سے درگزر کیا کرو، ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ بھی ہماری غلطیوں سے درگزر فرمائیں۔ مولانا کے درگزر کا میں نے کئی دفعہ مشاہدہ کیا، ایک واقعہ آپ لوگوں کو سناتا ہوں۔

ہم چار ساتھی سفر پر نکلے۔ راستے میں ایک جگہ پر ہم نے رات گزاری اور مولانا نے ایک ساتھی کو پستول دیا کہ یار اس کو سنبھال لو یہ ایک ساتھی کی امانت ہے۔ اُدھر جا کر بیچنا ہے۔ اب سفر چونکہ بہت طویل تھا اور وہ ساتھی بھی بہت تھکا ہوا تھا، اُس نے رات میں پستول بائیک پر ڈلی خورجین (سامان رکھنے کے لیے دو تھیلوں کی بنی، زین کی طرح کی ایک چیز جو افغانستان میں بائیک پر ڈالتے ہیں) میں ہی چھوڑ دیا۔ افغانستان میں بائیک مسجد کے باہر ہی کئی کئی دن کھڑی رہتی ہے اور مجاہدین مسجد میں ہی وقت گزارتے ہیں۔ اگرچہ چوری کے واقعات نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں مگر بعض اوقات چوری کے واقعات بھی پیش آتے ہیں مگر امارت اسلامیہ کے مفتوحہ علاقوں میں الحمدللہ چوری کے واقعات نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں۔ ہم جِس کَلی (گاؤں) میں رُکے تھے اُس میں ہمارے ساتھی بھی تھے۔ (باقی صفحہ نمبر 82 پر)

داعش کے خلاف جنگ کی روداد

امارتِ اسلامیہ افغانستان کے دستوں میں شامل ایک مہاجر مجاہد کے قلم سے

حافظ معاذ بدر

وزیرو تنگی کی طرف روانگی

مرکز میں دو دن انتظار کرنے کے بعد ہماری باری آگئی۔ پتا چلا وزیرو تنگی کی طرف روانگی ہے اور تعارض کا پروگرام ہے۔ آج صبح بادل بھی تھے، سردیاں بھی قریب تھیں۔ راتیں تو کافی ٹھنڈی ہو چکی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میرا آج جانے کو بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ خیر امر تھا سو ہم اپنے مرکز سے صبح صبح نکل گئے۔ ابھی ہم اپنی جگہ پر پہنچے ہی تھے کہ مسئول نے ہمیں ہماری جگہ بتادی۔ میرے ساتھ ہماری جماعت کے ساتھی حاجی الیاس تھے۔ یہاں پر ہم لوگوں نے مورچہ زن ہونا تھا۔ یہاں سے بالکل وزیرو تنگی نظر آتی تھی۔ پانچ ساتھی ادھر نیچے رک گئے۔ میں بھی ادھر ہی رک گیا۔ حاجی صاحب بقایا ساتھیوں کے ساتھ اوپر چلے گئے ہم ابھی اپنی جگہ پر مورچہ سیٹ ہی کر رہے تھے کہ اچانک موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ طالبان کو اللہ نے برے وقت میں اچھے جگاڑ کی صحیح خوبی عطا فرمائی ہے۔ اس خوبی سے افغانستان کا ہر فرد مالا مال ہے۔ خیر طالبان موسم کے بدلتے ہوئے تیور دیکھ کر چھت پر ڈالنے والی پلاسٹک شیٹ اپنے ساتھ لائے تھے۔ یوں ہر ساتھی کو اس کے قد کے مطابق کاٹ کر پلاسٹک دے دیا گیا اور پہلے اسلحہ ایک جگہ جمع کر کے اس پر بھی ایک ٹکڑا ڈال دیا تاکہ اسلحہ خراب نہ ہو۔ پھر اپنے حصے میں آیا پلاسٹک میں اوپر سے باندھ کر اپنے اوپر ڈال کر بیٹھ گیا۔ اس سے کافی بچت ہوگئی کہ کپڑے گیلے ہونے سے بچ گئے۔ شاید بادل اپنا سارا غصہ نکالنے پر مصر تھے، سو خوب گرج چمک کے ساتھ برس رہے تھے۔ کافی دیر بارش برسنے کے بعد بارش رک گئی۔ ہم اپنے مورچے سے نیچے اتر آئے۔ اتنے میں حاجی الیاس بھائی بھی آگئے۔ میں نے بارش کا پوچھا کہ بارش میں آپ لوگوں کا کیا بنا؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں ایک بڑے پتھر کی آڑ مل گئی تھی اور اپنے حصے کا پلاسٹک بھی مل گیا تھا اس سے بچت ہوگئی۔ خیر اللہ کا شکر ادا کیا۔ ظہر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا، تیمم سے نماز ادا کی۔ نماز ادا کرنے کے بعد ایک بندہ کھانا تقسیم کر رہا تھا۔ ہم نے اپنے حصے کا کھانا لے لیا۔ کھانا کیا تھا، لفافے میں بند ایک فرد کے لیے ایک روٹی اس کے ساتھ چھوٹا سا ابلا ہوا گوشت کا ٹکڑا اور ایک ابلا ہوا آلو؛ یہ پورے دن کا کھانا تھا، خیر یہ بھی غنیمت تھا۔ ہم نے اپنے حصے کا کھانا کھا لیا۔ کیونکہ آج تعارض کا پروگرام تھا اور کسی وقت بھی روانگی ہو سکتی تھی وزیرو تنگی کی طرف لیکن آج بادل کوئی بھی موقع دینے کو تیار نہیں تھے۔ تھوڑی دیر بعد پھر زور دار بارش شروع ہوگئی۔ ہم پھر اپنے اوپر پلاسٹک ڈال کر بیٹھ گئے۔ سردی سے میری بہت بری حالت ہو رہی تھی اور دوسرے ساتھیوں کا حال بھی مجھ سے کچھ مختلف نہیں تھا۔ میں دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا 'یا اللہ! آج کی باری اپنی نہ ہو، پتا نہیں رات کو ٹھہرنے کی جگہ ملتی ہے یا نہیں؟ سردی بس سے باہر ہے، آج واپس مرکز چلے جائیں!'۔ میری دعا رنگ لائی۔ ایک گروپ کو آگے بھیج دیا گیا، باقی مجاہدین کو، جن میں ہم بھی شامل تھے واپس اپنے مرکز بھیج دیا گیا۔ رات اپنے مرکز میں ہم نے گزاری۔ اگلی صبح گاڑی ہمیں دوبارہ وزیرو تنگی کی طرف لے گئی ہم نے مغرب کی نماز وزیرو تنگی کی نیچے اترنے والی چٹان کے اوپر ادا کی۔ میں سمجھا شاید سفر ختم ہو گیا ہے، بس نیچے اتریں گے اور وزیرو تنگی ہو گی۔ مگر جب نیچے اترے تو پتا چلا کہ سفر تو ابھی شروع ہوا ہے۔ ایک پہاڑی چڑھتے تو آگے اس سے بڑی منتظر ہوتی۔ کافی دیر چلنے کے بعد ایک چوٹی پر گروپ کو ادھر ہی رکنے کا امر دے دیا گیا تاکہ آگے جانے والوں کو دفاع مل سکے۔ بقایا ساتھیوں کو رہبر اپنے ساتھ آگے لے کر چلا گیا۔ ہم جو نہی چوٹی سے نیچے اترے تو اترائی تھی۔ اترائی کیا تھی، کھائیاں تھیں۔ بڑے بڑے پتھر، ان کے ساتھ لگے جا بجا کانٹے استقبال کرنے کو تیار تھے۔ ایک ایک پتھر کو پکڑ پکڑ کے بالآخر نیچے نالے میں اتر گئے۔ ہم نہایت احتیاط سے چل رہے تھے کیونکہ مائن پر چڑھنے کا خطرہ تھا۔ کافی دیر چلنے کے بعد ہم خاردار تار والے علاقے میں اتر گئے۔ رہبر نے بتایا آگے داعشیوں کا زیرِ قبضہ علاقہ ہے۔ ایک گروپ کو ادھر روک دیا گیا۔ باقی کو اپنے ساتھ لے کر آگے چلا گیا جن میں مَیں بھی شامل تھا۔ ہم رہبر کے قدم پر قدم رکھ رہے تھے، کیونکہ پتا تھا کہ تھوڑی سی غلطی سے پاؤں کے پرخچے اڑ سکتے تھے!

داعشیوں کا متکبرانہ انداز

داعشیوں نے جب اپنے ہاتھوں سے علاقے چھنتے دیکھے تو ان کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیا کیا جائے؟ طالبان کو مخابرے پر کہا تم لوگ وزیرو تنگی میں آؤ، ہم نے تم لوگوں کے لیے وزیرو تنگی میں آگ لگائی ہوئی ہے۔ یہ تو اللہ کا شکر ہے کہ اللہ نے ان کے شر سے مجاہدین کو بچایا ورنہ خبیثوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اس کا احوال آئندہ آئے گا۔

ہم نہایت احتیاط سے چلتے ہوئے ایک مکان میں جا پہنچے۔ ہم سے آگے والا ایک گروپ تھوڑی دیر پہلے اس مکان میں پہنچ چکا تھا۔ یہ مکان غالباً دن کی لڑائی میں فتح ہوا تھا۔ اس میں پڑا اسلحہ مجاہدین باہر نکال رہے تھے، جس میں زیکویک دوشکا (اینٹی ائیر کرافٹ) وغیرہ شامل تھیں۔ اس مکان سے رہبر ہمیں آگے لے گیا۔ ہمارے گروپ کو اگلے مکانوں کی طرف لے جایا گیا، جس میں صبح کو جنگ ہوئی تھی لیکن تلاشی باقی تھی۔ ہم اس مکان کو چھوڑ کر آگے کی طرف بڑھ گئے۔ ہم تھوڑا سا آگے بڑھے ہوں گے کہ پھر بارش شروع ہوگئی۔ خیر ہم اپنی منزل کے قریب تھے اس لیے رہنے کو خالی مکان مل گیا۔ رہبر نے ہمیں ایک جگہ چھوڑا اور آگے مخابرے پر اطلاع دی کہ گروپ پہنچ چکا ہے۔ تھوڑی دیر بعد وصولی والے ذمہ داران پہنچ گئے۔ انہوں نے ہمارے گروپ کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک گروپ کو تعارض اور تلاشی کے لیے

اپنے ساتھ لے کر چلے گئے، باقی بچ جانے والے گروپ کو اپنی باری کے انتظار میں بٹھا دیا تا کہ اگر ضرورت پڑے تو بلالیں گے یا زخمی اٹھانے کے لیے بٹھا دیا۔

جاتے ہوئے ذمہ داران نے یہ کہا کہ سامنے والے مکانوں میں صبح سے لڑائی چل رہی ہے۔ اس لیے باہر نکلتے ہوئے احتیاط کا دامن بالکل نہیں چھوڑیے گا ورنہ مشکل بن سکتی ہے۔ ساتھی چلے گئے۔ میں دوسرے گروپ میں شامل تھا۔ رات کا کافی حصہ بیت چکا تھا۔ تیمم کر کے عشاء کی نماز پڑھی۔ اپنی اپنی چادریں بچھا کر ہم سارے گروپ والے سو گئے۔ اللہ نے کرم کیا اس رات کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا، الحمدللہ۔ ساتھیوں نے اطمینان سے مکانوں کی تلاشی لی اور کچھ مکانوں کو کلیئر کرا کے واپس آگئے۔ رات اطمینان سے گزر گئی جب صبح ہوئی تو دیکھا داعشی بالکل سامنے والے مکانوں میں جنگ کر رہے تھے، گو کہ رات کو کچھ مکان کلیئر کروائے تھے مگر یہ اتنا پیچھے بھی نہیں ہٹے تھے!

دن کی تلاشی

اب دن کو پیچھے رہ جانے والے گروپ کی باری تھی۔ سامنے نظر آنے والے چند مکانوں کو دکھاتے ہوئے کماندان نے کہا ان مکانوں کی طرف چلے جاؤ ان مکانوں کی تلاشی لینی ہے۔ ہمارے گروپ کو بھیج دیا گیا جس میں ہم تقریباً پانچ لوگ تھے۔ ہم جس مکان میں رہ رہے تھے اس سے نیچے اترے تو نالے کا ٹھنڈا یخ پانی ہمارا منتظر تھا۔ بوٹوں اور جرابوں کو اتار کر اس خڑ (نالے) کو پار کیا۔ تھوڑی سی چڑھائی کے بعد ہم مکانوں کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ مکان میں تینوں اطراف میں ساتھیوں نے پوزیشنیں سنبھال لیں۔ مجھے اشارہ کیا اندر داخل ہو جاؤ۔ میں دبے قدموں اندر داخل ہوا پہلا کمرہ کھولا تو اس میں جابجا سامان بکھرا پڑا تھا؛ کپڑے، راشن، داعش کے رائج کردہ تعلیمی نصاب کی کتابیں، بچوں کے کھلونے، وغیرہ۔ لگتا تھا اس کے مکین انتہائی عجلت میں اس کو چھوڑ کر بھاگے ہیں۔ مجھے بار بار اس طالبان کے جنگی مسئول کی باتیں یاد آرہی تھیں کہ دشمن کو ہمارے اوپر نہ ہنسواؤ، تسلیم ہو جاؤ۔ لیکن جب انسان اپنی تباہی کے لیے خود ہی گڑھا کھود لے تو اس کی تباہی کو کون روک سکتا ہے؟

تلاشی کے دوران یہ بات بھی پتا چلی کہ داعشیوں میں کوئی پاکستانی فیملی رہ رہی تھی۔ اس کمرے کی تلاشی کے دوران ان کا جہل، غلو و تکفیر پر مبنی لٹریچر بھی ملا جس کو پڑھ کر میں سوچنے لگ گیا کہ یہ کس طرح کے لوگ ہیں کہ جن لوگوں کی ساری زندگیاں جہاد میں گزر گئیں انہی کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں، استغفر اللہ۔ اس کے بعد میں دوسرے کمروں میں بڑھ گیا اس مکان میں تین کمرے تھے تلاشی کے دوران کوئی خاص چیز نہیں ملی۔ اسلحے کے علاوہ ہمیں کسی چیز کو اٹھانے کی اجازت نہیں تھی (بعد میں جب خوراک کی ترسیل مشکل ہو گئی اور سردی بڑھ گئی تو داعش کے مکانوں میں موجود خوراکی اشیاء کے استعمال کی اجازت مل گئی)۔ میں نے طالبان کو اشارہ کر دیا وہ بھی میرے ساتھ تلاشی میں شریک ہو گئے۔ جب کچھ نہیں ملا تو ہم اس کو کلیئر کر کے اگلے مکان کی جانب بڑھ گئے اس مکان میں پہنچے تو ہمارے گروپ کا ایک حصہ ادھر پہلے ہی تلاشی لے رہا تھا۔ اس میں کافی سامان ملا جس میں ایک کلاشن، کئی خالی میگزین، کافی مقدار میں کلاشن کی گولیاں، گرنیڈ، میڈیکل سامان، بے شمار خوراکی مواد وغیرہ شامل تھا۔ اس مکان کی تلاشی کے دوران خواتین کے لکھے کچھ خطوط بھی ملے جن کو پڑھ کر میں بہت غمگین ہوا۔ مجھے بار بار غصہ آرہا تھا ان بے وقوفوں پر اور ان کے مردوں پر جو جہل و غلو کے راستے پر چل پڑے تھے۔ ان کے ساتھ ان کے بیوی بچے تھے۔ طالبان ان کو بار بار کہتے تھے کم از کم ان کا خیال تو کر لو۔ میں سوچنے لگا، یا اللہ! ہمیں اپنی عافیت میں رکھ۔ ان کا دنیا کی آسائشوں کو چھوڑنا، والدین کی جدائی، ان پہاڑوں میں رہنا، اس کے باوجود شیطان کے ہاتھوں استعمال ہونا اسی کو کہتے ہیں دنیا اور آخرت کا خسارہ۔ (بعض حضرات سے سننے کو ملا کہ زابل کی جنگ میں داعشیوں نے اپنے آپ کو بچوں سمیت اڑایا تھا) یہاں پر بھی اس چیز کا زبردست امکان موجود تھا۔ یہ یورپ سے آنے والی کسی فیملی کا مکان تھا کیونکہ مکان کا حلیہ اور مکان میں موجود سامان واضح اس کی چغلی کھا رہا تھا کہ یہ کسی باہر کے ڈاکٹر کا مکان تھا (یہ تو بعد میں پتا چلا کہ وزیر و تنگی میں موجود ہسپتال کو ان کے پاس موجود غیر ملکی ڈاکٹر چلاتے تھے)۔

ابھی ہم اس ڈاکٹر کے مکان کی تلاشی لے ہی رہے تھے کہ اچانک داعشیوں کی طرف سے داغا گیا ہاون / مارٹر کا گولہ بالکل قریب آکر پھٹا۔ اللہ نے عافیت والا معاملہ کیا کہ اس دفعہ بچت ہو گئی۔ ہم نے اس کے بعد ایک دو اور مکانوں کی بھی تلاشی لی۔ ہم دوبارہ واپس اس جگہ لوٹ آئے۔ پورا دن اس مکان کے اندر گزارا۔ شام کو آگے پیش قدمی کا امر آگیا۔ دیگر طالبان کے ساتھ ہمارے ساتھیوں نے بھی آگے پیش قدمی کی۔ کہا گیا تھا کہ تمام طالبان ایک مکان میں جمع ہو جائیں جو صبح ہی داعشیوں سے بازیاب کرایا گیا تھا۔ ہم نے مغرب کی نماز اپنے مقام کے بالکل قریب ادا کی۔ مغرب کی نماز کے بعد ہم اس مکان میں پہنچ گئے جہاں تمام طالبان جمع تھے۔ جب ادھر پہنچے تو پتا چلا جن مکانوں میں داعشیوں سے صبح جنگ چل رہی تھی ان مکانوں کی طرف پیش قدمی کا ارادہ ہے۔ طالبان کو دو گروپوں میں تقسیم کر دیا گیا، ایک کو آگے بھیج دیا ایک کو پیچھے اسی مکان کے اندر کسی مشکل پیش آنے کی صورت میں بٹھا دیا گیا۔ روانگی سے پہلے تمام طالبان کو کھانا تقسیم بھی کیا گیا۔ پورا دن ہو گیا تھا کھانا نہیں کھایا تھا۔ بھوک اپنا صحیح زور دکھا رہی تھی۔ فی کس ایک روٹی تھوڑا سا ابلا ہوا گوشت لفافے میں پیک تھا، وہ ہر ساتھی نے جا کر اپنا حصہ لے لیا۔ کھانا کھانے کے بعد طالبان کا پہلا دستہ روانہ ہو گیا۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

بھائی برہان مجید کوکا شہید (ابو بکر شوپیانی) کی شخصیت اور یادیں

محمدؒ مقبول

۱۱ جولائی کا دن تھا کہ مجھے اطلاع ملی کہ ۱۳ جولائی (جو کہ یہاں کشمیر میں یوم شہدا کے نام سے موسوم ہے) کو آپ کو بذریعہ برہان بھائی وصول کیا جائے گا۔ یہ میرے لیے بہت قیمتی دن تھا، جس کا مجھے برسوں سے انتظار تھا۔ خوشی سے میں پھولے نہ سما رہا تھا۔ دو دن کا یہ انتظار بھی عجیب تھا، میں دن کو سوچتا کہ رات کب آئے گی اور رات کو سوچتا کہ کب یہ رات گزرے گی اور اگلا دن طلوع ہو گا۔ اللہ کے فضل و کرم سے ۱۳ جولائی کا دن آ ہی گیا۔ میں صبح گھر سے نکلا اور ایک جگہ پہنچ کر انتظار کرنے لگا کہ کب مجھے اطلاع ملے گی کہ کہاں آنا ہے؟ بارہ بجے کے قریب مجھے اطلاع ملی کہ ظہر کی نماز کے بعد دو بھائی آپ کو لینے کے لیے آنے والے ہیں لہٰذا تیار رہیں۔ لیکن میں تو دو دن پہلے سے ہی تیار تھا الحمدللہ، سو میں نے واپس اطلاع بھیجی کہ ان شاء اللہ میں تیار ہوں۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد میرا ان بھائیوں کے ساتھ رابطہ ہوا جو مجھے لینے آئے تھے۔ ان میں سے ایک ضرار بھائی تھے، جو بعد ازاں اللہ سے کیا وعدہ نبھا گئے اور سورۃ البقرۃ کی آیت (شہدا کو مردہ مت کہو......) کے مصداق بن گئے۔ انہوں مجھے اپنے ساتھ لیا اور بتایا کہ عشاء سے کچھ وقت پہلے برہان بھائی سے ملاقات ہو گی۔ میں بہت بے صبری سے انتظار کر رہا تھا۔ تین بجے سے لے کر عشاء تک کا یہ وقت گزارنا میرے لئے بہت کٹھن تھا لیکن اللہ نے دست گیری فرمائی اور مغرب کا وقت آ گیا۔ مغرب کی نماز کے بعد ہم نے کھانا کھایا اور اپنا سامان اٹھا کر برہان بھائی کی طرف چلے۔ عشاء کے وقت ہم برہان بھائی کے پاس پہنچے۔ ان کے ساتھ ایک اور ساتھی بھی تھے، مسلم بھائی، جو بڑے حلیم اور بردبار ساتھی تھے اور پھر وہ بھی حمزہ بھائی کے ساتھ ہی اپنے رب سے کیا وعدہ نبھا گئے۔ سلام دعا کے بعد ہم تھوڑی دیر تک وہیں پر رکے رہے اور پھر ایک انصار کے گھر کی طرف اپنا سفر شروع کیا جہاں ہم نے رات گزارنی تھی۔ راستے میں بات چیت ہوئی۔ سب سے پہلی بات جو برہان بھائی نے پوچھی وہ یہ تھی کہ علمِ دین کتنا حاصل کیا ہے؟ جب میں نے انہیں بتایا کہ میں اس سال مشکوٰۃ کا طالب علم تھا تو بہت زیادہ خوش ہوئے اور ایک تاریخی بات کہی کہ 'بھائی! علمِ دین ہی سب کچھ ہے، اسی کے ذریعے اچھے اور برے کی پہچان ہوتی ہے'۔ چلتے چلتے ہم ایک جگہ پہنچے تو برہان بھائی رحمہ اللہ نے کہا کہ بھائی! یہ ایمبش پوائنٹ ہے (جہاں دشمن کمین لگاتا ہے)، اس لیے یہاں احتیاط سے اور فاصلہ رکھ کر چلنا، بات بالکل بھی نہیں کرنی۔ برہان بھائی آگے آگے تھے، ان کے پیچھے میں اور میرے پیچھے مسلم بھائی۔ ایمبش پوائنٹ کراس کرنے کے بعد ہم انصار کے گھر پہنچے اور نمازِ عشاء ادا کی۔ برہان بھائی رحمہ اللہ نے کہا کہ بھائی! آپ سو جائیں، رباط (پہرے) پہ میں خود بیٹھوں گا۔ مسلم بھائی نے اصرار کیا کہ میں پہرہ دیتا ہوں تو برہان بھائی نے منع کیا اور ان سے کہا کہ آپ آرام کریں میں خود رباط پہ بیٹھتا ہوں اور وہ خود ہی رباط میں رہے رات بھر۔ پھر صبح ہمیں اٹھایا تو نماز وغیرہ پڑھ کر ہم نے ناشتہ کیا اور دن بھر وہیں ٹھہرے رہے پھر وہاں سے نکل کر ہم دوسری جگہ گئے۔ میں نے پہلے دن ہی محسوس کر لیا کہ برہان بھائی رحمہ اللہ ہر معاملہ میں بہت زیادہ حسّاس ہیں۔

پہلے پہل برہان بھائی بہت زیادہ کام میں مصروف رہتے تھے اور ان سے زیادہ بات نہیں ہو پاتی تھی۔ پھر جب ایک اور تنظیم سے سے لقمان بھائی ہمارے ساتھ آ ملے تو برہان بھائی کی مصروفیت بھی تھوڑی سی کم ہو گئی اور پھر ان سے بات چیت بھی ہو جاتی تھی۔ لقمان بھائی بس بنیادی منہج سے واقف تھے۔ ایک مرتبہ برہان بھائی انہیں اپنا منہج سمجھا رہے تھے، وضاحت کرتے ہوئے برہان بھائی نے کہا کہ پاکستانی فوج نے ہی خلافت عثمانیہ کو گرانے میں صلیب کی مدد کی، تو لقمان بھائی حیران ہوئے اور کہا: بھائی! تب تو پاکستان تھا ہی نہیں! پھر برہان بھائی نے انہیں بہت اچھے طریقے سے سمجھایا کہ بھائی! پاکستان کی فوج ہی پہلے انگریز کی فوج تھی اور رائل انڈین آرمی ہی تقسیم ہند کے وقت تقسیم ہو کر پاکستان آرمی اور انڈین آرمی بن گئی۔ پاکستان کا پہلا آرمی چیف جو تھا، جنرل سر فرانک میسروی، عیسائی تھا اور سلطنت برطانیہ کا نائٹ کمانڈر بھی تھا۔ اس نے خلافت عثمانیہ کے خلاف جنگ میں بھرپور حصہ لیا۔ پاکستان میں اس کا دور ملازمت ۱۹۴۷ء سے ۱۹۴۸ء تک رہا ہے۔ اسی طرح پاکستان کا دوسرا آرمی چیف، سر ڈگلس گریسی (پاکستان میں دور ملازمت ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۱ء)، پاکستان بحریہ کا پہلا کمانڈر ان چیف جیمز جیفرڈ (۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۳ء)، پاکستان کی فضائیہ کا پہلا چیف ایئر وائس مارشل ایلن پیری کین (۱۹۴۸ء سے ۱۹۴۹ء)، انڈیا اور پاکستان آرمی کا مشترکہ سپریم کمانڈر فیلڈ مارشل سر کلاڈ اکنگ (اگست ۱۹۴۷ء سے نومبر ۱۹۴۸ء)، پاکستان کا پہلا وزیر اقتصادیات و شماریات سر کٹر ٹرنر (دور ملازمت ۱۹۴۸ء تا ۱۹۵۱ء)...... یہ سب کے سب نہ صرف یہ کہ عیسائی اور سلطنت برطانیہ کے نائٹ کمانڈر تھے بلکہ ان سب نے ہی پہلی جنگ عظیم میں خلافت عثمانیہ کے خلاف بھرپور حصہ لیا تھا۔ لقمان بھائی رحمہ اللہ یہ تفصیل سن کر بہت حیران ہوئے اور اللہ کے فضل و کرم سے متفق بھی ہوئے۔

برہان بھائی حصول علم کی تلقین بار بار کیا کرتے تھے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بنی آدم از علم یاد با کمال
نہ از حشمت و جاہ و مال و متاع

یعنی اولادِ آدم علم سے ہی کمال پاتی ہے، نہ کہ دبدبے اور مرتبے اور مال و اسباب سے!

چو شمع از پئے علم باید گداخت
کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

یعنی علم کے حصول کے لیے موم بتی کی طرح پگھلنا چاہیے، کہ علم کے بغیر اللہ تعالیٰ کی معرفت
حاصل نہیں ہو سکتی یعنی اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانا جا سکتا!

یہی وجہ ہے کہ برہان بھائی رحمہ اللہ بار بار حصولِ علم کی تلقین کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اخلاص عطا کیا تھا۔ ایک مہینے تک میں اور برہان بھائی رحمہ اللہ ساتھ رہے۔ لقمان بھائی کو میں نے کبھی بھی فارغ بیٹھا نہیں دیکھا۔ ہر وقت وہ تلاوتِ قرآن میں یا کوئی کتاب پڑھنے میں مصروف رہتے تھے۔ اسی دوران ضرار بھائی کو بھی ایکٹو (فعال) کرنا تھا۔ پریشانی یہ تھی کہ اگر ان کو ایکٹو کیا بھی جائے تو کس کے ساتھ بھیجا جائے کیونکہ ہر گروپ میں تین تین ساتھی پہلے سے ہی موجود تھے۔ پھر برہان بھائی اور لقمان بھائی رحمہما اللہ نے مشورہ کیا کہ عمر بھائی، لقمان بھائی اور ضرار بھائی دوسری طرف جائیں گے (پھر ضرار بھائی اسی دن ایکٹو کیے گئے)۔ جب یہ مشورہ طے پایا تو برہان بھائی نے مجھے خط لکھنے کو کہا۔ میں نے حمزہ بھائی کو خط لکھا کہ عمر بھائی کو ہمارے پاس بھیج دیا جائے۔ ان کا جواب آتے ہی برہان بھائی نے ترتیب بنائی کہ کہاں پر اور کس طرح عمر بھائی کو ریسیو کرنا ہے۔ اس کے بعد عمر بھائی علیہ الرحمۃ ہمارے پاس پہنچے۔ میری پہلی ملاقات تھی ان کے ساتھ۔ وہ بڑے پیار سے میرے ساتھ پیش آئے۔ بڑے رفیق و شفیق ساتھی تھے۔ جو ترتیب بنائی گئی تھی ان ساتھیوں کے دوسری طرف جانے کی وہ ایک لمبا سفر تھا۔ لقمان بھائی کو ذمہ دار مقرر کیا گیا۔ مسئلہ یہ تھا کہ لقمان بھائی کو، جس علاقہ میں ہم تھے وہاں سے، پورا راستہ معلوم نہیں تھا۔ پھر برہان بھائی نے کہا کہ ہم دونوں بھی ان کے ساتھ جاتے ہیں اور انہیں وہاں چھوڑ کر واپس آجائیں گے۔ چونکہ رات کا سفر تھا لہٰذا شام کے فوراً بعد ہم نے استخارہ کیا اور سفر شروع کیا۔ ہم رات کے گیارہ بجے ایک جگہ پہنچے۔ برہان بھائی نے کہا کہ ہم رات کو یہیں رکتے ہیں۔ ابھی اسی پریشانی میں کہ یہ علاقہ ایسا ہے کہ ہمارا یہاں کوئی جاننے والا بھی نہیں ہے، ہم بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ ایک بھائی کا وہاں سے گزر ہوا۔ میں نے اس کو بلایا اور کہا کہ کہاں کے رہنے والے ہیں آپ؟ اس نے کہا کہ میں یہیں کا ہوں۔ برہان بھائی کو وہ پہچان گئے۔ برہان بھائی نے ان سے پوچھا کہ کیا رات کے لیے جگہ مل سکتی ہے؟ اس نے کہا: کیوں نہیں! ہمارے یہاں آجائیں۔ انہوں نے اشارہ کر کے کہا کہ وہ ہمارا گھر ہے۔ عالی شان بنگلہ تھا، ماشاء اللہ۔ کہا کہ آپ اس طرف سے چلیں میں دوسری طرف سے جا کر اُس طرف کا گیٹ کھولتا ہوں۔ جب انہوں نے گیٹ کھولا تو ہم نے دیکھا کہ وہ سب گھر والے ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔ جب اندر گئے تو سب گلے ملے اور بہت زیادہ پیار سے پیش آئے۔ انہوں ہمیں اندر بلایا اور بہت زبردست مہمان نوازی کی، اللہ تعالیٰ انہیں اس کا نعم البدل عطا فرمائیں۔ وہ تین چار بھائی تھے۔ ان میں سے ایک بھائی برہان بھائی کو پہچانتے تھے کہ یہ ذاکر موسیٰ بھائی کا ساتھی ہے۔ انہوں نے کہا ماشاء اللہ! شریعت یا شہادت والے ساتھی پہلی مرتبہ دیکھے ہیں آج۔ پھر ان سے طویل گفتگو ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ ذاکر موسیٰ بھائی نے جو نظریہ دیا ہے وہ بالکل صحیح ہے لیکن پاکستانی ایجنسیوں کے خلاف جو کہا وہ میرے خیال سے ابھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ نے کفار سے بھی مدد لی ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ بالکل لی ہے لیکن کیا ان کے مفاد کی خاطر اللہ کے نبی ﷺ نے کبھی اپنی دعوتِ حق چھوڑی؟ کیا کبھی یہ کہا کہ یہ کفار اچھے ہیں کیونکہ یہ ہماری مدد کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ میں نے کہا کہ پاکستانی ایجنسیوں نے مدد کی لیکن اپنے مفاد کی خاطر کی۔ جب مفاد ختم ہوا تو تنہا چھوڑ دیا۔ آپ سنہ ۲۰۰۱ء کی مثال لے لیں کہ جب امریکہ نے ان سے کہا کہ کس کا ساتھ دو گے؟ تو پاکستانی جرنیلوں نے کیا کیا؟ مجاہدین کے کیمپوں کو بند کر دیا، ان کو گرفتار کیا اور ان پر تشدد کیا۔ جہادِ کشمیر اس وقت عروج پر تھا، لیکن زوال پذیر ہو گیا؛ کس نے گرایا اسے؟ انہوں نے کہا کہ پاکستانی ایجنسیوں نے۔ میں نے کہا: تو یہ کون سی مدد ہوئی؟ اسی طرح میں نے کہا کہ پاکستان نے یہاں کے مخلص مجاہدین کو اپنے مفاد کی خاطر استعمال کیا، ان کے جذبات کے ساتھ کھلواڑ کیا۔ میں نے پھر ان سے کہا کہ بھائی! اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اہلِ علم اور اہلِ نظر سے پوچھو۔ بغیر علم کے کوئی بات کہنا گناہ سے کم نہیں۔ پھر اللہ کے فضل و کرم سے انہیں منہج شریعت یا شہادت سمجھانے کا شرف حاصل ہوا۔ وہ بہت زیادہ خوش ہوئے اور کہا کہ آپ ہمارے یہاں دس دس پندرہ پندرہ دنوں کے لیے آیا کریں۔ پھر ہم نے وہاں سے اگلے دن مغرب کے وقت سفر شروع کیا لیکن مسئلہ یہ ہوا کہ آگے کا راستہ صحیح معلوم نہ تھا۔ اتفاقاً ایک بھائی ملا اور برہان بھائی کو دیکھ کر بہت زیادہ خوش ہوا اور کہا کہ ہمارے یہاں ٹھہریں۔ ہم نے معذرت کی اور علاقے کا نام بتاتے ہوئے پوچھا کہ بھائی! کیا آپ راستہ بتا سکتے ہیں؟ اس نے کہا: کیوں نہیں! مجھے سب راستے معلوم ہیں۔ لہٰذا اسی بھائی کو ہم نے ساتھ لیا۔ ایک جگہ لقمان بھائی دریا میں گر گئے تو سب ساتھی ان کی طرف واپس چلے۔ وہ اوپر سے نیچے تک پورے گیلے ہو گئے۔ میں ان کے ساتھ ہی چل رہا تھا تو میں نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور چلنے لگا۔ مجھے ہنسی بھی آرہی تھی کیونکہ ان کا جوتا اتنا بھاری تھا، اوپر سے جب پانی اندر چلا گیا تو اور زیادہ بھاری ہو گیا۔ تھوڑی دیر رک کر ہم پھر چلنے لگے اور ایک جگہ پہنچے۔ ایک طرف فوج چیکنگ کر رہی تھی۔ ہم راستہ تھوڑا سا بدل کر جانے لگے تو اس طرف بھی فوج کی کیسپر گاڑی تھی لیکن نکلنے کا راستہ بھی صرف یہی ایک تھا۔ برہان بھائی، میں اور وہ راستہ بتانے والا بھائی سب سے آگے تھے۔ وہ بھائی رکا اور برہان بھائی اور میں آگے روڈ کراس کرنے لگے۔ وہ بھائی، لقمان بھائی، ضرار بھائی اور عمر بھائی پیچھے رکے ہوئے تھے۔ جب ہم نے روڈ کراس کر لی تو کچھ منٹ بعد ان ساتھیوں نے بھی روڈ کراس کر لی۔ فوج کے بیچ سے اللہ کے فضل سے نکلنے میں کامیاب ہوئے اور آگے سفر شروع کیا۔ تھوڑا آگے چل کر میرا بھی پیر پھسلا اور دریا میں جا گرا تو سب ساتھی ہنسنے لگے۔ سردی بھی بہت تھی لیکن ہم نے آگے سفر جاری رکھا یہاں تک کہ تہجد کا وقت ہو گیا۔ برہان بھائی نے کہا کہ ہم کسی کے یہاں دن کو رک سکتے ہیں۔ سب ساتھیوں نے کہا کہ تھوڑا اور چلتے ہیں لیکن برہان بھائی تھک چکے تھے، کہا کہ اب چلنا دشوار ہے تو ساتھیوں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ پتھروں پر چلنے سے انسان بہت زیادہ تھک جاتا ہے اس لیے سب ساتھی ہی تھکے ہوئے تھے۔ ہم ایک باغ میں بیٹھ گئے۔ تھکاوٹ کی وجہ سے سب ساتھیوں کو نیند آنے لگی۔ میں اور عمر بھائی بیدار رہے اور ساتھی پانچ دس منٹ کے لیے سو گئے۔ پھر ہم نے جگایا اور کہا کہ اگر روشنی ہو گئی تو چلنا دشوار ہو جائے گا اس لیے

ابھی چلتے ہیں کسی کے گھر۔ ہم نے ایسے ہی ایک مقامی انصار کا دروازہ کھٹکھٹایا اور ان سے کہا کہ ہم مجاہدین ہیں۔ لیکن اس علاقے میں کچھ عرصہ پہلے ہی فوج نے کسی کا دروازہ کھٹکھٹایا تھا اور کہا تھا کہ ہم مجاہدین ہیں۔ جب اس نے دروازہ کھولا تو فوج نے اس کو بہت مارا کہ تم مجاہدین کو جگہ دیتے ہو۔ اس لیے اب سب ڈر رہے تھے اور اسی وجہ سے وہ انصار دروازہ نہیں کھول رہے تھے۔ جب ہم نے دو چار مرتبہ کہا کہ ہم مجاہدین ہی ہیں تب انہوں نے دروازہ کھولا۔ ہم اندر گئے۔ وہ تین بھائی تھے۔ ان میں سے ایک شادی شدہ تھے اور ان کا دوسرا امکان تھا، یہ چھوٹا بھائی ہمیں وہیں لے کر گیا۔ وہاں ہم نے نماز پڑھی، ناشتہ کیا اور سو گئے اور وہ دونوں بھائی رباط میں رہے۔ پھر شام تک انہی کے یہاں رکے اور مشورہ ہوا کہ لقمان بھائی اب یہاں سے اسی گھر والے کو ساتھ لے کر آگے جائیں گے اور ہم واپس چلے جائیں گے۔ واپسی پر میں اور برہان بھائی اسی بھائی کے یہاں رات کو رکے جو ہمارے ساتھ تھا۔ پھر اگلے دن ہم نے اپنا سفر شروع کیا اور اللہ کے فضل و کرم سے اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئے۔

برہان بھائی رحمہ اللہ ایک مرتبہ فرمانے لگے، بھائی! مجھے ریا کے متعلق آپ بتاؤ۔ پھر ہم نے ریا سے متعلق بہت بات کی۔ لیکن ان کا یہ کہنا کہ 'امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ریا شرکِ اصغر ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شرک کے علاوہ ہر وہ گناہ معاف کر دوں گا، جو چاہوں گا' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ متقی اور پرہیز گار تھے اور عاقل بھی۔ بقول شیخ سعدی جس نے اپنے آپ کو تکبر سے بچایا وہی عقل مند ہے۔ فرماتے ہیں:

تکبر ز دانا بود نا پسند
غریب آید ایں معنی از ہوشمند

اللہ تعالیٰ نے برہان بھائی رحمہ اللہ کو بہت سے اوصاف سے نوازا تھا۔ آپ ساتھیوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اگرچہ ہمارے امیر تھے لیکن ہمیں کبھی محسوس نہیں ہونے دیا کہ وہ ہمارے امیر ہیں۔ دوست کی طرح بات کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ جو بھی من کرے وہ مجھے بتایا کریں۔ ایک مرتبہ میں تھوڑا سا بیمار تھا، الرجی ہوئی تھی، جب برہان بھائی رحمہ اللہ کو پتا چلا تو کہا: ذرا مجھے دکھاؤ۔ مجھے شرم آئی تو کہنے لگے: بھائی! آپ جب مجھ سے بھی شرماؤ گے تو کس سے کہو گے؟ پھر کہنے لگے کہ اگر ہمیں کچھ بھی ہوتا تھا تو ہم موسیٰ بھائی رحمہ اللہ سے کہہ دیا کرتے تھے، اسی طرح آپ بھی مجھے بتایا کرو۔ جب کبھی بھی کوئی چیز کہیں سے ان کے لیے ہدیہ آتی تو اسے خود استعمال کرنے کی بجائے ساتھیوں کو دے دیتے۔ اگر کوئی بھی ساتھی نہیں لیتا تھا تب اگر انہیں اس چیز کی حاجت ہوتی تو خود استعمال کرتے اور اگر حاجت نہ ہوتی تو ہدیہ فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں سخی بنایا تھا اور سخی ہونا بھی اللہ کے ہاں بہت بڑا مقام ہے اور سخاوت نیک انسان ہی کرتا ہے جیسا کہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سخاوت کند نیک بخت اختیار
کہ مرد از سخاوت شود بختیار

یعنی سخاوت نیک بخت اختیار کرتا ہے، کیونکہ مرد سخاوت سے بخت والا ہوتا ہے۔

سخاوت بود کار صاحب دلاں
سخاوت بود پیشہ مقبلاں

یعنی سخاوت دل والوں کا کام ہے اور سخاوت تو نیک بختوں کا طریقہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی محبت ہمارے دلوں کے اندر پیوست فرمادی تھی۔ ایک مرتبہ مجھے اور عابد بھائی کو انہوں نے ایک کام کے لیے بھیجا اور ساتھ ہی یہ کہا کہ رات باہر گزارنا، کسی گھر میں نہ رکنا، وہ علاقہ تھوڑا خطرناک ہے۔ ان دنوں برف پڑی ہوئی تھی۔ کام ختم کرنے کے بعد ہم ایک جگہ برف پر ہی بیٹھ گئے۔ رات وہیں پر گزارنی تھی۔ نہ ہمارے پاس سینکنے کے لیے کانگڑی[1] تھی نہ کچھ اور۔ یہاں عابد بھائی رحمہ اللہ کو بہت زیادہ سردی لگی اور وہ کپکپانے لگے اور اسی وقت بارش بھی شروع ہوگئی۔ عابد بھائی نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور کہنے لگے: یا اللہ! ہمیں بہت سردی لگ رہی ہے، اب بارش کو نہ برسائیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سن لی۔ پھر عابد بھائی کہنے لگے کہ مجھے برہان بھائی رحمہ اللہ کی یاد آرہی ہے اور میں جب سے میدان میں آیا ہوں پہلی مرتبہ برہان بھائی سے دور رات گزاری ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ ان کی یاد تو مجھے بھی آرہی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ میرے دل میں برے خیالات آنے لگے۔ میں نے عابد بھائی سے کہا کہ کہیں وہ شہید تو نہیں ہوگئے؟ وہ بھی کہنے لگے کہ مجھے ایسا ہی لگتا ہے۔ ہم اللہ سے دعا کرنے لگے کہ یا اللہ! یہ رات جلدی سے گزار دیجیے تاکہ ہم جلدی برہان بھائی رحمہ اللہ کے پاس پہنچیں اور دیکھیں کہ وہ خیریت سے ہیں۔ جب صبح ہوئی تو ہم نے واپسی کا سفر شروع کیا اور برہان بھائی کے پاس پہنچے۔ جب انہوں نے ہمیں دیکھا تو بہت خوش ہوئے، گلے سے لگایا اور کہنے لگے کہ میں کل سے بہت پریشان تھا کہ نجانے آپ لوگ کس حال میں ہوں گے۔ پھر ہم نے جب چوبیس گھنٹوں کی کارگزاری سنائی تو کہا کہ یہ تو راستہ ہی ایسا ہے، اس میں یہ چھوٹی چھوٹی تکلیفیں پہنچتی رہتی ہیں۔ ہم نے تو اللہ کے دین کے خاطر ان شاء اللہ سب کچھ قربان کرنے کا عزم کیا ہوا ہے۔ ابھی تو ہم نے کچھ بھی نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے مرتبے کو تواضع کہ وجہ سے بلند فرمایا تھا کیونکہ تواضع ہی وہ چیز ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ بندے کو بلند مرتبہ عطا فرماتے ہیں

ع تواضع زیادت کند جاہ را

بہت زیادہ حوصلہ دیتے تھے ساتھیوں کو اور کبھی بھی ان کا حوصلہ کم نہیں ہوا۔ وہ ایک بات کہی ہے کسی نے بہت خوب، کامیاب لوگ اپنے فیصلوں سے دنیا کو بدل دیتے ہیں اور کمزور لوگ دنیا کے ڈر سے اپنے فیصلے بدل دیتے ہیں۔ کبھی برہان بھائی نے کسی بھی وجہ سے اپنا فیصلہ نہیں بدلا

[1] ایک چھوٹی سی مٹی کی انگیٹھی جسے کشمیر میں لوگ گلے میں لٹکاتے ہیں۔

چاہے وہ ان کے گھر پہ کفار کا وحشیانہ دھاوا بولنا ہو یا ان کے گھر والوں کو گرفتار کرنا ہو۔ کبھی بھی ان کے عزائم میں تبدیلی نہیں آئی، چاہے موسیٰ بھائی کی شہادت کا غم تھا یا ہارون عباس رحمہ اللہ کی شہادت کا۔ یہی ان کے کامیاب ہونے کی سب سے بڑی دلیل تھی۔

برہان بھائی رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے ذہنی صلاحیت بہت زبردست عطا فرمائی تھی۔ جب جہانگیر بھائی اور عذیر امین رحمہا اللہ نے پیغام بھیجا کہ ہم اپنی تنظیم سے نکل چکے ہیں اور آپ کے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہیں، اس لیے ہمیں ریسیو کرلیں۔ انہوں نے اسی طرح دو چار مرتبہ پیغام بھیجا۔ برہان بھائی رحمہ اللہ نے ساتھیوں سے رائے لی کہ کیا کرنا چاہیے؟ ریسیو کریں ان کو یا نہیں؟ ہر ساتھی نے اپنی اپنی رائے دی۔ میں نے بھی اپنی رائے پیش کی۔ پھر برہان بھائی رحمہ اللہ نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ ان کو ریسیو کرنا چاہیے لیکن ایسے نہیں۔ پہلے ہم ان سے پوری تفصیل بھیجنے کو کہتے ہیں ویڈیو کے ذریعے کہ کیوں آپ نے تنظیم کو چھوڑا۔ کیونکہ بعض لوگ پھر بعد میں اعتراض کرتے ہیں کہ یہ ذاتی معاملات کی بنا پر تنظیم سے الگ ہوئے ہیں نہ کہ کسی نظریے کی بنیاد پر۔ سب نے کہا کہ بالکل صحیح فرمایا آپ نے۔ پھر برہان بھائی رحمہ اللہ نے مجھ سے کہا کہ خط لکھیں آپ ان بھائیوں کو۔ میں نے خط لکھا اور بھیج دیا۔ پھر کچھ دن بعد جہانگیر بھائی رحمہ اللہ کا ویڈیو پیغام آیا۔ ویڈیو آنے کے کچھ دن بعد ہم نے انہیں ریسیو کیا اور پھر برہان بھائی رحمہ اللہ نے ان سے پوری تفصیل سنی کہ بھائی آپ ہمارے ساتھ کیوں آئے؟ آپ کو ہم میں اور ان میں فرق کیا لگا؟ پھر جہانگیر بھائی اور عذیر بھائی نے پوری تفصیل بتائی کہ کیا وجوہات تھیں کہ ہم نے اپنی تنظیم کو چھوڑا۔

برہان بھائی رحمہ اللہ نے مجھ سے کہا کہ ان بھائیوں کے سامنے آپ منہج پر بات کریں کہ ہمارا منہج ہے کیا اور ہم نے باقی سب سے اعلان براءت کیوں کیا۔ سردیوں کا موسم تھا، برف بھی پڑی ہوئی تھی اور ہم باہر دشت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے اپنی بات شروع کی اور منہج شریعت یا شہادت کو اپنے علم کے اعتبار سے واضح کرنے کی کوشش کی۔ بات ختم ہوتے ہی برف پڑنی شروع ہوگئی لیکن اللہ کا کرم ہوا کہ تھوڑی دیر بعد ہی رک گئی۔ پھر عذیر بھائی نے کچھ مسائل پوچھے۔ اسی کے ساتھ فجر کا وقت ہوگیا۔ مجھ سے برہان بھائی رحمہ اللہ نے کہا کہ آپ جہانگیر بھائی، عذیر بھائی اور عابد بھائی کو اپنے ساتھ لے جائیں پھر رات کو ہم ملتے ہیں۔ میں انہیں لے کر ایک انصار کے گھر چلا گیا اور ہم ناشتہ کرکے سوگئے، پھر شام کو واپس برہان بھائی رحمہ اللہ کے پاس پہنچے۔ انہوں نے طے کر رکھا تھا کہ جہانگیر بھائی کے ساتھ عابد بھائی کو بھیجتے ہیں اور عذیر بھائی کو ہم اپنے ساتھ رکھیں گے۔ پھر اگلے دن انہیں بھیجا اور دس پندرہ دن کے بعد کچھ وجوہات کی بنا پر واپس بلا لیا۔ دو تین دن تک ہم سب ایک ساتھ ہی رہے پھر برہان بھائی رحمہ اللہ نے مجھ سے کہا کہ آپ کو دوسری جگہ جانا ہے۔ میں نے کہا کہ ٹھیک ہے لیکن وہ لمحہ میرے لیے مشکل تھا کیونکہ سات مہینوں کے بعد برہان بھائی رحمہ اللہ سے الگ ہونا تھا۔ برہان بھائی رحمہ اللہ سے دور جانے کا بہت غم تھا لیکن اللہ نے سکینت اتاری اور میں دو دن بعد روانہ ہوا۔ برہان بھائی رحمہ اللہ کو بھی معلوم تھا کہ یہ الگ نہیں ہونا چاہتا ہے لیکن حالات کا تقاضا ہی یہی تھا اور جہاد کا بھی اور جہاد کے تقاضوں کو ہی ترجیح دینا لازم تھا۔ جب میں ٹھکانے پر پہنچا تو برہان بھائی رحمہ اللہ نے پیغام بھیجا کہ میں نے آپ کو اس لیے وہاں بھیجا ہے تاکہ اگر خدانخواستہ کچھ ہو بھی جائے تو ایک ساتھ نہ ہو۔ یہ دور ہونا تو آسان تھا لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ آگے اس سے بھی کٹھن مرحلہ آنے والا ہے۔

۴ رمضان المبارک، بمطابق ۲۸ اپریل، چار بج کر پانچ منٹ کا وقت تھا کہ اطلاع ملی کہ میلہورہ شوپیان میں فائرنگ ہو رہی ہے (میں اس گاؤں کا نام سن کر پہلے ہی ڈر رہا تھا کیونکہ اس سے کچھ دن پہلے ہی ہمارے بہت ہی عزیز چار ساتھیوں نے اپنے خون سے اس گاؤں کی سرزمین کو سینچا تھا)۔ میرا دل گھبرا گیا کہ کہیں برہان بھائی تو محاصرے میں نہیں آگئے۔ دعا کر رہا تھا کہ اللہ خیر کا معاملہ فرمائے۔ اطلاع ملی کہ برہان بھائی، عمر بھائی اور عمار بھائی ہی ان کاؤنٹر (مقابلے) میں ہیں۔ ہم سب ساتھی پریشان ہوگئے اور دعا کر رہے تھے کہ یا اللہ! کسی طرح انہیں نکال لیجیے۔ لیکن ان کے ایامِ زندگی اختتام کو پہنچ چکے تھے۔ بالآخر ۵ رمضان المبارک، دن کے گیارہ بجے اللہ کے یہ تینوں شیر رب سے کیا وعدہ نبھا گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان سب کی شہادت قبول فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے، انہیں انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین کا دائمی ساتھ عطا فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے اور اپنی رضا کے حصول کی جانب سبقت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

اعلان از ادارہ

مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' کے تمام معزز لکھاریوں سے التماس ہے کہ اپنے مضامین ہر ماہ کی تیس (30) تاریخ تک[1] مجلّے کی مجلسِ ادارت تک (بذریعۂ ای میل یا جو طریقۂ رابطہ کاری آپ سے طے ہو) پہنچا دیا کیجیے۔

شکریہ، جزاکم اللہ خیراً کثیراً!

[1] مثلاً اگر آپ اگست ۲۰۲۰ء کے شمارے کے لیے مضمون بھیجنا چاہتے ہیں تو اسے تیس (30) جولائی ۲۰۲۰ء تک مجلّے کی مجلسِ ادارت تک پہنچا دیجیے۔

شہادت رتبۂ اولیٰ محبت کے قرینوں میں!

انجنیئر محمد زوہیر قدوائی / حسین شہیدؒ کے بارے میں احساسات

عمر فاروق خراسانی

آپ کا اصل نام محمد زوہیر قدوائی تھا اور آپ کا تعلق شہر کراچی سے تھا۔ آپ نے جامعہ کراچی سے جیالوجی میں ماسٹرز کیا۔ دینی ماحول آپ کو اپنے گھر سے ملا۔ والدین کی بہترین تربیت اور پرورش کا ہی اثر ہے کہ جوانی کی دہلیز پہ قدم رکھتے ہی آپ اپنے اردگرد پھیلی لادینیت، بے راہ روی اور عصبیت کے بتوں سے بےزار تھے۔ آپ کی پاکیزہ روح کسی ایسی اجتماعیت کی تلاش میں تھی جہاں اسے قرار آ سکے۔ آپ نے ایک ایسی دینی جماعت کا انتخاب کیا جو عصبیت اور فرقہ پرستی سے پاک ہو کر اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کوشاں تھی۔ آپ نے ان کے ساتھ مل کر دین مبین کی جدوجہد میں حصہ لیا، آپ کی زندگی کا مقصد و مدعا انسانوں کو انسان کی غلامی سے نکال کر اللہ اور اس کے رسول کی غلامی میں دینا، اور اس دین اسلام کی سرفرازی بن گیا۔ آپ اس مقصد کے لیے دن رات جہد مسلسل میں شریک رہے۔

اگرچہ آپ اس تنظیم کے ساتھ مل کر رب کی رضا تلاشنے میں دن رات مصروف رہتے مگر آپ کا دل بس اتنی سی جدوجہد پہ مطمئن نہ تھا کیونکہ آپ کے سامنے فلسطین سے لے کر شیشان تک اور کابل سے کشمیر تلک امت محمدیہ کی مظلومیت اور ظلم کی چکی میں پستی امت کی حالت زار تھی۔ آپ کی روح کچھ ایسا کر گزرنے کی متمنی تھی کہ اس زندگی کا کفارہ ادا ہو جائے۔ اس کشمکش و پیچ میں زندگی کی گاڑی دوڑتی رہی اور آپ اپنی زندگی کو مختلف سمتوں میں گھماتے رہے۔ لیکن ایک مقصد کا حصول آپ کے دل و دماغ پہ چھایا ہوا تھا۔ برائٹ فیوچر کے ہوتے ہوئے بھی آپ کو کسی گمشدہ چیز کی تلاش تھی، یہاں تک کہ ملک پاکستان کے مرکز اسلام آباد سے اٹھنے والی شریعت یا شہادت کی صدا آپ کے کانوں تک پہنچی۔ شریعت تو پہلے بھی آپ کا مطمح نظر تھی مگر اس منزل کے حصول کی راہیں مسدود تھیں۔ بس تحریک شریعت یا شہادت نے جہاں ہزاروں دیگر لوگوں کو بھولا ہو فرض یاد دلایا اور منزل کے حصول کی راہ سجھائی وہیں آپ نے بھی اپنے مقصد کے حصول کا راستہ جان لیا۔

زوہیر بھائی کے دل میں دین اسلام سے محبت، جذبۂ جہاد اور شوق شہادت اگرچہ بچپن سے تھا مگر وہ ایسا کوئی مخلص گروہ نہیں پا رہے تھے جو طاغوتی ایجنسیوں سے پاک ہو کر، ملکی و قومی مفادات سے بالاتر ہو کر صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کے کلمے کو بلند کرنے کے لیے سرگرم ہو۔ اسی تلاش میں آپ سرگرداں رہے کہ کسی طرح اللہ کے ان مخلص بندوں سے رابطہ ہو جائے جو دین اسلام کے ہر شعبے پہ کاربند ہوں اور جو حقیقتاً زمین پہ اللہ کی شریعت کا نفاذ چاہتے ہوں۔ جن کی راتیں اللہ کے حضور اس امت کی سلامتی و فتح و نصرت کی دعاؤں میں گزرتی ہوں اور جن کی آنکھیں اس امت محمدیہؐ کے غم میں آنسوؤں سے تر رہتی ہوں، جو رات کے راہب اور دن کے شہسوار ہوں۔

اس وقت آپ ملک سے باہر خشک و تر سے معدنی وسائل نکال والے بین الاقوامی ادارے ہیلی بَرٹن (Halliburton) میں ملازمت کر رہے تھے۔ آپ کی تنخواہ اس وقت ڈیڑھ لاکھ روپے ماہوار سے زائد تھی۔ دنیا کی ہر سہولت آپ کو میسر تھی۔ دنیا کی رنگینیاں آپ کے قدم چوم رہی تھیں۔ یہ دنیا کہ جس کی خاطر بھائی بھائی کا دشمن بن جاتا ہے آپ کے جوتے کی نوک پہ تھی۔ دنیا کی بلند و بالا عمارتیں، لمبی لمبی گاڑیاں، نوکر چاکر سبھی کچھ تو تھا آپ کے پاس مگر نہیں تھا تو آپ کی بے قرار روح کو قرار میسر نہ تھا۔

پس آپ کی دعائیں ربِ رحمٰن نے سن لیں۔ آپ کا رابطہ آپ کے یونیورسٹی کے ایک دوست سے ہوا جو مجاہد فی سبیل اللہ تھا۔ اس نے آپ کو جہاد کی دعوت دی۔ گویا یہی وہ چیز تھی جسے آپ برسوں سے تلاش کر رہے تھے، یہی وہ راستہ تھا جس کی تلاش میں آپ کوشاں تھے۔ آپ کے پاکیزہ دل نے بلا تردّد اس دعوتِ حق کو قبول کیا۔ فیصلہ مشکل تھا۔ اک طرف سامانِ دنیا اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ آپ کی بانہوں میں سمایا ہوا تھا، پھر یہ محض رعنائی ہی نہ تھی بلکہ آپ کے بزرگ والد اور آپ کے گھر کو آپ کے سہارے کی بھی ضرورت تھی۔ دوسری طرف اللہ کا خوف، امت مسلمہ کا دفاع، سختیوں اور آزمائشوں سے پُر زندگی آپ کے استقبال کے لیے بانہیں پھیلائے کھڑی تھی۔

کیا دیوانگی ہے؟ کیا پاگل پن ہے؟ ایک پڑھا لکھا نوجوان ہوش و حواس میں ہوتے ہوئے بھی اپنے لیے اس راہ کا انتخاب کرتا ہے جو سختیوں اور آزمائشوں سے گھیری گئی ہے! یہ فیصلہ آپ کے لیے بالکل بھی مشکل نہیں تھا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ جنت کا راستہ یہیں سے ہو کر گزرتا ہے۔ راہِ حق پھولوں کی سیج تو نہیں ہے، یقیناً آزمائشیں اور سختیاں ایمان کا لازمی جزو ہیں۔

> ”کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انہیں یونہی چھوڑ دیا جائے گا کہ بس وہ یہ کہہ دیں کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ “ سورۃ العنکبوت: ۲

آپ نے بہت جلد ہی اس ملازمت کو ترک کر دیا اور اپنے ملک پاکستان آ کر جہاد فی سبیل اللہ کے عملی میدانوں میں اترنے کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ آپ ۲۰۰۸ء کے آخر میں خراسان کے گرم محاذوں پہ پہنچ گئے۔ آپ کا جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکلنے کا واقعہ بھی بڑا عجیب ہے۔

آپ کے ایک کزن نے مجھے بتایا کہ آپ جب جہاد فی سبیل اللہ کے لیے گھر سے نکل رہے تھے تو آپ کے ایک چھوٹے کزن جو کہ جذبۂ جہاد اور شوق شہادت کے شیدائی تھے (اللہ انہیں رہائی نصیب فرمائیں) نے آپ سے پوچھا کہ بھیا! کہاں کی تیاری ہے؟ تو آپ نے انہیں ازراہِ مذاق کہا

کہ 'رُشیا(روس) جارہاہوں ملازمت کے لیے'۔ یہ سن کر وہ کزن آپ سے لڑنے لگے اور آپ کو باتیں سنانے لگے کہ جب تک کالج اور یونیورسٹی میں تھے تو 'اسلامی انقلاب' اور 'تیری میری آرزو...... شہادت! شہادت!' کے نعرے لگایا کرتے تھے اب جب امت کو آپ کے خون کی ضرورت ہے تو آپ کفار کی چاکری کرنے جارہے ہیں؟ یہ کیسا ایمان ہے جو آپ کو اس دین کے دفاع کے لیے نہیں اکساتا؟ یہ کیسا عمل ہے جو آپ کو دین اسلام پہ مرمٹنے نہیں دیتا؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے کوئی جواب نہ دیا مگر گھر سے نکلتے ہوئے آپ نے گھر والوں سے کہا کہ فلاں کے پاس میرے پیسے ہیں، اگر وہ خود سے واپس کردے تو ان پیسوں سے اسے کلاشن کوف دلانا، مجھے یقین ہے کہ یہ مجاہد بنے گا۔

شہادت رتبۂ اولیٰ محبت کے قرینوں میں
یہ بھڑکی آگ اب اس ساری بستی کے مکینوں میں

شہادت ایک ایسا اعزاز ہے جس کی طلب و تمنا ہر مومن کے دل میں ہوتی ہے مگر حقیقتاً اس کے حصول کی جستجو میں بہت کم لوگ کوشاں ہوتے ہیں۔ شہادت جنت کا مختصر ترین راستہ ضرور ہے، مگر ساتھ ہی یہ انتہائی کٹھن بھی ہے۔ اس راستے پر انسان سے قدم قدم پر قربانی کا تقاضہ کیا جاتا ہے۔ کہیں تو گھر والوں کو چھوڑنا پڑتا ہے، تو کہیں نرم گرم بستروں سے دور رہنا پڑتا ہے، کہیں گھنٹوں کا پیدل سفر تو کہیں کئی کئی دنوں کا پیدل سفر کرنا پڑتا ہے، کہیں بھوک و پیاس کو برداشت کرنا پڑتا ہے، تو کہیں شدید گرمی میں غزوۂ تبوک کی یادیں تازہ ہوتی ہیں، کہیں خون منجمد کر دینے والی سردی احزاب کی یاد دلاتی ہے، تو کہیں اپنی ذات پہ اپنے بھائی کو ترجیح دینی پڑتی ہے کہ ایک گھونٹ پانی پینے پلانے کے لیے جان، جان آفریں کے سپرد کر دی جاتی ہے...، یہ کیسی راہ ہے جو انسان سے سب کچھ چھین لیتی ہے؟ ہاں! یہ جنت کی راہ ہے۔ جنت تو کانٹوں سے گھیر دی گئی ہے۔ یہ راہ ان مادی وسائل کے بدلے انسان کو جنت کی ابدی نعمتوں سے نوازتی ہے جہاں وہ سبھی کچھ میسر ہوتا ہے جس کی طلب و تمنا میں انسان اپنے رب کو بھول جاتا ہے۔ مگر اس سب کچھ کے باوجود بھی کچھ دیوانے شمعِ رسالت کے ایسے ہوتے ہیں جو اس آگ میں بے خوف و خطر کود پڑتے ہیں تاکہ لیلائے شہادت کو پاسکیں۔ آپ رحمہ اللہ کا شوق شہادت قابل دید تھا جس کا اندازہ اس چھوٹے سے واقعے سے ہو سکتا ہے۔

جس دن آپ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے گھر سے نکل رہے تھے تو آپ نے اپنی چھوٹی بہن، جس کی عمر دس گیارہ سال تھی، سے کہا: بہنا! عرفہ کے دن میرے لیے دعا کرنا۔ معصوم بہن گویا ہوئی، بھائی! یہ عرفہ کا دن کب آئے گا؟ بھائی بولے بقر عید سے پہلے آتا ہے۔ بھائی نے کہا کیا دعا کرو گی؟ بہن نے پوچھا کیا دعا کروں؟ تو آپ نے فرمایا بہن میرے لیے شہادت کی دعا کرنا کیونکہ عرفہ کے دن دعا قبول ہوتی ہے۔ بقر عید قریب آئی تو بچی ہر کسی سے پوچھتی پھر رہی ہے کہ عرفہ کا دن کب ہے؟ عرفہ کا دن کب ہے؟ گھر والوں نے بتایا تو معصوم بہن عرفہ کے دن رو رو کر دعا مانگ رہی تھی۔ جب دعا سے فارغ ہوئی تو کسی نے پوچھا بیٹا کس کے لیے دعا مانگ رہی تھیں؟ جواب ملا بھیا کے لیے۔ پھر پوچھا گیا کہ کیا دعا مانگی بھائی کے لیے؟ بھائی کی محبت سے سرشار بہن بولی میں نے بھائی کے لیے شہادت مانگی۔

سبحان اللہ! سچے دل سے دعا مانگی جائے تو قبول ہوتی ہے۔ ابھی ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ بہن کی دعا رنگ لائی۔ عید الاضحیٰ کے دن امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم سنت ابراہیمؑ کی ادائیگی میں مصروف تھی۔ وہیں کچھ اجنبی اللہ کے پیارے اپنے گھروں سے دور پہاڑوں اور جنگلوں میں اس امت کے کل کی خاطر جہاد اور فرضیت اعداد و رباط میں مصروف تھے۔ ارض خراسان وزیرستان میں مجاہدین کے لیے ایک نیا مرکز بنایا گیا۔ اس مرکز کو نئے مجاہدین کی ذہنی و دینی تربیت کے لیے بنایا گیا تھا۔ عید الاضحیٰ کے چوتھے دن رات میں مجاہدین اس مرکز میں داخل ہوئے اور کچھ دیر بعد رات ہی میں گیارہ بجے اس مرکز پر پاکستانی فوج کی جاسوسی کے سبب امریکی ڈرون طیاروں نے بمباری کر دی اور چھ فرزندان توحید اپنی جانوں کی قربانی دے کر سنت سید الشہداء سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ و سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو زندہ کر کے زندۂ جاوید ہو گئے۔ ان شہدا میں حسین شہید (زوہیر قدوائی، کراچی)، فرقان شہید (ثناء اللہ، کراچی)، سعد شہید (عمران نذیر، کراچی)، حسن البناء شہید (نعیم الحق گھمن، لاہور)، عبد اللہ شہید (اندرون سندھ) شامل تھے۔ (نحسبهم كذالك والله حسيبهم)

'نوائے غزوۂ ہند' کی ویب سائٹ

الحمد للہ، مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' (سابقاً نوائے افغان جہاد) کے تمام شمارے (اگست ۲۰۰۸ء تا شمارۂ ہٰذا) اور ادارہ 'نوائے غزوۂ ہند' کے تحت شائع ہونے والی تمام کتب و کتابچے...... اب 'نوائے غزوۂ ہند' کی ویب سائٹ پر بسہولت پڑھے جا سکتے ہیں اور ڈاؤن لوڈ بھی کیے جاسکتے ہیں۔

پتہ/ایڈریس ہے:

www.nawaighazwaehind.com

سحر ہونے کو ہے

بنتِ طبیب

نور اور ابو بکر کے والد، احمد صاحب کا خاندان چار بھائیوں اور دو بہنوں پر مشتمل تھا۔ سب سے بڑے تایاجان، ابراہیم صاحب کے چار بچے تھے۔ بڑی بیٹی عائشہ، جو شادی شدہ تھیں اور ایک دوسرے شہر میں رہائش پذیر تھیں۔ دوسری ماہم جو کالج میں سیکنڈ ائیر کی طالبہ تھی۔ اور ان کے بعد احمر اور سیف تھے، جو بالترتیب اولیول کے پہلے اور دوسرے سال میں تھے۔ ابراہیم صاحب کے بعد احمد صاحب تھے، جن کے پانچ بچے تھے۔ سب سے بڑا مصعب تھا، جس نے حال ہی میں اپنی پڑھائی مکمل کر کے جاب کا آغاز کیا تھا۔ اس کی نسبت بچپن سے ہی اس کے ماموں کی بیٹی ماریہ سے طے تھی۔ اب جبکہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو چکا تھا تو صرف ماریہ کی پڑھائی مکمل ہونے کا انتظار تھا۔ مصعب کے بعد ابو بکر تھا، جو ابھی امریکہ کی ایک اچھی یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم تھا۔ اس کے بعد سال بھر کے فرق سے دونوں بہنیں...... نور اور ہاجر تھیں...... جو ابھی کالج میں تھیں، اور بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا اور لاڈلا...... سعد تھا، جس نے ابھی اولیولز میں قدم رکھا ہی تھا۔

احمد صاحب کے بعد فیصل صاحب کا نمبر تھا۔ مگر ان کی اہلیہ، عبیرہ چچی کی ابتدا سے ہی اپنے سسرال سے کچھ ہم آہنگی پیدا نہ ہو سکی تھی۔ سو اپنی پہلی بیٹی...... اسماء کی پیدائش کے فوراً بعد ہی وہ لوگ ملتان شفٹ ہو گئے تھے۔ عبیرہ چچی کی اپنے سسرال میں اگر کسی سے بنتی تھی تو وہ ان کی بڑی نند تھیں۔ اور ابھی کچھ عرصہ قبل ہی اسماء کی شادی انہوں نے اپنی نند کے بیٹے معاویہ سے کی تھی۔ اسماء کے بعد زید تھا، اور اس کے بعد علی۔ علی، ابو بکر کے ساتھ ہی امریکہ میں زیرِ تعلیم تھا۔ ان دونوں کے حوالے سے احمد صاحب اور فیصل صاحب، دونوں بھائیوں کا ارادہ یہی تھا کہ انہیں مکمل طور پر امریکہ میں ہی سیٹل کر دیا جائے۔ سو وہ دونوں سیکنڈری لیول کے فوراً بعد ہی امریکہ روانہ ہو گئے تھے، اور بقیہ تعلیم وہیں سے حاصل کر رہے تھے۔

بھائیوں میں سب سے چھوٹے موحد صاحب تھے۔ ان کے بڑے بیٹے اسد، جرمنی سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہیں کے ہو کر رہ گئے تھے اور کسی جرمن خاتون سے شادی کرنے کے بعد اب واپسی کا ان کا کوئی ارادہ بھی نہ تھا۔ اسد کے بعد بسام تھا اور اس کے بعد تین بیٹیاں، منال، مومنہ اور مسفرہ۔ منال اور مومنہ ابھی انٹر کے امتحان دے کر فارغ ہی ہوئی تھیں جبکہ مسفرہ ابھی پانچویں جماعت میں پڑھتی تھی۔

چار بھائیوں کے بعد دو بہنیں، نمرہ اور صفیہ تھیں۔ نمرہ پھپھو اپنے سسرال کے ساتھ راولپنڈی میں مقیم تھیں۔ ان کے دو ہی بچے تھے، معاویہ...... جس کی ابھی حال ہی میں فیصل صاحب کی بیٹی اسماء سے شادی ہوئی تھی اور چھ سالہ ردا، جو گھر بھر کی آنکھوں کا تارا تھی۔ دونوں بہن بھائی میں عمر کا اتنا فرق تھا کہ معاویہ کے لیے چھوٹی بہن بھی بیٹی ہی کی مانند تھی۔ بہن بھائیوں میں آخری نمبر صفیہ کا تھا، جو ابھی خود بھی میڈیکل کالج میں زیرِ تعلیم تھیں۔ ان کا آخری سال چل رہا تھا۔

احمد صاحب کی بیگم فریحہ کی ایک بہن اور ایک بھائی تھے۔ ان کے بھائی عزیز تو اپنی بیوی اور تین بچوں کے ساتھ امریکہ میں ہی رہتے تھے جبکہ بہن امینہ اسلام آباد میں ہی رہائش پذیر تھیں۔ ان کے دو بچے تھے، عبادہ اور جویریہ۔ عبادہ نے گریجویشن کے بعد مزید تعلیم کے لیے آکسفورڈ یونیورسٹی میں اپلائی کر رکھا تھا، جہاں سے حال ہی میں اسے سیلیکشن لیٹر موصول ہوا تھا، سو وہ جلد ہی مزید تعلیم کے لیے برطانیہ کی جانب پرواز کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ مگر چونکہ وہ نور سے منسوب تھا اس لیے اس کے والدین کی خواہش تھی کہ وہ وطن چھوڑنے سے پہلے منگنی کو نکاح کی شکل دے جائے۔ امینہ بیگم کی چھوٹی بیٹی جویریہ ہاجر کی ہم عمر تھی اور نور اور ہاجر کے لیے تیسری بہن کی حیثیت رکھتی تھی۔

ابراہیم، احمد اور موحد، تینوں بھائی اسلام آباد کے ایف سیون سیکٹر میں اکٹھے رہتے تھے۔ تینوں بھائیوں نے دو دو کنال پر پھیلے ہوئے بڑے اور خوبصورت بنگلے بنا رکھے تھے۔ تینوں گھروں کی دیواریں آپس میں ملی ہوئی تھیں۔ گھروں کے درمیان تو دیوار موجود تھی مگر ان کے دلوں کے مابین کسی قسم کی کوئی آڑ نہیں تھی۔ تینوں بھائی اور ان کے گھرانے آپس میں پیار محبت سے رہتے تھے۔ بدقسمتی سے احمد صاحب کا گھرانہ ہر گزرتے دن کے ساتھ دین سے دور ہوتا چلا جا رہا تھا۔ تیزی سے بدلتا وقت اور اس کے تقاضے پورے کرتے کرتے، زمانے کی دوڑ اور اس کی چال کا ساتھ دیتے دیتے، اب وہ بس نام کے ہی مسلمان رہ گئے تھے۔ نماز، روزہ کی کسی کسی کو ہی توفیق ہوتی، اکثریت نے تو ان عبادات کو بڑھاپے کے فرصت بھرے اوقات کے لیے ہی چھوڑ رکھا تھا۔ خواتین کا پردہ جو کبھی شریف اور عزت دار خاندانوں کی پہچان ہوتا تھا، بالکل ہی اٹھ چکا تھا۔ مذہبی اخلاقیات، حقوق و فرائض اور دینداری کی جگہ 'سوسائٹی ویلیوز، مینرز اور ایٹیکیٹس' نے لے لی تھی۔ جس طرح یہ اصطلاحات مغرب سے درآمد کردہ تھیں، اسی طرح ان کی تشریح اور اطلاق کے لیے بھی وہ مغرب ہی کی جانب دیکھتے تھے۔ وہ قوم کے ان لوگوں میں شمار ہونے لگے تھے جو مغرب کی چال چلتے چلتے اپنی یکسر ہی بھلا بیٹھے تھے۔

ابراہیم، احمد اور موحد، تینوں بھائی مل کر پاکستان میں ایک ملٹی نیشنل کمپنی کی فرنچائز چلا رہے تھے۔ شہر بھر میں ان کی پانچ، چھ برانچز تھیں۔ مال و دولت کی ریل پیل تھی، دنیا کی ہر آسائش میسر تھی، بچے ناز و نعم میں پل رہے تھے۔ زندگی میں انہوں نے کوئی سختی، پریشانی یا مشکل، نہ کبھی دیکھی تھی نہ ہی ان کے ذہنوں میں ایسا کوئی تصور تھا۔

مگر دنیا کے حالات تیزی سے بدل رہے تھے۔ یہ بدلتے حالات ان کے ملک پر بھی اثر انداز ہوتے تھے اور ہر گزرتا دن کوئی نئی خبر لے کر آتا۔ ملک کے مغربی حصّے میں موجود قبائلی علاقے مسلسل تخریب کاروں اور جنگجو تنظیموں کا گڑھ بنے ہوئے تھے۔ یہ تخریب کار اور دہشت گرد وہاں سے نکل کر پورے ملک کا امن تباہ وبرباد کر دیتے اور دوبارہ اپنی پناہ گاہوں میں جا چھپتے۔ ان کی وجہ سے پورا ملک متاثر ہو رہا تھا۔ میڈیا پر روزانہ رنگ برنگی خبریں آتیں، سوشل میڈیا اس سے بھی دو ہاتھ آگے کی خبریں سناتا۔ سننے میں آ رہا تھا کہ شدت پسند جنگجو مسلسل اپنے علاقے میں توسیع کر رہے ہیں۔ ان کی رفتار گو کہ آہستہ ہے، مگر اس کے باوجود وہ مستقل مزاجی سے اپنا دائرہ وسیع کرتے چلے جا رہے ہیں۔ پڑوس میں بسنے والی اسلامی امارت ان کی پشت پناہ تھی۔ پاکستانی حکومت اور فوج، امریکہ و بھارت کی مدد اور پرزور مطالبہ کے باوجود جنگجوؤں کو پھیلنے اور بڑھنے سے روکنے میں ناکام تھی۔

یہ ساری صورتحال ملک کے سوچنے سمجھنے والے طبقے کے لیے نہایت پریشان کن تھی۔ انٹرنیٹ، ٹی وی، نیوز چینلز...... سب روزانہ چیخ چیخ کر قوم کو بتا رہے تھے کہ اسلام کے نام پر ایسے جنگجو اور شدت پسند لوگ ملک پر قبضہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے جن کا مقصد سوائے ظلم کرنے اور فساد پھیلانے کے سوا کچھ نہ تھا۔ قوم میڈیا کے ذریعے یہ سب سنتی، اپنے مددگاروں (امریکہ و چین واقوامِ عالم) اور محافظوں کی جانب دیکھتی کہ وہی اس مشکل کا کوئی علاج کریں گے، اور چند مذمتوں، احتجاجوں، پریس کانفرنسوں کے بعد زندگی پھر معمول پر آ جاتی۔ تحقیق سے کسی کو غرض تھی نہ اس کی فرصت۔ جو میڈیا بتاتا، سب آنکھیں بند کر کے اس پر ایمان لے آتے۔ زندگی معمول کے مطابق رواں دواں تھی، کسی کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا کہ حالات کیسے پلٹا کھائیں گے۔

☆☆☆☆☆

'بہت اونچی پرواز کر رہے ہو برخوردار! اب کیا ارادے ہیں؟ کون سے سبجیکٹ رکھو گے؟'، احمد صاحب نے عبادہ کے آکسفورڈ میں داخلے کے بارے میں سن کر اسے مبارکباد دیتے ہوئے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

'ارادے؟ ارادے تو نیک ہی ہیں خالو جان۔ سوچ رہا ہوں کہ دنیا کا اتنا علم حاصل کر لیا، اب کچھ آخرت کا...... دین کا بھی علم حاصل کر لوں......'، عبادہ نے سعادت مندی سے نظریں جھکا کر جواب دیا۔ اس کی اس بات پر احمد صاحب اور عبادہ کے والد، دونوں نے ہی چونک کر، حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

'کیا مطلب......؟ میں سمجھا نہیں......'، احمد صاحب نے الجھن آمیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

'خالو جان! میں سوچتا ہوں دنیا میں تو چند سال ہی گزارنے ہیں، پھر بھی زندگی کے بیس سال تو میں نے لگا دیے دنیا کے علوم وفنون حاصل کرنے میں...... اب دل چاہتا ہے کہ آخرت...... جہاں ہمیشہ رہنا ہے...... کچھ اس کا بھی علم حاصل کر لوں...... کچھ اس کی بھی تیاری کر لوں۔ اس لیے کچھ علومِ دینیہ حاصل کرنے کا ارادہ بن رہا ہے......'۔

'یعنی تم اب کسی مدرسے میں داخلہ لے کر مولوی بننا چاہتے ہو؟'، احمد صاحب نے اس کی بات کاٹتے ہوئے بے یقینی سے پوچھا۔ ان کی بات اور انداز پر عبادہ جھجک کر خاموش ہو گیا۔ احمد صاحب کے چہرے سے ان کی ناگواری صاف جھلک رہی تھی۔ 'اتنا پڑھ لکھ کر تمہیں مولوی بننے کا خیال آ گیا ہے! اب جبکہ آکسفورڈ میں تمہارا ایڈمشن ہو گیا ہے، آگے ایک روشن اور شاندار مستقبل تمہارا انتظار کر رہا ہے...... تم اس کو ٹھوکر مار کے کفرانِ نعمت کرنا چاہتے ہو؟!'، احمد صاحب کی ناگواری اب غصّے میں ڈھل رہی تھی۔

'ارے بھائی صاحب!...... یہ نوجوانوں پر فیز آتے رہتے ہیں جذباتیت کے...... آپ تو جانتے ہیں یہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے......'، احمد صاحب کا غصّہ بھانپتے ہوئے مرتضیٰ صاحب، جو نہایت صلح جُو طبیعت کے مالک تھے، نے بات سنبھالنے کی کوشش کی۔

'میں جانتا ہوں مرتضیٰ...... تم صحیح کہہ رہے ہو۔ یہ جذباتیت نہیں تو اور کیا ہے۔ ابھی اس کا مولویوں سے واسطہ نہیں پڑا اس لیے یہ کسی غلط فہمی کا شکار ہے، اسے اندازہ ہی نہیں کہ وہ کس قدر تنگ ذہن، تنگ نظر، شدت پسند اور متعصب ہوتے ہیں۔ ہر بات پر پابندیاں لگا دیتے ہیں۔ زندگی کو جیل خانہ بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ صاف بات ہے...... میں تو اپنی بیٹی کو کبھی ایسے ماحول میں نہ بھیجوں گا جہاں اسے ہر بات پر روک ٹوک کا سامنا ہو۔ اس کے مولوی شوہر کا دنیا سے کوئی واسطہ ہی نہ ہو اور بس آخرت ہی کمانی آتی ہو......'۔ وہ اپنی رو میں بولتے چلے گئے، انہیں احساس ہی نہ ہوا کہ وہ کتنی بڑی بات کہہ گئے ہیں، جبکہ اپنی جگہ پر بیٹھا عبادہ سر سے پاؤں تک لرز اٹھا تھا۔ غصّہ ضبط کرتے ہوئے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا، مگر وہ اپنے جذبات پر قابو رکھے، خاموش بیٹھا تھا۔

احمد صاحب خاموش ہوئے تو کمرے میں ایک جامد خاموشی چھا گئی۔ 'خالو جان! کیا آپ دنیا کمانے والا داماد چاہتے ہیں؟'، کچھ دیر بعد عبادہ نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

'تم ایسے پوچھ رہے ہو جیسے یہ کوئی بری بات ہو...... دیکھو کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ کیا ہم دنیا کی زندگی کے لیے جدوجہد اور کوشش نہیں کرتے؟ حلال رزق نہیں کماتے؟ جتنا عرصہ دنیا میں رہنا ہے، اپنا اور بال بچوں کا پیٹ تو بھرنا ہے ناں......؟ خالی خولی باتوں اور اذکار اور وظیفوں سے تو گھر نہیں چلتے۔ اور پھر کیا صحابہؓ دنیا نہیں کماتے تھے؟ تجارت نہیں کرتے تھے؟ ارے اتنے اتنے مالدار صحابہ ہوتے تھے...... پھر اس مال میں سے ہی اللہ کی راہ میں بھی خرچ کرتے تھے......'، احمد صاحب نے بولتے بولتے مرتضیٰ صاحب کی طرف تائیدی نظروں سے دیکھا، وہ محض سر ہلا کر رہ گئے۔ عبادہ خاموشی سے ان کی تقریر سن رہا تھا جو دنیاوی مال و دولت کمانے کے حق میں اسے قائل کرنے کی کوشش میں دلائل کا انبار لگا رہے تھے۔ 'دیکھو...... تمہارا تو شاید تازہ تازہ کسی مولوی سے ٹاکرا ہوا ہے جس سے تم اتنے متاثر ہو گئے ہو، مگر میرا یہ عمر بھر کا تجربہ ہے۔ جو لوگ خود اپنے بل پر کچھ کمانے کے قابل نہیں ہوتے وہ اس طرح کی باتیں کر

کے دل بہلاتے ہیں کہ دنیا بھی کوئی کمانے کی چیز ہے...... ہمیں تو آخرت کمانے پر توجہ دینی چاہیے۔ اور ایسے لوگوں کے گھر والے اور ان کے بچے ساری زندگی ذرا ذرا سی چیز کو ترستے رہتے ہیں، احساسِ کمتری اور محرومی کا شکار ہو جاتے ہیں...... کیوں؟ صرف اور صرف ان کی کم ہمتی اور تن آسانی کی وجہ سے...... اس لیے تمہیں بھی میرا مشورہ یہی ہے کہ تم یہ بیکار باتیں اپنے ذہن سے نکال دو کیونکہ میں نور کا مستقبل بہت روشن دیکھنا چاہتا ہوں'۔

ان کی بات ختم ہوئی تو مرتضیٰ صاحب نے انہیں اس موضوع سے ہٹانے کے لیے فوراً ایک دوسرا موضوع چھیڑ دیا۔ اب وہ دونوں آپس میں باتوں میں مصروف ہو گئے تھے۔ عبادہ نے خاموشی سے جھکے سر کے ساتھ ان کی تنبیہ سنی تھی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس نے بہت کٹھن راستے کا انتخاب کر لیا ہے۔ ابھی تو شروعات تھیں، آگے نجانے کیا کیا اس کا منتظر تھا۔ احمد صاحب کے یہ خیالات تھے تو نجانے نور کی سوچ اور خیالات کیا ہوں گے۔ کچھ سوچ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ڈرائنگ روم سے باہر نکل آیا۔ باہر نکلتے ہی اس کی نظر سامنے لاؤنج میں بیٹھی نور اور جویریہ پر پڑی۔ ان دونوں نے اسے دیکھ لیا تھا، مگر اپنی گفتگو جاری رکھی۔ عبادہ شش و پنج میں کھڑا تھا، اس کا دل کہہ رہا تھا کہ موقع مناسب ہے، ابھی احمد صاحب نے اپنے خیالات اس کے سامنے رکھے ہیں تو لگے ہاتھوں وہ نور کے بھی معلوم کر لے، مگر دماغ تنبیہ کر رہا تھا کہ کہیں جلد بازی میں وہ کوئی غلطی نہ کر بیٹھے۔ کچھ دیر یونہی کھڑے رہنے کے بعد وہ جویریہ کے پاس جا کھڑا ہوا، اور ان کے پاس بیٹھنے کی اجازت مانگی۔ اجازت ملنے پر وہ نظریں جھکا کر قریب رکھے صوفے پر بیٹھ گیا۔

لاؤنج میں اب خاموشی چھا گئی تھی۔ وہ ان کے پاس آ کر بیٹھ تو گیا تھا مگر اب اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیسے بات شروع کرے۔

'نور......!'، کافی دیر کی خاموشی کے بعد وہ دھیرے سے بولا۔ نور تو پہلے ہی متوجہ تھی، مگر اس کی آواز میں کچھ تھا جس نے نور کو فکرمند ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ 'میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں......'۔

'میں سن رہی ہوں'، نور نے جواب دیا۔

'میں ......'، اسے اب الفاظ نہیں مل رہے تھے، 'میں تمہیں یہ بتانا چاہتا تھا کہ ...... نور! میں ...... ایک لمبے سفر پر جا رہا ہوں'، وہ ایک اچانک فیصلے کے تحت بول اٹھا، مگر اس کے الفاظ بہت مبہم تھے۔ 'میرا سفر طویل بھی ہے اور کٹھن بھی...... کیا تم میرا ساتھ دو گی؟'۔

نور حیرت اور ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھ رہی تھی۔ عبادہ کی بات اس کے بالکل پلّے نہ پڑی تھی۔ 'کیا کہنا چاہ رہے ہو......؟'، وہ الجھن اور پریشانی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

'وقت آنے پر سب پتہ چل جائے گا...... مگر تم دونوں کو میں ابھی اعتماد میں لینا چاہتا ہوں۔ مجھے پتہ ہے کہ تم دونوں میرا اعتماد نہیں توڑو گی اور جو بات میں بتانے لگا ہوں وہ کسی اور پر ظاہر نہیں کرو گی۔ میں تم دونوں کو اس لیے یہ بات بتا رہا ہوں تا کہ تم دونوں میرا ساتھ دو...... تم دونوں سن رہی ہو ناں؟ جیاّ؟'، وہ قدرے ملتجی انداز میں بول رہا تھا۔ ان دونوں کے سر ہلانے پر وہ ایک گہرا سانس لے کر گویا ہوا، 'کچھ عرصے کے لیے شاید میں کہیں غائب ہو جاؤں...... میرا کچھ بھی اتہ پتہ نہ چلے...... تو...... پریشان مت ہونا! اور نور...... یہ کتاب لے لو، یہ میں تمہارے لیے لایا تھا...... میری واپسی تک پڑھ لینا'، وہ آہستگی سے بولا اور کالے کَور والی ایک کتاب اس کو تھما دی۔ وہ ان دونوں کو ہکّابکّا بیٹھا چھوڑ کر باہر نکل آیا۔ اس کے جانے کے بعد نازک سے دل والی جیّا، جو اتنی دیر سے گم صم بیٹھی تھی، یکایک نور کے گلے لگ کر رونا شروع ہو گئی۔

'نور! پتہ نہیں بھیّا کو کیا ہو گیا ہے۔ ہر وقت اسی طرح عجیب و غریب پہیلیوں میں باتیں کرتے رہتے ہیں۔ کچھ صحیح سے بتاتے بھی نہیں...... بس یہ کہتے رہتے ہیں کہ میں کہیں چلا جاؤں گا۔ سچ میں، میں بہت پریشان ہوں...... پتہ نہیں یہ کیا کرنے والے ہیں'۔

'تو...... تم نے خالہ کو نہیں بتایا؟!'، نور نے اس کا سر تھپکتے ہوئے حیرت اور پریشانی سے پوچھا۔

'ابھی تمہارے سامنے ہی اپنا راز کسی کو بھی بتانے سے منع کر گئے ہیں۔ اب تو تمہیں بھی پتہ ہے تو کیا تم بتا سکتی ہو کسی کو......؟ ان کا اعتماد توڑ سکتی ہو......؟ میں بھی ان کی بات نہیں ٹال سکتی۔ مگر مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے...... پتہ نہیں کیا ارادے ہیں'، وہ یہ کہتے کہتے ایک بار پھر رو پڑی تو نور عجیب سی پریشانی اور بے بسی محسوس کرتے ہوئے اسے تسلی دینے اور خاموش کرانے میں مصروف ہو گئی۔

☆☆☆☆☆

ابو بکر کمرے میں داخل ہوا تو مصعب کو اوندھے منہ بیڈ پر لیٹے ہوئے پایا۔ کانوں میں ائیر فونز لگائے، وہ کسی گانے پر سر دھن رہا تھا۔ 'ٹوں!'، اس کے موبائل کا میسج الرٹ بج اٹھا۔ وہ فوراً سیدھا ہو کر بیٹھا اور موبائل کا لاک کھول کے میسج پڑھنے لگا۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکان نمودار ہوئی جسے اس نے فوراً روک لیا، اب وہ تیزی سے جوابی میسج ٹائپ کر رہا تھا۔ اس کو بغور دیکھتے ابو بکر سے اس کے تاثرات چھپے نہ رہے تھے۔ وہ آہستگی سے اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔

'کس کا میسج ہے؟'، اس کا انداز بے حد سرسری تھا۔ مصعب نے چونک کر ایک نظر اسے دیکھا اور پھر غیر محسوس انداز میں موبائل ذرا پیچھے کر لیا۔ 'کسی کا نہیں'، اس کا انداز سراسر ٹالنے والا تھا۔

'کسی کا تو ہے!'، ابو بکر شرارت سے مسکرایا اور اس سے پہلے کہ مصعب کچھ سمجھتا، اچانک اس پر حملہ آور ہو گیا، 'دکھاؤ! کس کا ہے؟'۔

مصعب اس اچانک حملے کے لیے تیار نہیں تھا، اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتا، ابو بکر اس کے ہاتھ سے موبائل اچک کر یہ جا، وہ جا۔ 'ابو بکر......!!!'، وہ پوری قوت سے چلّایا، مگر ابو بکر اتنی دیر میں غسل خانے میں گھس کے دروازہ بند کر چکا تھا۔ وہ غصّے سے غسل خانے کا دروازہ پیٹنے لگا۔ ابو بکر نے فوراً ہی دروازہ کھول دیا۔

'ارے بے وقوف!...... آرام سے بتا دیتے کہ ماریہ کا میسج ہے'، وہ آنکھوں میں شرارت لیے مسکراتے ہوئے بولا۔ مصعب نے غصّے سے اس کے ہاتھ سے موبائل لیا اور خفگی سے اس کے

کندھے پر ایک مکّا رسید کیا۔ 'چلو بھاگو یہاں سے!'، وہ خفّت چھپاتا رعب سے بولا تو ابو بکر فرمانبرداری کا مظاہرہ کرتا ہوا، فوراً کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆☆☆

'منال! تم نے عید کے لیے کپڑے سلوا لیے؟'، ہاجر نے اپنا موبائل میز پر رکھتے ہوئے پوچھا۔
'ہاں...... تینوں دنوں کے سِلوا لیے......'، منال نے اطمینان سے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
'اور تمہارے بھی سِل گئے مومنہ؟'، ہاجر اب مومنہ سے پوچھ رہی تھی، مگر اس سے پہلے کہ مومنہ جواب دیتی، منال بول اٹھی تھی۔
'اس بوڑھی روح سے کیا پوچھ رہی ہو، اس نے نئے کپڑے سِلوا کر کیا کرنا ہے؟!'۔ اس کے طنز پر نور اور ہاجر نے حیرت سے سوالیہ انداز میں مومنہ کی طرف دیکھا، جبکہ وہ بہن کو گھور کر رہ گئی۔
'میری الماری نت نئے کپڑوں سے بھری پڑی ہے۔ مجھے نئے جوڑے سِلوانے کی کیا ضرورت ہے'، وہ سادگی سے بولی۔
'اف یار......! منال...... تمہارے گھر میں یہ ملنگ کہاں سے پیدا ہو گیا؟'، مومنہ کی بات پر ہاجر نے چڑ کر منال کی طرف دیکھا۔ نور اور ہاجر اس وقت موحد چچا کے لان میں بیٹھی تھیں۔ وہ چاروں اپنی عید کی تیاریاں ڈسکس کر رہی تھیں جبکہ مسفرہ ان کے قریب ہی اپنے ٹیبلٹ پر کوئی گیم کھیلنے میں مصروف تھی۔ 'عید خوشی کا موقع ہے، اور عید پر ہر بندہ نئے کپڑے بناتا ہے۔ تو تم کیوں نہیں بنانا چاہتیں؟'، اب ہاجر مومنہ سے بحث کر رہی تھی۔
'بس میرا دل نہیں چاہتا......'، مومنہ نے رکھائی اور بیزاری سے جواب دیا۔ اس کے انداز پر ہاجر ایک دم خاموش ہو گئی، جبکہ منال نے بہن کو اس کی بد تمیزی پر تیز نظروں سے گھورا۔ مومنہ کو بھی فوراً اپنے رویے کا احساس ہو گیا، اب وہ شرمندہ سی نظر آ رہی تھی۔
'کیا کوئی خاص وجہ ہے؟ کیوں دل نہیں چاہتا؟'، نور کو محسوس ہو رہا تھا کہ مومنہ کے رویے کے پیچھے ضرور کوئی وجہ ہے، سو اس نے ہلکے پھلکے دوستانہ انداز میں مسکرا کر پوچھا۔
'نور میری الماری کپڑوں سے بھری پڑی ہے۔ پچھلی عید کے کپڑے، اسماء آپی کی شادی پر سِلوائے ہوئے کپڑے...... سب یونہی ایک آدھ دفعہ پہنے ہیں، اس کے بعد سے اَن چھوئے پڑے ہیں...... مجھے اللہ سے ڈر لگتا ہے، کیا اللہ کو حساب نہیں دینا۔ جب مجھے ضرورت بھی نہیں تو بھی اپنے لیے نئے نئے کپڑے سِلواتی جاؤں جبکہ اتنے لوگ ہیں جنہیں ضرورت کے کپڑے بھی میسر نہیں......'۔
'ہاں ہاں بس...... سارے زمانے کا درد ہمارے جگر میں ہے......'، منال ایک بار پھر اس کی بات کاٹتے ہوئے گہرے طنز سے بولی، 'چھوڑو نور! اس کے ساتھ تو کوئی بات کرنا فضول ہے۔ ہر بات کا ایک ہی جواب ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی حالت دیکھو، کتنی غربت ہے، کتنے مصائب ہیں، ہر جگہ مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہے...... اور ہم کیا کر رہے ہیں؟! اپنی خوشیوں میں مگن ہیں......'۔

'یار مومنہ! تم کیوں اتنی ٹینشن لیتی ہو۔ مسلمانوں کا اللہ مالک ہے، تم اپنی زندگی پر توجہ دو۔ ہر وقت دوسروں کی فکر کرتی رہتی ہو، چند دن کی زندگی ہے، اور یہی وقت ہے انجوائے کرنے کا...... تم اپنی زندگی گزارو'، ہاجر نے قدرے ناگواری سے کہا۔
'تمہیں نہیں پتہ ہاجر...... تم نہیں سمجھتیں......'، مومنہ نے بے بسی سے اپنا سر جھٹکا جس کے نتیجے میں چند بال اس کے سر کے گرد مضبوطی سے لپٹے سکارف میں سے جھانکنے لگے۔ اس کے انداز میں ایسی بے بسی تھی جیسے وہ کوشش کر کر کے تھک گئی ہو مگر اپنے آس پاس کسی کو اپنا دکھ نہ سمجھا پائی ہو۔ نور نے بہت دھیان سے اس کی جانب دیکھا۔ اس کو مومنہ کا حلیہ ہمیشہ ہی بہت بھاتا تھا۔ میک اپ سے بالکل بے نیاز چہرہ جو ہمیشہ سکارف میں لپٹا ہوتا۔ ہر شادی اور ہر فنکشن میں وہ اپنی تمام بہنوں اور کزنز کے درمیان سب سے منفرد لگتی۔ اس کے چہرے پر معصومیت اور حیا کی چمک اسے سب سے ممتاز کرتی تھی۔
'تم کیا کہنا چاہتی ہو مومنہ؟'، اس نے دھیمی آواز میں اس سے پوچھا۔
'میں صرف یہ کہنا چاہتی ہوں نور کہ...... دیکھو، ابھی رمضان شروع ہوا اور غزہ میں نئے سرے سے بمباری شروع ہو گئی۔ اور صرف غزہ ہی کیا، شام، عراق، افغانستان، کشمیر، برما، مصر، ہر جگہ تباہی پھیل گئی۔ خون کے دریا بہتے رہے...... لوگ جلتے رہے، مرتے رہے...... اور کون لوگ؟ مسلمان!! ہمارے جیسے، نمازیں پڑھنے والے، روزے رکھنے والے، اللہ اور اسکے رسول ﷺ کو ماننے والے مسلمان...... بدترین مظالم کا سامنا کرتے رہے۔ ابھی دیکھو...... ہم لوگ تو اپنے گھروں میں صبح اٹھتے ہیں تو سحری کے لیے کتنی ساری چیزیں میز پر تیار رکھی ہوتی ہیں۔ افطاری کرتے ہیں تو روزانہ پوری پوری دعوت کا اہتمام ہوتا ہے گھر میں...... مگر ہمیں ان کا خیال نہیں آتا جو اپنے گھروں کے ملبوں پر بیٹھ کر سحری اور افطاری کرتے ہیں۔ جن کے پاس کھانے پینے کے لیے کچھ بھی نہیں۔ روٹی کے چھوٹے سے ٹکڑے سے سحری کر لیں تو پانی سے افطار کر لیتے ہیں اور جن کی عید پر ان کے ساتھ ان کے گھر والوں اور رشتہ داروں میں سے کوئی بھی نہیں...... کیونکہ سب ہی بمباریوں میں شہید ہو گئے ہیں...... ان کے پاس کون سی خوشیاں ہیں؟ وہ اپنی عید کیسے منائیں گے؟ مگر ہمیں اپنی خوشیوں میں ان کی یاد آتی ہی نہیں......'، وہ بولنے پر آئی تو بولتی چلی گئی، آنسو اس کی آنکھوں سے چھلکنے کو بے تاب تھے۔
'مائی گاڈ! مومنہ...... تم نے اپنے اوپر یہ باتیں کتنی طاری کر لی ہیں۔ ریلیکس رہا کرو ڈیئر...... اور سنو، یہ شام، عراق اور برما وغیرہ کی اتنی فکر مت کیا کرو۔ تمہیں نہیں پتہ مگر یہ تو سب ان ممالک کے حکمرانوں کے اپنے سیاسی کھیل ہیں جن کی وجہ سے ان کے عوام مسائل کا شکار ہیں...... تم ان کی اتنی فکر کیوں کرتی ہو؟......'
'اُن کے ممالک...... ان کے عوام......؟؟ یہ تم کیسے بیگانگی سے بات کر رہی ہو۔ وہ مسلمان ہیں، ہماری طرح...... ہم سب ایک ہیں'، مومنہ مچل کر بولی۔
'ہاں ہمارا ریلیجن (مذہب) تو ایک ہے...... مگر قوم تو مختلف ہے ناں۔ ہم پاکستانی ہیں......'، نور نے ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

’نہیں نور! کیسی باتیں کرتی ہو!! ہم مسلمان ایک قوم ہیں۔ چاہے کسی بھی رنگ، نسل اور علاقے سے تعلق رکھتے ہوں۔ کیا حبشہ سے تعلق رکھنے والے بلالؓ اور روم کے صہیبؓ اور فارس کے سلمانؓ میں کوئی فرق تھا؟ کیا وہ ایک ہی قوم کے افراد نہیں تھے؟ یہ تو جب سے ہم نے اسلام کے بجائے دوسری چیزوں میں اپنا تشخص تلاش کرنا شروع کر دیا ہے، تب سے ہم اس قدر تقسیم کا شکار ہو گئے ہیں کہ اپنی قوم کی پہچان بھی نہیں رہی۔ اور اسی لیے تو آج مسلمان دنیا میں کمزور اور مظلوم ہیں‘، مومنہ جوش میں آگئی تھی، ’یہ جو ملکوں کی حد بندی کر کے مسلمانوں کو ان میں تقسیم کر دیا گیا ہے، اس کی اللہ کے نزدیک تو کوئی حیثیت نہیں...... یہ تو ایک سازش ہے جس کا ہم شکار ہو گئے ہیں۔ تاکہ ہماری قوت کو تقسیم کر کے ختم کیا جا سکے۔ تاکہ ہم اپنے دشمنوں کے خلاف متحد ہو کر کھڑے نہ ہو سکیں۔ اللہ نے تو ہم مسلمانوں کو ایک بنایا ہے چاہے ہم کہیں بھی ہوں...... ہمارا قبلہ ایک! ہمارا دین ایک! ہمارا خدا ایک! ہمارا رسول ﷺ ایک! ہماری جنگ ایک! ہماری خوشیاں ایک! ہمارے غم ایک!!......‘۔

مومنہ بول رہی تھی اور وہ تینوں سوچ میں گم، اسے سن رہی تھیں۔ وہ خاموش ہوئی تو ہاجر ایک جھرجھری لے کر جیسے بیدار ہوئی تھی۔

’خیر...... چھوڑو ان باتوں کو...... شکر کرو اللہ نے ہمیں محفوظ رکھا ہے......‘، وہ موضوع بدلنا چاہ رہی تھی۔ اس کی بات پر مومنہ نے عجیب سے تاثرات کے ساتھ اس کی طرف دیکھا۔

’جو اپنے بھائی کے گھر میں لگی آگ کی پروا نہیں کرتا...... یہ سوچ کر کہ میرا گھر تو محفوظ ہے، وہ اپنے بھائی کے گھر کی آگ بجھانے کی کوشش نہیں کرتا...... تو جلد ہی وہ آگ اس کے اپنے گھر کو بھی لپیٹ میں لے لیتی ہے......‘، وہ آہستہ مگر سرد انداز میں بولی۔

’مومنہ!!‘، منال غصّے سے چلّائی، ’تمہیں پتہ بھی ہے تم کیا کہہ رہی ہو؟؟ بد دعا دے رہی ہو؟؟ تم چاہتی ہو پاکستان میں بھی جنگ چھڑ جائے...... حالات خراب ہو جائیں!!؟‘۔

’میں بد دعا نہیں دے رہی...... صرف ایک حقیقت بیان کر رہی ہوں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے۔ جب کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کی اس کی مصیبت کے وقت مدد نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اسے بھی اسی مصیبت میں مبتلا کر دیتے ہیں......‘

’شٹ اَپ! جسٹ شٹ اَپ!!...... تم بالکل پاگل ہو گئی ہو...... تمہیں تو چیک اَپ کی ضرورت ہے‘، منال کی برداشت جواب دے گئی تھی، وہ غصّے سے چیختے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی، جبکہ مومنہ وہیں دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کے، پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ نور اور ہاجر ہکّا بکّا ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ رہی تھیں۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

بقیہ: سلطانیٔ جمہور

گئی تھیں، آنکھوں سے شرارے سے لپک رہے تھے، ایک ہاتھ کا مکّا بنا کر دوسری ہتھیلی پر مارتے ہوئے منتقمانہ انداز میں بولا۔

’تمہارے ذہن میں کیا ہے؟ تم کیا سوچ رہے ہو؟‘، ابو بکر صاحب نے اسے کمرے میں دائیں بائیں ٹہلتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔ ان کے سوال پر وہ چونک کر ان کی طرف مڑا، اور اپنی سوچوں سے نکل آیا۔

’بس بھائی جان!...... اب آپ کچھ نہیں کریں گے۔ کوئی فون، کوئی کارروائی اس کے خلاف نہیں کریں گے...... اگر وہ آپ سے کوئی رابطہ کرتا ہے یا کسی بھی قسم کی کوئی بات ہوتی ہے تو آپ فوراً مجھے بتایئے گا...... مگر اب جو کچھ کرنا ہے میں خود کروں گا۔ اس الّو کے...... رشتہ دار کو میں خود سبق سکھاؤں گا...... اب آپ بالکل بے فکر ہو جائیں‘، اس کے لہجے میں چٹانوں سا مضبوط عزم بول رہا تھا، وہ ان کے کندھے پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا اور آج، اچانک ابو بکر صاحب کو محسوس ہوا جیسے ولید لوٹ کر آ گیا ہو۔ یا ان کے دو سے تین بیٹے ہو گئے ہوں۔ وہ جو پچھلے چند دنوں سے خود کو انتہائی مضمحل، کمزور اور تنہا محسوس کر رہے تھے، یکدم ہی توانا ہو گئے تھے۔ سچ ہی کہا ہے میاں محمد بخش نے

باپ مرے، سِر ننگا ہووے
وِیر جاوِن، کنڈ خالی

(جاری ہے ان شاء اللہ)

بقیہ: نظریاتی جنگیں

این میری شمل:(۱۹۲۲-۲۰۰۳ء):

جرمنی کی یہ نامور مستشرقہ عمرانیات، لسانیات اور تاریخِ مذاہب کی ماہر تھی۔ اقبالؒ اور مولانا رومؒ سے خاص دلچسپی تھی۔ فارسی، سندھی، اردو اور ترکی زبانوں کی منتخب شاعری کا انگریزی اور جرمنی میں ترجمہ کیا۔

برنارڈ لوئیس:(۱۹۱۶ء)

دورِ حاضر کا سب سے بڑا یہودی مستشرق ہے۔ تاریخ اسلام، اسماعیلی، حشاشین، عالمِ عربی کے مسائل اور اسلامی تحریکات پر کئی کتابیں لکھیں۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

سلطانیٔ جمہور

علی بن منصور

'ولید کا فون تھا.....'، صولت بیگم موبائل تپائی پر رکھتے ہوئے بولیں، '..... کہہ رہا تھا کہ آج پہلی بار لوکل انڈسٹری کے وزٹ پر گیا تھا۔ واپسی پر کسی ریستوران پر رکا تو وہاں کا منیجر پاکستانی تھا...... لاہور سے ہی تعلق تھا۔ کہہ رہا تھا کہ پھر خوب گپ لگائی...... ویسے تو اس کے ساتھ بھی سات آٹھ لڑکے تو ہیں پاکستان کے جو پڑھ رہے ہیں، مگر بہر حال اپنے علاقے کے بندے کی بات اور ہوتی ہے۔ بہت خوش لگ رہا تھا، کہہ رہا تھا کہ کھائے تو ویجیٹیبل رائس ہی، مگر باتیں ہم گوگا نقیبیہ کے چنوں اور محمدی نہاری کی کرتے رہے۔'

ولید کو گئے تین ماہ سے زیادہ ہو رہے تھے۔ کورس شروع ہونے کے بعد وہ جلد ہی اپنے ماحول میں ایڈجسٹ ہو گیا تھا۔ یوں بھی اپنی پڑھائی اور اس کے لوازم میں شامل پریکٹیکل ٹریننگ سیشنز کے بعد اسے اتنی فرصت میسر ہی نہ آتی تھی کہ وہ گھر اور گھر والوں کو یاد کر کے اداس یا پریشان ہوتا۔ مختصر حال احوال تو واٹس ایپ کے ذریعے مستقل ہی معلوم ہوتا رہتا لیکن ہفتے میں ایک آدھ بار وہ ذرا فراغت تلاش کر کے، فرصت سے فون کرتا اور پھر تفصیلاً بات چیت کرتا۔ صولت بیگم اس کی ان مفصل کالز کی منتظر رہتی تھیں۔ وہ کیا کر رہا ہے، وہ کیسے رہتا ہے، کیا کھاتا ہے، اس کے کپڑے کون دھوتا ہے، اس کے کمرے کی صفائی کون کرتا ہے...... انہیں ہر بات سے دلچسپی تھی۔ ابھی بھی وہ مسرور بیٹھی، اس کی باتیں یاد کر کر کے خوش ہو رہی تھیں اور ذرا فاصلے پر بیڈ پر لاتعلق سے بیٹھے ابو بکر صاحب کے گوش گزار کر رہی تھیں۔

'کہہ رہا تھا کہ لاہور بہر لحاظ سنگاپور سے زیادہ خوبصورت ہے...... میں نے کہا بیٹا اپنا وطن تو اپنا ہی ہوتا ہے، اب سنگاپور کتنا ہی خوبصورت ہو، اس میں وہ کشش اور وہ خوب صورتی تو نہیں آ سکتی جو اپنے وطن کی گلیوں میں ہوتی ہے...... کہنے لگا کہ امّی اپنی تو مٹی سے بھی خوشبو آتی تھی...... خاص طور پر بارش کے بعد...... ایسی خوشبو کہ بندے کا دل چاہے کہ بس ہلکی ہلکی رِم جِھم میں بیٹھا رہے، اور گرم گرم قیمے کے سموسے کھائے...... میں نے کہا کہ مجھے تو لگتا ہے کہ خوشبو وغیرہ سے زیادہ تمہیں قیمے کے سموسے ہی یاد آ رہے ہیں...... تو کہنے لگا کہ واقعی امّی، قیمے کے سموسے تو بہت شدت سے یاد آ رہے ہیں۔ اب قیمہ تو ملتا ہے مگر وہی...... یہاں والی بات تو بہر حال نہیں ہے......'، صولت بیگم نے بات کرتے کرتے مسکرا کے سر اٹھا کر ابو بکر صاحب کی طرف دیکھا۔

ابو بکر صاحب کسی گہری سوچ میں گم تھے، پتہ نہیں وہ ان کی بات سن بھی رہے تھے یا نہیں۔

صولت بیگم ہلکا سا کھنکھاریں، مگر ابو بکر صاحب کی پوزیشن میں کوئی فرق نہ آیا۔ 'ارے! میں اتنی دیر سے آپ سے بات کر رہی ہوں اور آپ سن ہی نہیں رہے'، وہ ذرا آواز بلند کرتے ہوئے تعجب سے بولیں۔ ابو بکر صاحب جانے کس سوچ میں غرق تھے کہ اب بھی ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ صولت بیگم نے آنکھوں سے چشمہ اتار کر تپائی پر رکھا، اور گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ابو بکر صاحب کے پاس بستر پر بیٹھ کر انہوں نے ان کا گھٹنا ہلایا۔

'اجی! سنتے ہیں؟؟!...... ہم آپ سے مخاطب ہیں'۔

ابو بکر صاحب نے چونک کر ان کی طرف دیکھا، پھر ہلکا سا مسکرائے، 'جی؟ فرمائیے......؟!'۔

'جی نہیں! اب تو آپ فرمائیے...... ہم فرما چکے جو ہم نے فرمانا تھا......'، صولت بیگم نروٹھے انداز میں بولیں۔

'اتنی جلدی خفا ہو گئیں آپ......؟'، ابو بکر صاحب ایک گہرا سانس لیتے ہوئے بولے۔

'نہیں۔ خفا نہیں ہوئی...... لیکن آپ کس سوچ میں گم ہیں...... یہ جاننا چاہتی ہوں......'، انہوں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ابو بکر صاحب چند لمحے خاموش نظروں سے ان کے چہرے کا جائزہ لیتے رہے، جیسے سوچ رہے ہوں کہ ان سے بات کریں یا نہیں، پھر انہوں نے تھک کر آنکھیں موند لیں۔

'ایک ہم اور...... ہزار غم!...... اور...... ایسے لگتا ہے...... جیسے درد آشنا کوئی نہیں......'، وہ رک رک کر مدھم انداز میں بولے۔

'کیوں؟ ایسا کیا غم ہے جس میں مجھے بھی شریک نہیں کر سکتے؟'، صولت بیگم نے نرمی سے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے پوچھا۔

'تم؟'، ابو بکر صاحب نے آنکھیں کھول کر ان کی طرف دیکھا، '...... تمہیں شریک تو کر سکتا ہوں، مگر...... تمہیں سے تو سب غم دور رکھنا چاہتا تھا'، وہ ہلکا سا ہنسے، ان کی ہنسی میں بے تحاشا چبھن تھی۔ 'ایسے لگتا ہے جیسے زندگی میں جو کچھ حاصل کرنا چاہتے تھے، وہ سب پا کر بھی لٹا بیٹھے ہیں۔ اور اس عمر میں...... اپنے ہاتھ خالی دیکھ کر پچھتاوے کا احساس بہت شدت سے ہوتا ہے......'۔

'ایسا کیا ہو گیا ہے؟ آپ آج بہت ہی پریشان اور فکر مند لگ رہے ہیں۔ مجھے نہیں بتائیں گے کیا بات آپ کو پریشان کر رہی ہے؟......'، صولت بیگم نے تشویش سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ اب بھی خاموش تھے۔ 'ساری زندگی ہم نے مشکلات اور پریشانیوں کا اکٹھے سامنا کیا ہے...... اپنی پریشانی بانٹنے سے بھی کم ہو جاتی ہے......'۔

'ہوں...... بتاتا ہوں...... تمہیں تو بتانا ہی ہے...... ابھی نہ بھی بتاؤں تو کچھ عرصہ بعد سہی...... پتہ تو چلنا ہی ہے......'، وہ اپنے آپ سے بڑبڑائے، پھر ان کی طرف دیکھا، صولت بیگم چہرے پر فکر مندی لیے انہی کی طرف متوجہ تھیں۔ ابھی چند منٹ پہلے وہ کتنی خوش تھیں، ولید کے قصے کہانیاں انہیں سنا رہی تھیں، اور اب جو بات وہ ان سے کرنے والے تھے وہ سن کر ان کی کیا

حالت ہو گی، یہ خیال ان کے دل کو ابھی سے دکھی کر رہا تھا۔ 'صولت! میری بات حوصلے سے سننا......!'، وہ بولے۔ اور پھر ارشد کے حوالے سے انہیں جو کچھ معلوم ہوا تھا، وہ سب انہیں بتاتے چلے گئے۔

پندرہ منٹ بعد کمرہ صولت بیگم کی ہلکی ہلکی سسکیوں سے گونج رہا تھا...... جو کچھ ہونا تھا وہ تو عرصہ پہلے...... پانچ سال پہلے...... ہو چکا تھا۔ حادثے کا علم انہیں دیر سے ہوا تھا، حادثہ تو بہت پہلے ہو چکا تھا۔ نسرین ارشد کی پہلی نہیں، دوسری بیوی تھی۔ ارشد کی والدہ کا ایک مہرہ تھی کہ جس کے ذریعے وہ بیٹے کو دوبارہ گھر اور وطن کی طرف مائل کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ تلخ سوچوں کی یلغار نے ان کے ذہن و دل کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ ابو بکر صاحب نے اپنے پہلو میں رکھا ٹیبل لیمپ جلایا، انہیں ٹھنڈے پانی کا گلاس تھمایا، اور اٹھ کر کمرے میں روشن بڑی لائٹ بجھا دی۔ اب وہ ان کے پاس بیٹھے مدھم آواز میں انہیں تسلّیاں اور دلاسے دے رہے تھے۔ ان سے چند گز کے فاصلے پر بیڈ کے داہنی جانب موجود دیوار میں بنی، بڑی سی کھڑکی پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ پردوں کے پیچھے سلائیڈنگ وِنڈو کا شیشہ ہٹا ہوا تھا، جبکہ مچھروں اور کیڑوں سے بچنے کے لیے جالی والا حصّہ بند تھا۔ باہر سے آنے والی ہلکی ہوا کے جھونکوں سے پردہ ہولے ہولے ہل رہا تھا۔

کھڑکی کے دوسری طرف، ماربل کی سِل پر اکڑوں بیٹھا وجود، بے حد خاموشی سے پنجوں کے بل کھڑا ہوا، اور کوئی آواز پیدا کیے بغیر، دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا دور ہو گیا۔

'تمہیں یقین ہے تم نے یہی سنا ہے؟'، ہلکی سی سرگوشی کی آواز ابھری۔

'سو فیصد!......'، اس نے جواب میں سر ہلایا، اس کے لب بمشکل ہی ہلے ہوں گے۔

'اس کے علاوہ اور بھی کچھ کہا تھا کیا؟'،

'کہا تو تھا...... مگر آواز بہت ہلکی تھی...... سمجھ نہیں آئی کہ کیا کہا'۔

'ہوں...... اور نام یہی تھا ناں...... کچھ اور تو نہیں کہا تھا؟......'،

'نہیں...... یہی نام تھا......'۔

'ٹھیک ہے...... تم جاؤ اب!'۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا اور کسی سائے کی مانند اندھیرے میں گم ہو گیا۔ اس کے پیچھے دروازہ ہلکی سی 'ٹھک' کے ساتھ بند ہو گیا۔

دل بھی کیسی عجیب چیز ہے۔ خون اور گوشت کا ننھا سا لوتھڑا، مگر ساری زندگی آدمی اسی کو بچائے بچائے پھرتا ہے۔ کہیں اس کو کوئی ٹھیس نہ پہنچ جائے، یہ کسی غم میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اور اس میں پیدا ہونے والی خواہشوں اور ارمانوں کو پورا کرتے کرتے ہی زندگی بیت جاتی ہے۔

پھر بھی جہاں کہیں قسمت کی لکھی کوئی ٹھیس، کوئی ہلکی سی تکلیف اس دل کو پہنچتی ہے، وہاں یہ انسان کو بے چین کر دیتا ہے۔ آنکھوں سے نیند اڑ جاتی ہے، ذہن سے سکون رخصت ہوتا ہے، جسم الگ تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے...... ایک ننھے سے دل کے ہاتھوں بڑے بڑے پہلوان مجبور و بے بس نظر آتے ہیں۔

اس وقت ان کا بھی یہی حال تھا۔ آنکھوں سے ایک تواتر سے آنسو ٹپکتے چلے جا رہے تھے، دل اپنے اختیار میں ہی نہ تھا۔ دل کی ایسی کیفیت آخری بار کب ہوئی تھی، انہیں ذہن پر زور دینے کے باوجود یاد نہ آ رہا تھا۔ یوں کہ بس دل میں تڑپتا مچلتا تمام غم آنکھوں سے آنسوؤں کی صورت باہر آ جائے، اور جب دعا کے لیے اٹھے ہاتھ واپس ہوں، تو دھل دھلا کے دل بالکل صاف ہو چکا ہو، اور زندگی کی الجھی ڈور سلجھ جائے۔ وہ جمعہ کی نماز کے بعد جامع مسجد کے ایک نسبتاً تاریک گوشے میں بیٹھے تھے اور اپنی ساری پریشانی اور پورا دکھ، مکمل بے بسی کے احساس کے ساتھ اپنے ربّ کے سامنے پیش کیے بیٹھے تھے۔ سینے میں ایک زخمی دل لیے، اپنے ربّ کے دربار میں سوالی بن کر بیٹھے تھے، کہ اس رحیم و کریم کے سوا اور کون تھا جس کے سامنے وہ اس دکھ کو پیش کرتے۔

کل شام انہوں نے آخر کار ارشد کو فون کیا تھا، تاکہ اس سے پوچھتے کہ اس نے ان کی معصوم بیٹی کے ساتھ ایسا فراڈ کیوں کیا۔ وہ اسے کٹہرے میں کھڑا کرنا چاہتے تھے، نسرین کی زندگی کے گزرے پانچ سالوں کا حساب لینا چاہتے تھے، اس بچپنے میں عبد اللہ کو ایک بروکن فیملی...... ایک ٹوٹے ہوئے گھر...... کا تحفہ دینے پر اس سے باز پرس کرنا چاہتے تھے۔ وہ اسے بتانا چاہتے تھے کہ اس کے دجل اور فریب کا پردہ چاک ہو گیا ہے اور وہ ان کی نظروں میں کتنا حقیر ہو گیا ہے۔ وہ اسے کیا سمجھتے رہے، سر آنکھوں پر بٹھاتے رہے، اور وہ کیا نکلا...... کتنا چھوٹا اور کس قدر رذیل...... وہ یہ سب اسے کہنا چاہتے تھے، اسے بتانا چاہتے تھے کہ جتنے کانٹے اس نے نسرین کی زندگی میں بوئے ہیں، ان سب کا اسے حساب دینا پڑے گا، مگر وہ کچھ بھی نہ کہہ پائے تھے۔ جیسے ہی ارشد کو یہ معلوم ہوا کہ وہ سب کچھ جان گئے ہیں تو وہ تو جیسے شکر کا سانس لیتا ہوا، از خود ہی بول اٹھا۔

'تھینک گاڈ انکل! کہ آپ کو خود ہی پتہ چل گیا۔ میں تو بہت عرصے سے نسرین کو بتانا چاہ رہا تھا مگر ماما بابا کا پریشر تھا کہ نہیں بتانا۔ میں نے تو کوئی چھ مہینے پہلے ہی ماما سے کہہ دیا تھا کہ اب اس کھیل کو ختم کریں، تاکہ نسرین بھی اپنی زندگی کے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکے اور میں بھی آرام سے اپنی زندگی جی سکوں۔ دو دو زندگیاں ہینڈل کرنا کوئی آسان کام تو نہیں۔ اور پھر میں افورڈ بھی نہیں کر سکتا۔ اسی لیے میں نے اسے پیسے بھجوانے بند کر دیے تھے......'، وہ کسی خیال کے تحت چونکا تھا، 'اوہ! آپ کو بھی اسی لیے خبر ہوئی ہو گی کیونکہ میں اسے خرچے کے لیے پیسے نہیں بھجوا رہا...... اس نے شکایت کی ہو گی آپ سے......'، پھر وہ ہلکا سا استہزائیہ ہنسا تھا، 'چلو کسی بھی بہانے سہی، اچھا ہوا کہ آپ کو پتہ چل گیا۔ میرے لیے تو نسرین سے شادی اس طرح ہو گئی تھی جیسے کوئی ہاتھی پال لیا ہو۔ فائدہ پائی کا بھی نہیں اور مفت کا بس خرچہ ہی خرچہ......!'۔

ان کے دل پہ ایک اور چرکہ لگا تھا۔ 'کب سے نہیں دیے تم نے اسے خرچے کے پیسے؟'، انہوں نے بمشکل تمام اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے پوچھا تھا۔

'چار...... یا پانچ...... ایٹ لیسٹ چار ماہ تو ہو گئے ہیں، میرے خیال میں......'، ارشد نے اسی سکون و اطمینان اور لاپرواہی سے جواب دیا۔

'تم...... تم نے یہ رشتہ جوڑا ہی کیوں تھا جب تم اسے نباہ نہیں سکتے تھے؟'،

'مما کا اصرار تھا انکل...... ان کی ضد تھی کہ میری ایک پاکستانی بیوی ہونی چاہیے۔ میں نے تو شروع سے یہ بات بالکل کلیئر کی ہے کہ سٹیفنی کو میں نہیں چھوڑ سکتا۔ اس سے میں نے لَو میرج کی ہے اور اس کے ساتھ میں بہت اچھی زندگی گزار رہا ہوں...... اگر کسی کا یہ خیال ہے کہ پاکستانی لڑکی سے شادی کر کے میں اس کی خاطر سٹیفنی کو ڈائیورس دے دوں گا اور واپس پاکستان آ جاؤں گا...... تو آئم سوری بٹ اٹس ناٹ پاسبل...... اینڈ اٹس ناٹ گوئنگ ٹو ہیپن......!'۔ (میں معذرت خواہ ہوں مگر نہ ایسا ممکن ہے اور نہ ہی ایسا ہونے والا ہے۔)

اس کا انداز ایسا دوٹوک اور اٹل تھا کہ وہ جواب میں کچھ کہہ ہی نہ پائے۔ اسے اپنے کسی بھی فعل پر ذرّہ برابر بھی شرمندگی یا ندامت نہیں تھی۔ ہاں وہ مانتا تھا کہ نسرین کے ساتھ زیادتی ہوئی، اسے دھوکے میں رکھا گیا جس کی وجہ سے اس کی زندگی کے پانچ سال ایک فریب کی نذر ہو گئے، مگر اس میں اسے اپنا کوئی قصور نہیں دِکھتا تھا۔ یہ تو محض 'مما کی ضد' تھی، اور اس نے تو شروع سے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ ان کی ضد کے ہاتھوں مجبور ہو کر ان کی بات مان رہا ہے، اور کسی بھی بات کے لیے ذمہ دار نہیں ہے۔ لہٰذا انہیں اگر کوئی شکوہ ہے تو وہ اس کے والدین سے کریں۔

بوجھل دل کے ساتھ انہوں نے کال منقطع کی تھی۔ حیرت کی بات تھی کہ انہوں نے اسے بالکل بھی برا بھلا نہ کہا تھا، انہیں اس پر غصّہ آ ہی نہ رہا تھا۔ غصّہ تو انہیں خود پر آ رہا تھا، اپنی بے خبری پر...... اپنی غفلت پر۔ وہ سیدھا صولت بیگم کے پاس پہنچے تھے۔

'صولت! تم نسرین کو کوئی جیب خرچ دیتی ہو؟'،

'نہیں...... اس کو تو ارشد خرچہ بھیجتا ہے ناں......'، انہوں نے اس اچانک سوال پر حیران ہوتے ہوئے جواب دیا۔

'نہیں...... نہیں بھیجتا وہ اس کو کچھ بھی......'، وہ ایک گہرا سانس لے کر افسردگی سے بولے۔

'واقعی......!؟ مگر...... نسرین نے تو کبھی اظہار نہیں کیا کہ اسے پیسوں کی تنگی ہے'، صولت بیگم بے یقینی سے بولیں، '...... جیب خرچ تو آپ کو پتہ ہے عمیر ہی تقسیم کرتا ہے، اور اسے شروع سے ہی نسرین نے کہہ دیا تھا کہ چونکہ ارشد اسے پیسے بھجواتا ہے اس لیے وہ اپنے خرچے کی کوئی رقم اس سے نہیں لے گی...... مگر...... ابھی پچھلے مہینے نبیلہ اور فاطمہ نے نئے کپڑے بنائے تھے تو میں نے نسرین سے کہا تھا کہ وہ بھی ساتھ جا کر اپنی شاپنگ کر لے، مگر وہ کہنے لگی کہ اسے ضرورت نہیں ہے۔ اور اس نے عبد اللہ کو سکول میں بھی تو داخل نہیں کرایا، حالانکہ میں نے اتنی دفعہ کہا بھی کہ اب تقریباً چار سال کا ہو رہا ہے...... بیوقوف لڑکی...... ماں باپ سے بھی غیرت کرتی ہے......'، وہ خود کلامی کے سے انداز میں بڑبڑائیں۔

پھر صبح بینک کھلتے ہی انہوں نے اپنے اکاؤنٹ سے تیس ہزار روپے نکلوا کر ایک سادہ لفافے میں بند کیے اور نسرین کی تلاش میں چل پڑے۔ وہ انہیں کچن میں ملی۔ کچن میں رکھی چھوٹی میز پر اپنے ساتھ عبد اللہ کو بٹھائے وہ اسے ناشتہ کرانے میں مصروف تھی۔ چولہے کے پاس صولت بیگم اپنے لیے چائے بنا رہی تھیں۔

'یہ تمہارے لیے ہے نسرین...... تیس ہزار روپے ہیں'، انہوں نے نسرین کے برابر میں بیٹھتے ہوئے اس کی جانب لفافہ بڑھایا۔

'یہ کس کھاتے میں ابّو؟'، نسرین نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔

'یہ...... ارشد نے بھیجے ہیں...... بینک ڈرافٹ بھیجا تھا اس نے تمہارے لیے...... تمہیں نہیں بتایا کیا اس نے؟'، ان میں ہمّت ہی نہ تھی اسے اصل بات بتانے کی۔ اور پھر اپنے اس جملے کے ردّ عمل میں نسرین کے چہرے پر جو روشنی پھیلی تھی، اس نے رہی سہی کسر بھی نکال دی۔

'جی......؟ نہیں، انہوں نے ذکر نہیں کیا۔ سرپرائز دینا چاہ رہے ہوں گے......'، بے اختیار اس کے لب مسکرا اٹھے تھے۔ اس نے ان کے ہاتھ سے لفافہ لے لیا اور اسے کھول کر ہزار ہزار کے تین نوٹ نکال کر ان کی طرف بڑھائے۔ 'ابّو آپ آج جمعہ پڑھنے یونیورسٹی کی طرف جائیں گے ناں؟ واپسی پر سب کے لیے چمن سے آئس کریم پیک کروا لیجیے گا'۔

'بیٹی یہ تم اپنی ضروریات کے لیے رکھو ناں! خواہ مخواہ کھانے پینے کی چیزوں پر کیوں ضائع کرتی ہو؟'، صولت بیگم جو اتنی دیر سے خاموشی سے ساری کارروائی دیکھ رہی تھیں، ٹوکے بنا نہ رہ سکیں۔

'نہیں امّی، بچّے بھی سارے اتنے عرصے سے شکوہ کر رہے ہیں کہ آپا آپ نے تو عرصے سے ٹافی تک نہیں کھلائی، اس لیے آج تو سب کو ٹریٹ دوں گی اپنی طرف سے......'، وہ اپنی خوشی میں مگن، ماں باپ کے احساسات سے بے خبر، کہتی چلی گئی۔ صولت بیگم مزید کچھ کہنا چاہ رہی تھیں، مگر انہوں نے اشارے سے منع کر دیا۔ وہ اس کی خوشی غارت نہیں کرنا چاہتے تھے۔ مگر کب تک وہ اس کی آنکھوں میں جھوٹی خوشیوں کے دیپ روشن کرتے رہیں گے، وہ نہیں جانتے تھے۔ وہ تو بس یہ جانتے تھے کہ ان کے اندر نسرین کی آنکھوں میں آنسو دیکھنے کی ہمت نہیں تھی، وہ اس کے ہونٹوں سے مسکراہٹ چھیننے کی تاب نہ رکھتے تھے۔ مگر کب تک...... کب تک وہ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ اور اس کی آنکھوں کی جگمگاہٹ برقرار رکھ سکیں گے......؟ کب تک وہ اسے اس منحوس گھڑی سے محفوظ رکھ سکیں گے کہ جب اسے یہ پتہ چلے گا کہ ہمسفر کے نام پر وہ محض ایک سراب کے ساتھ ہی پچھلے پانچ سال گزارتی رہی ہے......

اپنے کندھے پر کسی کے ہاتھ کا دباؤ محسوس کر کے وہ اپنی سوچوں کے گرداب سے باہر نکلے۔ انہوں نے چونک کے سر اٹھایا اور مڑ کے دیکھا۔ سفید شلوار قمیص میں ملبوس، سر پر سفید ٹوپی،

آنکھوں پر باریک سا چشمہ، سفید اور کالی ملی جلی داڑھی والے صاحب ان کے قریب ہی قالین پر بیٹھ رہے تھے۔

’السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ‘، انہوں نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ نجانے کیوں ابو بکر صاحب کو یہ چہرہ دیکھا دیکھا لگ رہا تھا۔

’وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ......‘، انہوں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے ان کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا تھا، سوالیہ نگاہیں مقابل کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

’کیسے ہیں آپ ہاشمی صاحب؟‘، انہوں نے کسی پرانے شناسا کی طرح خوشدلی سے پوچھا۔ پھر ان کی آنکھوں میں تیرتی الجھن کو سمجھتے ہوئے اپنا تعارف کرانے لگے، ’ناچیز کو حسن عبد اللہ کہتے ہیں۔ مفتی حسن عبد اللہ......‘۔

’پروفیسر حسن عبد اللہ!......‘، ان کے ذہن میں ایک جھماکا ہوا، شناسائی کی چمک آنکھوں میں عود کر آئی، انہیں یاد آ گیا کہ وہ ان سے پہلے کہاں ملے تھے۔ جماعت کے اجتماع میں پراچہ صاحب کے ہمراہ آنے والے علما کے وفد میں وہ بھی شامل تھے۔ اور انہیں یاد تھا کہ اجتماع کے دوران بھی ان کے مدلل اندازِ گفتگو اور منطقی طریقِ بحث سے وہ بے حد متاثر ہوئے تھے۔ ’آپ یہاں ہوتے ہیں؟ پنجاب یونیورسٹی میں......؟‘۔

’ہوتا تو نہیں ہوں...... آج کل آیا ہوا ہوں‘، مبہم سا مسکراتے ہوئے انہوں نے جواب دیا۔

اتوار کے روز شام کے پانچ بج رہے تھے، ابو بکر صاحب اباجی کے پاس بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ اباجی چند دنوں سے سینے میں شدید جلن محسوس کر رہے تھے، اس لیے آج کل ان کا تقریباً ہر چیز سے ہی پرہیز چل رہا تھا۔ عمیر نے ان کے چیک اپ کے لیے ڈاکٹر سے ایک دو دفعہ اپائنٹمنٹ لی تھی، مگر ایک دفعہ عمیر کو کسی اچانک مصروفیت کی بنا پر اپائنٹمنٹ کینسل کرنی پڑی اور دوسری دفعہ عین چیک اپ والے دن گاڑی خراب ہو گئی، اس کے بعد وہ ڈاکٹر خود کسی کام سے ملک سے باہر چلا گیا۔ اور پھر چیک اَپ کا انتظار کرتے کرتے طبیعت خود ہی سنبھل گئی۔ ان کی تکلیف جو بڑھتے بڑھتے گردن اور کندھوں تک پھیل گئی تھی، چند دن کے مسلسل آرام سے خود ہی ٹھیک ہو گئی۔ مگر اب ایک بار پھر چند دنوں سے وہ شدید بدہضمی اور سینے میں جلن محسوس کر رہے تھے۔ کھانا پینا ان کا سمٹ کر ڈبل روٹی کے چند سلائس، تھوڑے سے ابلے ہوئے چاولوں اور ابلے ہوئے انڈوں تک محدود ہو کر رہ گیا تھا، اس کے باوجود معدے کی تیزابیت اور سینے کی جلن ان کا پیچھا نہیں چھوڑ رہی تھی۔ اور وہ جو دوائیوں سے خار کھاتے تھے، آج کل صبح شام اینٹیسڈز (Antacids) پھانک رہے تھے کہ ہاجمولا سے انہیں کوئی فرق ہی نہ پڑتا تھا۔

ابھی انہیں وہاں بیٹھے ہوئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ حسین، عمیر کا پیغام لیے چلا آیا۔ وہ ابو بکر صاحب کو کسی کام سے بلا رہا تھا۔ ان کی چائے ختم ہو چکی تھی، وہ کپ میز پر رکھتے ہوئے اس کی بات سننے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ بالائی منزل پر پانچ کمرے تھے۔ سیڑھیاں چڑھتے ہی سامنے ہی حسن، حسین اور زین کا کمرہ تھا، جس کا دروازہ سیڑھیوں کی لینڈنگ پر کھلتا تھا۔ اس سے آگے چھوٹا سا لاؤنج تھا اور باقی تمام کمرے اسی لاؤنج میں کھلتے تھے۔ کونے والا کمرہ، جو کہ ابو بکر صاحب اور صولت بیگم کے کمرے کے عین اوپر بنا ہوا تھا، نسرین کا تھا۔ یہ کمرہ اصل میں ولید اور زوار کا تھا، جبکہ نسرین، نبیلہ اور فاطمہ کا کمرہ نچلی منزل پر صولت بیگم کے کمرے کے ساتھ تھا۔ مگر زوار زیادہ تر عمیر کے ساتھ اسی کے کمرے میں رہتا تھا اور عبد اللہ کی پیدائش کے بعد جب انہیں ایک کمرے میں مشکل ہونے لگی تو ولید نے از خود ہی اپنا کمرہ پیش کر دیا، یہ کہتے ہوئے کہ اس کا تو ویسے بھی سارا دن گھر سے باہر ہی گزرتا ہے، رات کو سونا ہی ہوتا ہے، اور سونے کے لیے تو اسے محض ایک بستر درکار تھا، پھر چاہے لاؤنج میں جگہ ملتی یا ڈرائنگ روم میں، وہ کہیں بھی اپنا گدا بچھا کر اور تکیہ رکھ کے، مزے سے سو جاتا۔ اس کمرے سے متصل سٹور تھا، اور سٹور کی دوسری جانب عمیر کا کمرہ۔ عمیر کے کمرے کے ساتھ چھوٹی سی سٹڈی (لائبریری) تھی۔ سٹڈی کا ایک دروازہ لاؤنج میں کھلتا تھا جبکہ دوسرا ٹیرس پہ۔ دونوں دروازوں کے ساتھ کھڑکیاں تھیں، ایک لاؤنج میں کھلتی تھی اور دوسری ٹیرس پہ۔ عمیر نے آج کل اس سٹڈی کو ہی اپنا دفتر بنایا ہوا تھا۔

وہ سٹڈی کے شیشے کے دروازے پر پہنچ کر رکے۔ دروازے اور اس کے ساتھ بنی کھڑکی میں سے سٹڈی کے اندر کے ماحول کی کچھ خبر نہیں ہو رہی تھی۔ شیشے کے آگے لگے بلائنڈز نے پوری طرح اندر کے ماحول کو چھپا لیا تھا۔ انہوں نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا اور دروازے کو ہلکا سا دھکیل کر اندر داخل ہو گئے۔ ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا ان کے چہرے سے ٹکرایا۔ ان کی نگاہیں بے ساختہ دیوار گیر اے سی کی جانب اٹھیں۔ تھرموسٹیٹ سولہ (۱۶) پر سیٹ تھا۔ یہ اکتوبر کا مہینہ چل رہا تھا، اور لاہور کا موسم تاحال گرمی اور حبس لیے ہوئے تھا۔ یہ شکر تھا کہ شامیں اور راتیں قدرے ٹھنڈی اور خنک ہو گئی تھیں۔ موسم گرم تھا، مگر سردی کی طرف بہر حال بڑھ رہا تھا۔ اس ٹرم میں گھریلو معاملات سنبھالتے ہوئے عمیر کو شدت سے ایک نسبتاً پرائیویٹ قسم کے دفتر کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔ نظر انتخاب اٹھی تو سٹڈی پر آ کر ٹھہر گئی۔ یہ دفتر کے لیے بہترین جگہ تھی۔ گھر کی بالائی منزل کے بھی ایک گوشے میں، بالکل الگ تھلگ اور پرسکون۔ ایک دیوار کے ساتھ کتابوں کے شیلف بنے ہوئے تھے، اور دوسری کے ساتھ میز اور کرسی رکھی تھی۔ عمیر نے اسی کو سیٹ کر کے دفتر کی شکل دے دی تھی۔ اس کمرے میں بحیثیت دفتر صرف دو کمیاں تھیں۔ ایک یہ کہ کمرے کی دو دیواروں میں موجود شیشے کی کھڑکیاں اور دروازے کسی قسم کی پرائیویسی مہیا نہیں کرتے تھے۔ سیڑھیوں سے اوپر آنے والے شخص کی پہلی نظر سٹڈی پر ہی پڑتی، اور شیشے کے دروازوں اور کھڑکیوں کے باعث سب کچھ صاف دکھائی دیتا تھا۔ باہر والوں کو اندر کا ماحول صاف نظر آتا تھا اور اندر بیٹھے ہوئے شخص کو باہر کا، جس کے باعث اندر بیٹھ کر سنجیدہ کاموں میں مصروف شخص کی یکسوئی، بقول عمیر ’تباہ و برباد‘ ہو کر رہ جاتی۔ اس کا حل اس نے بلائنڈز کی صورت میں نکالا تھا۔

دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ بالائی منزل پر ہونے کے باعث، اور گھر کے فرنٹ پر بنے ہونے کی وجہ سے یہ کمرہ پورا دن سب سے زیادہ دھوپ وصول کرتا تھا، اور گرمیوں میں شدید تپ رہا ہوتا تھا۔ اس مسئلے کا حل پہلے کی نسبت مشکل تھا۔ یا یوں کہہ لیں کہ مہنگا تھا۔ مگر حل تو نکالنا ہی تھا، سو جدید ماڈل کا سپلٹ اے سی جلد ہی چھت کے قریب دیوار میں نصب کر دیا گیا۔ پارلیمنٹ کے اجلاس میں اس اے سی پر خوب بحث ہوئی تھی۔ عثمان صاحب نے غصّے سے اسے 'شاہ خرچی' قرار دیا تھا اور ابو بکر صاحب سے اس بات کا نوٹس لینے کو کہا۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے زوار نے انہیں بازار میں دستیاب ائیر کنڈیشنرز کی ریٹ لسٹ اور اپنے خریدے ہوئے اے سی کی خصوصیات دکھائیں اور یہ بات واضح کی کہ اگرچہ اے سی مہنگا تھا، مگر انہوں نے دور اندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کا انتخاب کیا تھا۔ یہ اے سی، مٹسوبشی کا کلائیمیٹ کنٹرول والا ڈی سی انورٹر تھا۔ اس پر جو مطلوبہ ٹمپریچر سیٹ کر دیتے، یہ کمرے کی فضا کو اس درجہ پہ لا کر خود بند ہو جاتا۔ پھر اگر کمرے کی فضا گرم ہونے لگتی تو خود بخود محسوس کر کے آن ہو جاتا اور فضا کو ٹھنڈا کرنے کے بعد دوبارہ بند ہو جاتا۔ اس طرح اس میں بجلی کی کھپت کم ہوتی تھی، جس سے ظاہر ہے کہ بِل پر بھی اثر پڑتا تھا۔ یوں ایک بار کا خرچہ تو تھا لیکن بہر حال انہیں امید تھی کہ 'سستا روئے بار بار' والا معاملہ نہیں ہوگا۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر میز کے پیچھے بیٹھے عمیر نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا، وہ اپنے سامنے میز پر رکھے چھوٹے سے لیپ ٹاپ پر مصروف تھا۔ پل دو پل کے لیے ٹچ پیڈ پر چلتی اس کی انگلی رکی، پھر اس نے مصروف سے انداز میں انہیں سامنے رکھی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ایک بار پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ وہ خاموشی سے اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئے۔ ان کی نظریں عمیر اور اس کے دفتر کا جائزہ لے رہی تھیں۔ پورا کمرہ اس کے 'کولون' کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ کمرے میں اس نے بہت زیادہ تبدیلیاں نہیں کی تھیں، البتہ وہ خود سر سے پاؤں تک تبدیل ہو چکا تھا۔ ان کے ذہن میں آج سے ایک سال پہلے والے عمیر کی تصویر گھوم گئی۔ پرانی ٹی شرٹ اور اُڑے ہوئے رنگ کی جینز میں ملبوس، لاپروا اور لاابالی سا عمیر۔ ہر وقت پیسوں کی تنگی اور بھائیوں کی ناانصافی کا شکوہ کرنے والا، لڑتا جھگڑتا عمیر، جس کی انگلیوں میں ہمہ وقت سگریٹ دبا ہوتا اور ہونٹوں پر گانوں کے بول ہوتے، جس کے پاس کبھی موبائل میں بیلنس ڈلوانے یا اپنی ضروریات پر خرچ کرنے کے لیے بھی پیسے نہ ہوتے تھے۔ آج وہ سربراہِ خانہ کی حیثیت سے ان کے سامنے بیٹھا تھا۔ جے ڈاٹ کے تیار شدہ کرتا شلوار میں جس کے گلے پر خوبصورت اور نفیس سی کڑھائی تھی، چہرہ جو پہلے داڑھی مونچھ سے بالکل عاری تھا، اب اس پر ہلکی سی فرنچ طرز کی داڑھی اگ آئی تھی، کلائی میں مہنگی سی گھڑی اور آنکھوں پر نازک اور نفیس سا چشمہ...... یہ سال بھر پہلے والا عمیر تو لگ ہی نہ رہا تھا، ان سب چیزوں نے مل کر اس کی شخصیت کو بہت جاذب، بہت پالشڈ بنا دیا تھا۔ تیس سال کی عمر میں بھی چہرے پر جو لاابالی ولاپروا سے لڑکپن کی جھلک تھی، اب یکسر غائب ہو گئی تھی۔ اور اس کی جگہ ایک سنجیدہ و ذمے دار، مدبر شخصیت رکھنے والا...... بہت پر اعتماد...... بلکہ کسی حد تک خود پسندی کی چھاپ لیے ہوئے، ایک شخص بیٹھا تھا۔ یکایک اور بن بلائے ہی ان کے ذہن میں بچپن کی یاد کی ہوئی اقبال کی نظم 'ایک پہاڑ اور گلہری' کے اشعار گونجنے لگے:

ذرا سی چیز ہے، اس پر غرور، کیا کہنا
یہ عقل اور یہ سمجھ، یہ شعور، کیا کہنا!
خدا کی شان ہے ناچیز، چیز بن بیٹھیں
جو بے شعور ہوں یوں با تمیز بن بیٹھیں

'واقعی خدا کی شان ہے......' بے ساختہ ہی ان کے ہونٹوں پر ہلکی سی استہزائیہ مسکراہٹ آ گئی۔ مگر اگلے ہی لمحے انہوں نے اپنی سوچ پر اپنے آپ کو سرزنش کی۔ یہ وہ کیا سوچے چلے جا رہے تھے۔ عمیر اور اس کی ٹیم کے خرچوں پر انہیں تعجب تھا، جبکہ عثمان صاحب کو شدید اعتراض تھا۔ وہ اکثر ہی دونوں بھائیوں کی توجہ عمیر کی جانب سے صحافیوں اور دیگر اہم شخصیات کو ہوٹلوں میں دی جانے والی پارٹیز کی طرف دلاتے رہتے۔ اس کی مہنگی ڈریسنگ، اس کی میز پر مستقل جگہ گھیرتے پرفیومز، ہیئر جیل، آفٹر شیو...... جدید ترین ماڈل کا آئی فون...... لیپ ٹاپ...... اور پھر بات صرف اس تک محدود نہیں تھی، بلکہ اس کی ٹیم کے تمام ہی افراد پر معاشی خوشحالی کی جھلک صاف نظر آتی تھی۔ عثمان صاحب کے ان اعتراضات کے باوجود وہ عمیر اور اس کی ٹیم کی کسی بات پر گرفت نہیں کر سکتے تھے۔

گھر کے تمام افراد کی مجموعی آمدن کے تین حصّے کیے جاتے تھے۔ ایک حصّہ بجلی گیس سمیت تمام تر بلوں، راشن، ملازمین کی تنخواہیں، بچوں کے سکول و کالج کی فیسوں وغیرہ کے لیے مختص تھا۔ یہ حصّہ مجموعی آمدن کا ۹۰ فیصد تھا۔ اس کے بعد دوسرا بڑا حصّہ تمام افرادِ خانہ میں تقسیم کیا جاتا۔ ۱۰ سال سے کم عمر بچوں کے لیے ماہانہ ۲ ہزار روپے کا وظیفہ مقرر تھا۔ ۱۸ سال کی عمر کے افراد کے لیے ۸ ہزار روپے، ۱۸ سال سے زیادہ مگر غیر شادی شدہ کے لیے پندرہ ہزار روپے مقرر تھے جبکہ شادی شدہ افراد کو ماہانہ بیس ہزار روپے تک جیب خرچ ملتا تھا۔ مجموعی آمدن کا تیسرا اور سب سے چھوٹا حصّہ، جو مجموعی آمدن کا محض دس فیصد تھا، وہ کارِ حکومت کے لیے مختص تھا۔ اس حصّے میں سے سربراہِ خانہ اپنی صوابدید پر وہ خرچے کرتا تھا جو گھر کے انتظام کے لیے لازمی تھے مگر کسی دوسرے کھاتے میں نہیں آتے تھے۔ جیسے مہمانوں کی ضیافت، سربراہِ خانہ کے دفتر کا انتظام و انصرام، وغیرہ......

عمیر اور اس کی ٹیم کے اخراجات جو کچھ بھی تھے لیکن ہر مہینے کے اختتام پر پارلیمان میں جو حساب کتاب کا دفتر وہ پیش کرتے، وہ معمولی دس بیس روپے کی اونچ نیچ کے علاوہ بالکل درست (ایکوریٹ) اور نقائص سے پاک ہوتا۔ پھر اپنے جیب خرچ میں سے ہر بندہ جیسے چاہے خرچ کرے، اور جس چیز پر چاہے خرچ کرے، انہیں کیا حق حاصل تھا کہ وہ اس پر اعتراض یا تنقید کریں۔

'آہم......'، عمیر نے گلا صاف کرتے ہوئے ان کی توجہ حاصل کی، 'بھائی جان! معذرت کہ آپ کو میں نے تکلیف دی...... لیکن آج ایک فون آیا تھا، جس نے مجھے کافی حیران...... بلکہ پریشان کر

دیا'۔ وہ اپنے کام سے فارغ ہو گیا تھا۔ اس نے لیپ ٹاپ بند کر کے اپنے سامنے سے ہٹا دیا، اور بغیر کسی تمہید کے، سیدھا اپنے مطلب کی بات پر آ گیا۔

'کیسا فون......؟'، ابو بکر صاحب نے سنجیدگی سے پوچھا۔

'کینیڈین سفارت خانے سے کال آئی تھی...... کوئی محمود صاحب تھے'، وہ گہری نظروں سے ان کا جائزہ لے رہا تھا۔ اپنے الفاظ کے رد عمل میں ان کا چونکنا اور ان کے چہرے پر پھیلتے اضطراب کے رنگ اس سے پوشیدہ نہیں رہے تھے۔

'کیا کہہ رہے تھے وہ......؟'، انہوں نے اپنے تاثرات پر قابو پاتے ہوئے سرسری انداز میں پوچھا۔

'کچھ بھی نہیں......'، عمیر اپنی کرسی پر آرام سے پیچھے ہو کر بیٹھتا ہوا اطمینان سے بولا۔

'کچھ بھی نہیں؟!تو پھر فون کرنے کا مقصد کیا تھا؟'، انہوں نے اچنبھے سے پوچھا۔

'کچھ بھی نہیں سے میری مراد یہ ہے کہ جو کچھ ان سے میری گفتگو ہوئی، اس کا حاصل حصول کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ کسی پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے مجھے کچھ بتا رہے تھے، مگر چونکہ میں ان کی بات کے سیاق و سباق سے ناواقف تھا، اس لیے میں ان کی بات بالکل سمجھ ہی نہیں سکا۔ آخر انہوں نے کہا کہ اچھے سربراہِ خانہ ہیں آپ، جسے اپنے گھر کے معاملات کی خبر ہی نہیں۔ اتنا زیادہ کمیونیکیشن گیپ تو عام سادہ، جاہل گھرانوں میں نہیں ہوتا......!تو پھر بس شرمندہ ہو کر معذرت کرنے اور دوبارہ ان سے رابطہ کرنے کے وعدے کے سوا اور کیا کر سکتا تھا......؟'، عمیر نے ملامت بھری نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

'ان کے ساتھ میں نے اپنا ایک ذاتی مسئلہ ڈسکس کیا تھا، انہیں تمہیں فون کرنا ہی نہیں چاہیے تھا......'۔

'بھائی جان ذاتی مسئلہ ؟!......'، عمیر ان کی بات کاٹتے ہوئے اونچی آواز میں بولا۔ اس کی آنکھوں سے اس کا غم و غصّہ جھلک رہا تھا۔ 'اگر سب کچھ آپ کا ذاتی مسئلہ ہی ہے تو مجھے کس لیے یہاں بٹھایا ہے؟ یہ کرسی...... یہ کرسی آپ دیکھ رہے ہیں'، وہ اچانک ہی اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس کی طرف اشارہ کر کے بولا، 'بظاہر لیدر کی پوشش والی یہ کرسی بہت آرام دہ نظر آتی ہے مگر میرے لیے یہ ایسے ہے جیسے کسی ببول کے پودے پر بیٹھا ہوں۔ میں اگر دن کے بارہ بارہ گھنٹے اس کرسی پر گزارتا ہوں تو کس لیے؟ یہ لوگوں سے رابطے، یہ پیسوں اور بجٹ کا حساب کتاب، یہ ساری مغزماری...... یہ سب میں کیوں کر رہا ہوں؟ اسی لیے ناں تاکہ میرے تحت میرے گھر کے اندر رہنے والے افراد ایک پر سکون زندگی گزاریں۔ اپنے مسائل کے حل کے لیے میرے پاس آئیں۔ اس کرسی پر بیٹھتا ہوں تو اپنے کندھوں پر اباجی سے لے کر عبد اللہ تک، گھر کے ہر فرد کی ذمّہ داری محسوس کرتا ہوں'۔

'اور کیا نہیں کیا میں نے؟ کس فرض سے پہلو تہی کی ہے؟ کون سی ذمہ داری ہے جو میں نے ادا نہیں کی...... مگر پھر بھی...... آپ مجھ پر جو اعتماد کرتے ہیں اس کے لیے آپ کا شکر گزار ہوں'، کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس کا لہجہ طنزیہ ہو گیا تھا۔

'ایسی بات نہیں ہے کہ مجھے تم پر اعتماد نہیں ہے......'، انہوں نے کہنا چاہا۔

'ایسی بات نہیں ہے تو دوسری بات تو صرف یہی ہو سکتی ہے کہ در حقیقت آپ نے مجھے آج تک دل سے اس گھر کا سربراہ تسلیم کیا ہی نہیں۔ حالانکہ میں اکثریت کا منتخب کردہ نمائندہ ہوں، پھر بھی اصل میں آپ یہی سمجھتے ہیں کہ میں اس منصب کا اہل نہیں ہوں۔ اور حقیقت میں آپ یہی چاہتے ہیں کہ مسائل آپ میرے پاس لانے کے بجائے خود حل کریں......'، وہ ایک بار پھر ان کی بات کاٹتا ہوا غصّے سے بولا، 'مجھے بہت افسوس ہے بھائی جان، مگر ایک سال ہونے کو ہے اس گھر میں جمہوریت رائج کیے ہوئے، مگر آپ کے اندر سے وہ پرانا فرسودہ آمر آج تک نکلا ہی نہیں...... جو دوسروں پر اعتماد نہیں کرتا...... جو دوسروں سے مشورہ نہیں کرتا...... جو ہر معاملے کو اپنی ہی عینک سے دیکھتا ہے...... جو اپنے فیصلے دوسروں پر تھوپنے کا عادی ہے! پھر آخر دنیا کے سامنے یہ جمہوریت کا ڈھونگ رچانے کی کیا ضرورت ہے جب خود اپنے آپ کو جمہوری اقدار سے آراستہ نہیں کرنا؟ کیا یہ کھلا تضاد نہیں؟؟!'، وہ ہمیشہ کی طرح جذباتی انداز میں بولا۔

'دیکھو، میری بات سنو...... ایسی کوئی بات نہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔ میری بیٹی کا معاملہ ہے سو نازک ہے...... میں ابھی تک سارے معاملے کو خود نہ سمجھ پایا ہوں نہ قبول کر پایا ہوں تو کسی اور کو کیا بتاتا...... محمود صاحب نے تمہیں پوری صورت حال تو بتا دی ہو گی؟'، وہ اسے ٹھنڈا کرتے ہوئے تحمل سے بولے۔

'میں آپ کے منہ سے سننا چاہتا ہوں'۔ اور پھر سارا معاملہ جان کر وہ بھڑک ہی تو اٹھا تھا۔

'دھوکے باز!...... بے غیرت! اتنا بڑا فراڈ کیا اس نے ہمارے ساتھ......؟!'، وہ ایک بار پھر کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور پاؤں کی ٹھوکر سے کرسی ہٹاتا، میز کے پیچھے سے نکل کر کمرے کے وسط میں بے چینی سے ٹہلنا شروع ہو گیا۔ 'مذاق سمجھ رکھا ہے اس نے ہماری بیٹی کو؟...... ہلکا سمجھ لیا ہے ہمیں؟'۔

'اور آپ...... بھائی جان!...... آپ نے اتنے آرام سے اس کی ساری بکواس سن لی اور اسے کچھ بھی نہ کہا......؟!!'، وہ اب بے یقینی کے عالم میں ان سے پوچھ رہا تھا۔

'میں کیا کہتا اسے؟ زبردستی تو اسے نسرین کو بسانے پر مجبور نہیں کر سکتا......'۔

'ارے بھاڑ میں جائے ارشد! نسرین کو اس سے ہزار گنا بہتر ساتھی مل سکتا ہے...... مگر بات یہ ہے کہ اس نے نسرین کو دھوکہ دیا ہے۔ اور ابھی سے نہیں بلکہ پانچ سال سے دھوکہ دیتا چلا آ رہا ہے۔ ہم سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر خود کینیڈا میں بیٹھا عیاشیاں کر رہا ہے۔ اور نسرین یہاں اس کے انتظار میں گھلتی جا رہی ہے۔ میرے خدا......! اس کا باپ اتنا نیک، پرہیز گار بنتا ہے، آج تک یہ نہ بتایا کہ بیٹے کے کرتوت کیا ہیں...... لیکن آپ دیکھیے گا بھائی جان...... میں اسے چھوڑوں گا نہیں...... نہ اسے اور نہ اس کے ماں باپ کو...... اتنا ذلیل کروں گا کہ معاشرے میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے...... ہر زیادتی کا گن گن کر بدلہ لوں گا...... سمجھ کیا رکھا ہے ان لوگوں نے ہمیں......'، غصّے اور غیض و غضب سے اس کے ماتھے کی رگیں پھول

(باقی صفحہ نمبر 100 پر)

یہاں درج فاضل لکھاریوں کے تمام افکار سے 'ادارہ نوائے غزوۂ ہند' کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

کراچی الیکٹرک کی کرم فرمائیاں|سہیل اختر نے لکھا

بچپن میں بارش ہوتے ہی خوشی کے نعرے لگتے تھے۔ رحمت خداوندی سے خاص وعام لطف اندوز ہوتے تھے!

اب تھوڑی سی بارش سے بھی دل بیٹھ جاتا ہے۔

سڑکیں دریا بن جائیں گی، گھر کیسے پہنچیں گے، گاڑی راستے میں بند ہو گئی یا ٹائر کسی گڑھے میں پھنس گیا، تو کون مدد کرے گا؟

بارش کی پہلی چند بوندوں کے برستے ہی بجلی اس تیزی سے غائب ہو جاتی ہے جیسے اس کے ذخیرے نمک کے بنے ہوئے ہیں۔ اور پھر حبس اور گرمی میں کئی گھنٹے گزارنے پڑتے ہیں۔ KE کے شکایتی ٹیلیفون نمبر شاید بجلی ہی سے چلتے ہیں، اس لیے شنوائی نہیں ہوتی۔

اس بچپن کے سنہرے دور اور اب کے درمیان کے تیس چالیس سال، اس ملک اور اس شہر کو اس کے منتخب نمائندے کیا سے کیا کر گئے!!

ملحد تہذیب|ڈاکٹر رضوان اسد خان نے لکھا

کیا مصطفیٰ کمال پر کسی ہیومنسٹ یا لبرل نے اعتراض کیا کہ اس نے آیا صوفیا کو عجائب گھر کیوں بنایا؟ دوبارہ گرجا گھر کیوں نہیں بنایا؟

مسئلہ یہ ہے کہ لبرل تہذیب جو اب کھلم کھلا ملحد تہذیب بنتی جا رہی ہے، اسے کسی بھی مذہب سے کوئی ہمدردی نہیں۔ اس تہذیب کی "عبادت گاہیں" ان کے عجائب گھر ہیں جہاں جا کر یہ اپنے بچوں کو بتاتے ہیں کہ دیکھو جب انسان مذہب سے وابستہ تھا تو اس دنیا پر کن کن مصائب کا باعث بنا۔ خدا کے نام پر دوسرے انسانوں کو قتل کرتا، انکے شہروں پر قبضہ کرتا اور ان کی تہذیب کو نیست و نابود کرتا آیا ہے۔ لہٰذا اب تم لوگ خدا اور مذہب سے دور الحاد کی پناہ میں سیکولر زندگی گزارو۔ جو جیسے عبادت کرتا ہے، کرنے دو۔ بس طاقت کے ذریعے انہیں کبھی غالب نہ ہونے دینا ورنہ یہ دوبارہ تمہیں جنت اور جہنم کے چکر میں ڈال کر "افیمی" بنا دیں گے......

(یہ دعوے کتنے سچے ہیں اور اس کے متبادل روشن خیال، لبرل، سیکولر، ہیومنسٹ، ملحدانہ نظام نے دنیا کو کتنا امن و استحکام دیا ہے، یہ ایک الگ بحث ہے)

پہلے انہیں سب سے زیادہ تکلیف عیسائیت سے تھی، جن کے پادریوں کے مظالم یہ سہتے آئے تھے اور جن سے انہوں نے آزادی حاصل کر کے "روشن خیال تہذیب" کی بنیاد رکھی تھی اور اب جبکہ عیسائیت مغلوب اور پاپائیت ویٹی کن تک محدود ہو چکی ہے، پادری خود ہم جنس پرستوں کی شادیاں چرچ میں کرواتے ہیں......تو اب انہیں سب سے زیادہ خطرہ اسلام سے ہے......کیونکہ یہ وہ واحد دین اس کرہ ارض پر باقی بچا ہے، جس کی سرشت میں دب کر رہنا تو سرے سے ہے ہی نہیں، خواہ موحد پوری دنیا میں اکیلا ہی کیوں نہ رہ جائے......!!!

تو بھائی آپ ان کے خدا یعنی "ہوائے نفس" کی عبادت کی دعوت دیتی، خدا پرستوں پر تبرا کرواتی، مذہبیوں کی عقلوں پر ماتم کا درس دیتی عبادت گاہ میں خدائے واحد القہار کی توحید و کبریائی کی صدائیں بلند کروائیں گے اور خود کو خدائی کے مرتبے پر فائز سمجھنے والے انسان کو اللہ وحدہ لاشریک کے سامنے سجدے کروائیں گے تو تکلیف تو بنتی ہے ناں......!!!

مزدور کی عید|عابی مکھنوی نے کہا

چار جوڑے کپڑوں کے، چار جوڑے جوتوں کے
تھوڑی چینی تھیلی میں، ایک پیکٹ کھیر کا
ایک ڈبہ دودھ کا!!!!
دس یا بیس والی ہو، ایک گڈی نوٹوں کی
کُل ملا کے بتلاؤ، کتنا وزن بنتا ہے
ہلکے پھلکے تھیلے میں، ڈال دو تو آ جائے!!
چھوٹے موٹے خرچوں کو، آگے پیچھے کر کے بھی
تھیلا چار چیزوں کا، مجھ سے بھر نہیں پاتا
عید جیسے ہوتی ہے، ویسے کر نہیں پاتا
روز جو اٹھاتا ہوں، بوجھ وہ ٹنوں میں ہے
تھیلا چار چیزوں کا، میں اٹھا نہیں پاتا
اِسی لیے تو کہتا ہوں، کج نصیب لوگوں کے
غم تو ہلکے ہوتے ہیں!!
خوشیاں بھاری ہوتی ہیں

خوشیاں بھاری ہوتی ہیں!!!!!

اصلی، جعلی، وغیرہ وغیرہ | زبیر منصوری نے لکھا

پاکستان میں اصلی ڈگریوں والے کریم(Careem) چلارہے ہیں، جعلی ڈگریوں والے جہاز اور بناڈگری والے اسمبلی اور ادارے چلارہے ہیں!

انگوٹھاچوس جو جہاد پر رائے زنی کرنے لگے......ان کے نام | محمد سلیم نے لکھا

قيل لأحد الفقهاء :

لماذا جُعلَ بابُ الجهادِ في آخِرِ كُتبِ الفقهِ؟

فقال : لِئلا يتكلّم في الجهاد من لا يُحسنُ الطهارة .

☆☆☆☆☆☆☆☆

کسی فقیہ سے پوچھا گیا: جہاد کا باب فقہ کی کتابوں میں سب سے آخر میں کیوں لکھا جاتا ہے؟

فرمانے لگے: تاکہ کوئی ایسا جہاد کے بارے میں نہ بات کرنا شروع کر دے جسے ابھی تک اچھی طرح طہارت کرنا بھی نہیں آتی۔

برہان مظفر وانی | مہتاب عزیز نے لکھا

تاریخ کی کتابوں میں پڑھ کر مجھے سمجھ نہیں آیا کہ سترہ سال کی عمر میں نوجوان محمد بن قاسم نے لشکر کی قیادت کیسے کی، اور بیس سال کی عمر میں سندھ کس طرح فتح کر لیا۔

پھر میں نے یہ منظر اپنے ہوش و حواس میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ مقبوضہ جموں کشمیر کے ایک گاؤں شریف آباد میں سکول پرنسپل مظفر احمد وانی کے ہاں ۱۹ ستمبر ۱۹۹۴ء کو پیدا ہونے والا بچہ میرے عہد کا محمد بن قاسم بن گیا۔ ۲۰۱۰ء میں وہ جب مجاہدین کی صف میں شامل ہوا تو اُس کی عمر صرف چودہ سال اور کچھ مہینے تھی۔ اُس نے کچھ ہی عرصے میں دم توڑتی عسکری تحریک میں ایک نئی روح پھونک دی۔ قابض بھارتی حکومت جو پرویز مشرف جیسے غدار کے تعاون سے جہادِ کشمیر کو قصہ پارینہ بناچکی تھی، بوکھلا اٹھی۔ قابض حکومت نے ایک ملین روپے سر کی قیمت مقرر کی۔ لیکن وہ مسلسل دنیا کی دوسری بڑی فوج کے لیے دردِ سر بنا رہا۔ وہ پہلا مجاہد کمانڈر تھا جو معاشرے کے ہر طبقے میں مقبول ہوا، یہاں تک کہ کشمیری ہندوؤں میں بھی ہیرو کا درجہ پا گیا۔ اُس نے کشمیری قوم کو وہ ولولہ عطا کیا، کہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی بے خوف ہو کر بھارتی فوج سے خالی ہاتھ اور پتھروں سے لڑنے لگے۔

۸ جولائی ۲۰۱۶ء کو جب بھارتی فوج کے ساتھ طویل معرکے کے بعد اُس نے شہادت پائی، اُس وقت اُس کی عمر صرف اکیس سال تھی۔ کرفیو کے باجود کشمیر کی تاریخ کا سب سے بڑا جنازہ اُس کا ہوا۔ اُس کی شہادت پر احتجاجاً کشمیر میں چوّن(۵۴) روز تک طویل ترین مکمل ہڑتال کی گئی۔

ایک بھاتی جرنیل نے کہا تھا کہ برہان سے پہلے اور بعد کا کشمیر بالکل مختلف ہے۔ وہ مارا گیا لیکن اس سے پہلے ہی وہ کشمیر بھارت سے چھین چکا تھا۔

اُسے خبر نہیں کہ وہ مرا نہیں زندۂ جاوید ہوا ہے، اس جیسے جیالے تو لوک گیتوں میں زندہ رہتے ہیں۔ کلاسیکی داستانوں کا حصہ بن جاتے ہیں، پھولوں کی خوشبو میں ڈھل جاتے۔ موت ان کے لیے پیغامِ فنا نہیں دائمی بقا ہوتی ہے۔

#نیا_پاکستان #پیٹرول | جمال عبداللہ عثمان نے لکھا

ذرا ۲۰۱۶ء میں چلے جائیں۔

اس وقت "چوروں" کی حکومت تھی۔ عالمی منڈی میں تیل کی قیمت 43.74 ڈالر فی بیرل تھی، جبکہ پاکستان میں پیٹرول 65.89 روپے کا مل رہا تھا۔

آج عالمی منڈی میں تیل کی قیمت 40.85 ڈالر فی بیرل ہے۔ لیکن ایماندار حکومت اسے 100.10 روپے فی لیٹر بیچ رہی ہے!

اس پوسٹ کو پاکستان کے موجودہ حالات سے بالکل بھی نہ جوڑا جائے! صولت پاشا نے لکھا

ایک مسجد کے باہر دروازے سے سب نمازیوں کی چپلیں چوری ہو گئیں۔

وہاں مسجد کے چوکیدار نے بولا آپ س کی چپلیں ایک بھارتی راء کا ایجنٹ چوری کر گیا ہے......

سب نمازیوں نے اُس راء کے ایجنٹ کو خوب گالیاں دیں اور چوکیدار کو خوب شاباش دی کہ تم نے ہماری چپلیں چوری ہونے کی ہمیں بروقت اطلاع دی، تم واقعی بہت قابل آدمی ہو!!!

پھر سب لوگ ننگے پاؤں اپنے گھروں کو روانہ ہونے اور "چوکیدار زندہ باد" کے نعرے لگاتے ہوئے جانے لگے......

ایک عقل مند نمازی مسجد واپس آیا اور چوکیدار سے پوچھا کہ ہماری چپلیں چوری ہونے کے وقت تم کہاں غائب تھے؟

چوکیدار نے اس بندے کو پکڑ لیا اور زور سے آواز لگائی "نمازیو! واپس آؤ میں نے اُس راء کے ایجنٹ کو پکڑ لیا ہے، جلدی سب واپس آؤ اور اس کی چھینٹی لگاؤ"۔

نوٹ: اس پوسٹ کو پاکستان کے موجودہ حالات سے بالکل بھی نہ جوڑا جائے!

رَضا و وَفا

اشعار: مولانا محمد مثنیٰ حسان

جب اپنی منزلِ مقصود ہی 'رضا' ٹھہری
نشانِ راہ پھر اس کے لیے 'وفا' ٹھہری

کڑی ہے اپنی مسافت، سفر طویل مگر
یہاں متاعِ سفر صبر اور تقیٰ ٹھہری[1]

صعوبتوں سے یہاں جو بھی دل گرفتہ ہوں
خیالِ یار[2] ہی ان کے لیے دوا ٹھہری

چلے ہیں راہِ خدا میں تو شوق سے چلیے
مَلَل سے جی کا چرانا بڑی خطا ٹھہری

رواں سفینہ ہوا ہے، بھنور کی کیا پرواہ
کہ ساحلوں کی طلب مشقِ ناخدا ٹھہری

میں جب مصائب وآلام سے نڈھال ہوا
سکونِ قلب مرے واسطے عطا ٹھہری

مرے خدایا! دعا ہے، مراد کو پاؤں
مری نگہ میں 'شہادت' ہی انتہا ٹھہری

اللّٰھم آمین!

[1] فإِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيِصْبِرْ فَإِنَّ اللّهَ لاَ يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ.
''حقیقت یہ ہے کہ جو شخص تقوی اور صبر سے کام لیتا ہے، تو اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔''

[2] اللّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُواْ.
''اللہ ان کا ساتھی ہے جو ایمان لائے۔''

تمنائے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

پھر لوٹ کے دنیا میں آؤں اور جامِ شہادت نوش کروں!

''شہادت کا صلہ اتنا عظیم الشان ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جنت میں رہنے والوں میں کوئی ایسا نہیں جو دوبارہ دنیا میں آنا چاہے سوائے شہید کے! وہ شہادت کا صلہ دیکھ کر تمنا کرے گا کہ میں دوبارہ دنیا میں جاؤں اور پھر شہید ہوں، پھر جاؤں اور پھر شہید ہوں......خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسے کامل فرماتے ہیں 'لوددت ان اقتل فی سبیل اللہ ثم احیی ثم اقتل ثم احیی ثم اقتل' (میں دلی تمنا کرتا ہوں کہ میں راہِ خدا میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں)۔

صاحبو! شہادت میں کچھ تو لذت ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اس کی تمنا فرماتے ہیں۔ آہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر کیا گزرتی ہوگی جو یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر آئی، ورنہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ضابط تھے......شہید جب جان دینے کے لیے بڑھتا ہے تو زبانِ حال سے حق تعالیٰ کی جناب میں یوں کہتا ہے:

مجرم عشق تو ام می کشند و غوغا ئیست

تو نیز بر سر بام آ خوش تماشا ئیست

(تیرے عشق کے جرم میں مجھے قتل کرتے ہیں، فریاد تو خود بھی تو چھت پر آ کر دیکھ کتنا اچھا تماشا ہے)

یعنی وہ محبوبِ حقیقی سے عرض کرتا ہے کہ لوگ آپ کے عشق کے جرم میں مجھے قتل کر رہے ہیں......ذرا آپ بھی ایک نظر یہ تماشا دیکھ لیجیے......پھر چونکہ مسلمان کو یقین ہے کہ حق تعالیٰ دیکھ رہے ہیں تو محبوب کے سامنے اس کے نام پر جان دینے کی اسے کیا کچھ لذت آتی ہوگی، اس کو وہی جان سکتا ہے!''

(حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ، خطبات حکیم الامت جلد ۹، صفحہ ۷۰، ۷۱)